پندرہ خطبات

حضرت شیخ الحدیث کے

امام اہل سنت شیخ الحدیث والتفسیر

مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ

مرتب

استاذ الحدیث والتفسیر **مولانا محمد نواز بلوچ** مدظلہ

جلد دوم

ناشر: احسن اکادمی محلہ مغل پورہ جناح روڈ گوجرانوالہ

پندرہ خطبات

حضرت شیخ الحدیث کے

امام اہل سنت شیخ الحدیث والتفسیر

مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ

مرتب

استاذ الحدیث والتفسیر **مولانا محمد نواز بلوچ** مدظلہ

(جلد دوم)

ناشر: احسن اکادمی گلہ جامع مسجد ریحان، محلہ مغل پورہ جناح روڈ گوجرانوالہ 03006450340

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب----- پندرہ خطبات حضرت شیخ الحدیث کے (جلد دوم)

مرتب------- استاذ الحدیث والتفسیر مولانا محمد نواز بلوچ مدظلہ

ناشر-------- احسن اکادمی، گلہ جامع مسجد ریحان، محلہ مغل پورہ، جناح روڈ،

گوجرانوالا۔ فون:0300-6450340

اشاعت اول---- مارچ 2019ء

قیمت---------

ملنے کے پتے

- مکتبہ سید احمد شہید، اُردو بازار، لاہور۔
- مکتبہ رحمانیہ، اقراء سنٹر، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔
- مکتبہ امام اہل سنت شیرانوالا باغ، گوجرانوالا۔

فہرست خطبات

- عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم 15
- عظمتِ صحابہؓ اور شانِ صدیق اکبرؓ 37
- مقامِ صحابہؓ اور شانِ فاروق اعظمؓ 57
- شانِ صحابہؓ واہل بیتؓ 78
- اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 100
- ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 120
- سیرتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 144
- اسوۂ کامل 165
- مدنی زندگی اور آغازِ جہاد 187
- غزوۂ بدر 209
- غزوۂ بدر اور کافروں کا انجام 233
- جانثارانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 254
- بیعتِ رضوان 274
- فتح مکہ 296
- معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 318

فہرستِ عنوانات

عنوان	صفحہ
❊ عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم	
اصل الاصول مسائل	16
پیار کی حدیں اور فرق مراتب	17
مشیت اللہ کی صفت ہے	18
اللہ جی! کہنا جائز نہیں	21
میٹھا اور کڑوا کفر	22
قرآن پاک میں چار مرتبہ اسم محمدﷺ آیا ہے	24
اولین ایمان لانے والے	28
تین افراد کا ایمان لانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے	29
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم سفر ابوبکر رضی اللہ عنہ	30
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں	32
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لغزشیں معاف ہیں	34
بزرگانِ دین کا ادب	35
❊ عظمتِ صحابہؓ اور شانِ صدیق اکبرؓ	
صحابی کی تعریف	38
ایک مرتد کا عبرت ناک انجام	39
ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک سے روشنی کا نکلنا	40
دل کی آنکھوں سے ایمان لانے والا بھی صحابی ہے	41
سورۂ عبس کا سببِ نزول	41
نابینا صحابی کی ذہانت بھری چال	43
صرف کلمہ پڑھ کر شہید ہونے پر جنت کی بشارت	45
افضل البشر بعد الانبیاء	47
جنت کے ہر دروازے کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جستجو	48
حسد اور غبطہ میں فرق	49
عمرؓ کا ابوبکرؓ سے مقابلہ میں عاجز آنا	50
فاروق اعظمؓ کی نیکیاں ستاروں کے برابر	51
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بہ یک وقت سات محاذوں پر جنگ لڑنا	53
چار نسلوں میں صحابیت کا شرف	54
زمامِ خلافت اور اخلاصِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ	55

عنوان	صفحہ
※ مقامِ صحابہ اور شانِ فاروق اعظم	
تمہید	58
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خواب	59
وفاتِ پیغمبر پر تین باتوں میں اختلاف	60
جبرئیل علیہ السلام کا بددعا کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آمین کہنا	62
فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم بہ زبانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم	64
عشرہ مبشرہ	65
خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو جنت کی بشارت	66
قصرِ عمر رضی اللہ عنہ جنت میں	67
بیل اور بھیڑیے کا باتیں کرنا	68
قادرِ مطلق جس چیز کو چاہے بلوا سکتا ہے	69
کرامتِ فاروقی	71
عدلِ فاروقی	71
گورنر کی سرزنش	72
ذمیوں کے ساتھ حسنِ سلوک	73
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں ادنیٰ اعلیٰ برابر	74
افسروں کو سادہ لباس پہننے کا حکم	75
※ شانِ صحابہؓ و اہل بیتؓ	
تمہید	79
بنیادی عقائد میں فرق آنے سے عبادت ضائع ہوجاتی ہے	80
مسئلہ تقدیر	80
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مسئلہ تقدیر کو حل کرنا	83
حدیثِ جبریل	85
اہل بیت کا اولین مصداق	88
فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا	88
امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے متعلق اہم مسائل کی وضاحت	90
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں اولاد بھی شامل ہے	93
دلوں کی سختی کا علاج	95
تسبیح فاطمہ	97
※ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم	
تمہید	101
صغارِ صحابہ	102
معصوم بچی اور محبتِ رسول	102
سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا واقعہ	103
ازواجِ مطہرات کے اہل بیت ہونے پر دلائل	106
حسنین کریمین جنت کے پھول	108
صحابی کی عجیب وغریب وصیت	109
حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق حضورؐ کی پیش گوئی	111
حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق حضورؐ کی پیش گوئی	111
معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف بہ زبانِ علی رضی اللہ عنہ	113

عنوان	صفحہ
عام خلیفہ اور خلفائے راشدین کا فرق	115
دور فاروقی میں حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اور عباس رضی اللہ عنہ کے وظائف	116
خلفائے اربعہ آپس میں شیر وشکر تھے	118
✽ ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم	
تمہید	121
سفر ہجرت	122
زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا آپ کو ہدیہ پیش کرنا	123
صدقہ کا دوسرے کے حق میں ہدیہ ہونا	124
دم اور تعویذ پر اُجرت لینا جائز ہے	125
نماز سے متعلق ایک اہم مسئلہ	127
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال	131
ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام	131
اذان کی ابتدا کیسے ہوئی؟	134
یہود اور مشرکین اہل اسلام سے عداوت میں پیش پیش	136
آج مسلمانوں کا کردار قبولِ اسلام میں رکاوٹ ہے	139
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایمان افروز واقعہ	140
گورنر صحابی کا ننگے سر اور ننگے پاؤں ریت پر چلنا	142
✽ سیرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم	
تمہید	145
ابرہہ کا واقعہ	146
مشرک کی مثال تارِ عنکبوت کی	150
ایمانِ صحابہ	152
آغازِ نبوت	154
ورقہ بن نوفل جنتی ہیں یا جہنمی	156
مشرکین کی اسلام کے خلاف چالیں	157
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوشل بائیکاٹ	158
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہجرت کرنا اور ابن دُغنہ کا واپس لانا	160
حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا شہادت	161
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسلام کی خاطر مظالم برداشت کرنا	162
مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی قربانی	163
✽ اسوۂ کامل	
تمہید	166
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی دین ہے	166
مومن کا ہر فعل نیکی ہے	167
جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت	168
دین کا ایک مسئلہ بیان کرنا ہزار درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے	169

عنوان	صفحہ
ابوذرغفاری رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا واقعہ	172
طلبِ حق نہ ہو تو کچھ حاصل نہیں ہوتا	175
ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ	177
اظہارِ ایمان پر مار برداشت کرنا	179
دارالندوہ میں کفار کی میٹنگ	180
مدنی زندگی اور آغازِ جہاد	
تمہید	188
یہود کا مدینہ پر تسلط	188
آپ کا تقویٰ دیکھ کر اوس وخزرج کا ایمان لانا	189
عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام	190
فخاص بن عازورہ کی بددیانتی	191
یہود کے ساتھ معاہدہ	193
مشرکین مکہ کا رئیس المنافقین کے نام خط	194
لڑائی کی بنیاد	195
اہل مکہ کے دورانِ سال دو تجارتی سفر	195
اذنِ جہاد	197
قلت، کثرت کا سوال غیر اسلامی ہے	197
کیپٹن ایس۔اے زبیری کا ایمان افروز واقعہ	198
ساٹھ مسلمانوں کا ساٹھ ہزار کو شکست دینا	199
ابودجانہ رضی اللہ عنہ کا تن تنہا چالیس ہزار سے مقابلہ	200
آپ ؐ کا انصار ومہاجرین سے رائے لینا	200
مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی تقریر	201

عنوان	صفحہ
سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی تقریر	203
خباب بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ کی رائے	205
ابلیس انسان کا کھلا دشمن ہے	206
غزوۂ بدر	
تمہید	210
جو کام آپ ﷺ نے کیے ان کے درجات	210
انکار اور استہزاء کا فرق	211
مالابدمنہ کتاب کی اہمیت	214
غزوہ کی تعریف	215
غزوۂ بدر	216
خدائی اختیارات صرف اللہ کے پاس ہیں	217
اللہ، رسول کی اطاعت میں کمی آنے سے نصرت کا پیچھے ہٹ جانا	218
باپ بیٹے میں حصولِ شہادت کے لیے جھگڑا	219
جنگ کا آغاز	221
طالوت اور جالوت کا تذکرہ	222
طبعی خوف ایمان کے خلاف نہیں	224
معوذ اور معاذ کا ابوجہل کو قتل کرنا	226
کافروں میں صفِ ماتم	229
آنحضرت ﷺ کا مردم شماری کروانا	231
غزوۂ بدر اور کافروں کا انجام	
اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے	234

عنوان	صفحہ
حلال وحرام کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے	235
قلیب بدر میں کافروں کی لاشوں سے خطاب	237
بدر کے قیدیوں کے بارے میں عمرؓ کی رائے	239
خدا رسول کے معاملے میں عمر کو نرمی گوارا نہیں	240
بدر کے قیدیوں کے بارے میں ابوبکر کی رائے	241
مساوات کا بہترین نمونہ	243
مساوات کی ایک اور عمدہ مثال	244
حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دو اُونٹنیوں کو قتل کرنا	248
دو ہجری میں پہلی نمازِ عید ادا کی گئی	250
خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم	250
❊ جانثارانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	
تمہید	255
بیئر معونہ کا واقعہ	256
قبیلہ عضل اور قارہ کی دھوکے بازی	259
خبیبؓ بن عدی کی شہادت کا دل دوز واقعہ	261
نابینا صحابی کا گستاخ لونڈی کو قتل کرنا	264
عوام کی خانہ زاد توہین اور حقیقی توہین میں فرق	266
عباراتِ اکابر	268
نمائندگانِ قریش کا خود ساختہ توہین کا پہلو نکالنا	268
حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی تقریر	270
حضرت عباسؓ کا ادبِ رسولؐ کو ملحوظ رکھنا	272

عنوان	صفحہ
چار ہجری کے دیگر اہم واقعات	273
❊ بیعتِ رضوان	
تمہید	275
منسوخ اور مخصوص چیزوں پر عمل کرنا دین نہیں	276
چھ ہجری کے واقعات	277
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرہ کے ارادہ سے مکہ روانہ ہونا	278
ممنوعاتِ احرام	279
سفر عمرہ میں کوئی منافق ساتھ نہ تھا	281
احرام باندھنے کا طریقہ	281
مقام حدیبیہ پر کافروں کی مزاحمت	284
سہیل بن عمرو کا شرائطِ صلح طے کرنا	285
انکارِ علی وعمر رضی اللہ عنہما بہ وجہ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم	288
واقعہ قرطاس میں آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے؟	291
قبلِ وفات نصیحتیں اور وصیتیں	292
عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم	293
❊ فتح مکہ	
تمہید	297
نمائندۂ رسول عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	298
شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کی افواہ اور بیعتِ رضوان	299
ابوبکر رضی اللہ عنہ امیر حج مقرر	300
عمرہ کے احکام	301

عنوان	صفحہ
دوطرح کے پانی کھڑے ہوکر پینا مستحب ہے	305
سعی بین الصفا والمروہ کے مسائل	307
کفار قابلِ اعتماد نہیں	309
کفارِ مکہ کی عہد شکنی	310
شاہانِ عالم کے نام خطوط	311
شاہِ روم کو دعوت نامہ	311
ہرقل اور ابوسفیان کا مکالمہ	312
شاہ مقوقس کے نام خط	315
جشن آزادی اور مسلم قوم کی زبوں حالی	315
مسلمانوں کے لیے دعا	317
❊ معراج النبی ﷺ	
یہودی مولوی کا آپ ﷺ کی مجلس میں آنا	319
زمین کا بہترین اور بدترین ٹکڑا	321
چار فضیلت والی مسجدیں	323
معراج مصطفیٰ ﷺ	323
آپ ﷺ کا معراج جسمانی تھا	324
مقامِ عبدیت	324
مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کا تعمیری وقفہ	325
امامتِ انبیاء	326
انبیائے کرام علیہم السلام کا اجتماع مع الاجساد والارواح	327
احیائے موتیٰ کے چند واقعات	328
موت وحیات کا مالک اللہ ہے	330
انبیائے کرام علیہم السلام کو کون سی نماز پڑھائی	332
نمازِ فجر میں آپ ﷺ کا معمول اور اُمت کو تاخیر کا حکم	332
قبلہ اول پر یہود کا غاصبانہ قبضہ	334
ملحمۃ الکبریٰ کا وقت قریب آگیا ہے	337
اعلان	338

پیش لفظ

"پندرہ خطبات" کی دوسری جلد قارئین کرام کے پیش خدمت ہے۔
اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت امام اہل سنت کے خطبات کی پہلی جلد کو علماء اور عوام میں بہت پذیرائی ملی۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا کہ پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ پہلی جلد مقبولِ عام ہوئی تو دوست، احباب اور دیگر استفادہ کرنے والوں کی طرف سے دوسری جلد کا اصرار بڑھنے لگا۔ لیکن مصروفیت اتنی زیادہ تھی کہ دوسری جلد پر قارئین کے اصرار کے باوجود بروقت کام نہ ہوسکا۔ جب اصرار بہت بڑھ گیا اور احباب کی طرف سے مسلسل فون آنے لگے کہ دوسری جلد کب آئے گی تو دیگر مصروفیات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے میں نے دوسری جلد پر کام شروع کر دیا اور بہ فضلِ خدا دوسری جلد اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

پہلی جلد میں شعبان المعظم اور رمضان المبارک کے خطبات کو ترجیح دی گئی تھی کہ ان میں زکوٰۃ کے مسائل اور رمضان المبارک کے مثلاً: روزہ، اعتکاف وغیرہ کے مسائل خاصی تفصیل کے ساتھ حضرت نے بیان فرمائے۔ دوسری جلد میں شمع رسالت کے پروانوں کا تذکرہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائیوں کی جانثاریاں اور آپ کے اہل بیت اطہار کے متعلق حضرت نے تفصیلی گفتگو کی ہے اور خاص طور پر

سلطانِ صحابہ حضرت صدیق اکبر کا مقام، عظمت، شان اور حضرت فاروق اعظم کے مثالی دور کی جھلکیاں قارئین کی نظروں کو خیرہ کریں گی۔

آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ نا صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ پوری دنیا کے انسانوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت میں ہجرت کا واقعہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ہجرت پر تفصیلی بیان ہے اور ہجرت کے بعد آپ کی مدنی زندگی اور مدنی زندگی میں غزوات کا سلسلہ، بیعتِ رضوان اور اس کے ضمن کئی ایک مسائل ہیں جن پر حضرت شیخ نے تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے معراج پر بہت عمدہ مواد قارئین کرام کو ملے گا۔

اب جس کا جی چاہے روشنی پائے
لو ہم نے دل جلا کے سرِ عام رکھ دیا

خطبات کیا ہیں بکھرے موتی ہیں، علم وحکمت کے جواہرات ہیں، عقائد ونظریات کے اَن مِٹ نقوش ہیں۔ علماء، خطباء، واعظین، مقررین اور اہل ذوق کے لیے بہت کچھ ترتیب دیا گیا ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھ سے اسی طرح دین کی خدمت کا کام لیتا رہے۔

دعا گو و دعا جو بندہ

محمد نواز بلوچ

خطیب جامع مسجد ریحان

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ گوجرانوالا۔

سخنے چند

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین و خاتم النبیین وآلہ واصحابہ اجمعین.

انسان کی زندگی میں سب سے قیمتی سرمایہ ایمان ہے۔ ایمان کے سوداگر آج دنیا میں جابجا نظر آتے ہیں۔ آج کے اس پُرفتن اور پُرآشوب دور میں ان سوداگروں سے بچ کر ایمان محفوظ رکھتے ہوئے دار الفناء سے دار البقاء کو رخصت ہونا انسان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ ایمان کا تعلق اولاً اعتقاد سے اور پھر اعمال سے ہے۔ مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے لوگوں کے ایمان کو بچانے کے لیے اعمال کی اصلاح کے ساتھ ساتھ عقائد کی اصلاح پر بالخصوص توجہ دی ہے۔ آپ اتنے راسخ العقیدہ تھے کہ وقت کے بڑے بڑے علماء عقائد ونظریات میں آپ کو سند کا درجہ دیتے تھے۔

آج وہ زمانہ ہے جس میں بڑے نامی گرامی اور شہرت یافتہ علماء بھی جہاد کا نام لیتے ہوئے گھبراتے ہیں لیکن امام اہل سنتؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جہاد اور غزوات کے سلسلے کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جہاد کی اہمیت، فضیلت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبہ جہاد کو کھول کر بیان کیا ہے کہ تھوڑے ہونے کے باوجود محض اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے بڑے بڑے گروہوں کو انھوں نے شکست دی۔ آج کے دور میں افغان طالبان اس کی واضح مثال ہیں۔

آج سے تقریباً سترہ، اٹھارہ سال پہلے دنیا کی سپر پاور امریکہ بپھرا درندہ بن کر

افغانستان میں یہ عزم لے کر اُترا کہ ہم نے اسلام کے ان نام لیواؤں کو تہس نہس کر دینا ہے۔ہم اس ملک کو تباہ و برباد کر دیں گے۔ دندناتی ہوئی بتیس [۳۲] ملکوں کی افواج داخل ہوتی ہیں اور یہ ایک ایسا عجیب و غریب وقت تھا کہ کوئی پڑوسی ملک، پاکستان، ایران، تاجکستان سمیت ساتھ دینے کو تیار نہ تھا، کوئی عالمی طاقت ساتھ نہیں، کوئی اسلحہ دینے والا ساتھ نہیں، کوئی ہمدرد ساتھ نہیں، کوئی ان کی لاشوں پر رونے والا نہیں۔

ستمبر 2001ء میں 9/11 کے بعد پوری دنیا میں ایک سناٹا چھا گیا تھا جس نے پوری دنیا کو خوف زدہ کر دیا تھا اور پاکستان میں ہر وہ شخص جو ٹیکنالوجی کے بت کے سامنے سجدہ ریز تھا، ہتھیار کی پوجا کرتا تھا جس میں جمہوریت پسند، آمر، لیبرل، سیکولر، ملحد اور نام نہاد مسلمان ہم جیسوں کا منہ چڑھایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اسی [۸۰] کی دہائی کا افغانستان نہیں کہ روس کے مقابلے میں امریکہ، یورپ، تمام پڑوسی ممالک مجاہدین کا ساتھ دے رہے تھے تو روس کو شکست ہوگئی۔اب تو بڑے سے بڑا ملک اور طاقت ور سے طاقت ور ترین قوم بھی یہ قوت اور طاقت نہیں رکھتی کہ امریکہ کے حکم کے سامنے ملا عمر اور اس کے طالبان ساتھیوں کے حق میں زبان سے چند لفظ ادا کر سکیں۔ان چند ہزار دین کے دیوانوں اور فرزانوں کے مقابلے میں سب کے سب متحد تھے۔

آج کے اس جدید دور میں ملا عمر اور طالبان کا امریکہ جیسی طاقت کو شکست دینا انسانی تاریخ کا اتنا بڑا واقعہ ہے جو اللہ کے اس وعدے کو ثابت کرتا کہ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ جس نے اللہ پر بھروسا کیا تو اللہ اس کے لیے کافی ہے۔ماضی قریب میں پہلی جنگِ عظیم، دوسری جنگِ عظیم یا اور جتنی جنگیں ہوئی ہیں ان میں کسی نہ کسی حد تک طاقت کا توازن تھا لیکن انسانی تاریخ میں یہ پہلی جنگ ہے جو پوری دنیا کے مقابلے میں چالیس، پینتالیس ہزار طالبان نے جیتی ہے۔صرف چالیس [۴۰]، پینتالیس [۴۵] ہزار افغان

ملا عمر کی قیادت میں کھڑے ہوئے اور انھوں نے لاکھوں کے لشکر کو جس میں ڈیڑھ لاکھ امریکی فورسز، ساڑھے تین لاکھ افغان فوجی جن کو امریکہ نے خود ٹریننگ دی تھی، سات ایٹمی طاقتیں اور اس کے پیچھے تمام جدید ترین ٹیکنالوجی کو نیست و نابود کر دیا اور ثابت کر دیا کہ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ اگر اللہ پر بھروسا کرو گے تو تھوڑے ہونے کے باوجود وہ تمھیں کامیاب کرے گا۔

ملا عمر جن کے سر کی قیمت بارہ کروڑ ڈالر لگائی گئی تھی انھوں نے کہا تھا افغانستان گوند کا تالاب ہے یہاں جو بھی داخل ہوا پھر باہر نہیں نکل سکا اور یہ جنگ تم نے شروع کی ہے ختم ہم کریں گے۔ آج کس کی فتح کا نعرہ گونج رہا ہے اور کس کی ذلت آمیز شکست کی کہانی صفحہ قرطاس پر لکھی جا چکی ہے۔ کہاں 2001ء کے جارج بش کا وہ غرور اور کہاں 2019ء کے ڈونلڈ ٹرمپ کی منتیں، درخواستیں اور لہجے میں چھپی شکست۔ جو لوگ اٹھارہ سال پہلے نعرہ مارتے تھے کہ امریکہ صفحہ ہستی سے مٹا دے گا آج وہ ذلت کی کالک منہ پر ملے گھوم رہے ہیں جو چھپائے نہیں چھپتی۔

اللہ کو پامردئ مومن پہ بھروسا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

محمد صفدر حمید سرفرازی عفی عنہ
فاضل وفاق المدارس العربیہ ملتان،
ایم فل پنجاب یونیورسٹی، لاہور
مدرس مدرسہ ریحان المدارس
خطیب جامع مسجد سردار میر، ڈی بلاک، گارڈن ٹاؤن گوجرانوالا۔

عظمتِ صحابہؓ

خطبہ جمعہ المبارک ۲۰ رمحرم الحرام

مرا عقیدہ ہے، اصحابِ سرورِ عالمؐ
ہدایتوں کے منارے ہیں، روشنی کے چراغ

خطبہ مسنونہ کے بعد :

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ تَرٰىہُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانًا ۫ سِیۡمَاہُمۡ فِیۡ وُجُوۡہِہِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ؕ ذٰلِکَ مَثَلُہُمۡ فِی التَّوۡرٰىۃِ ۚۖۛ وَ مَثَلُہُمۡ فِی الۡاِنۡجِیۡلِ ۚ۟ۛ کَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـَٔہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰی عَلٰی سُوۡقِہٖ یُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیۡظَ بِہِمُ الۡکُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡہُمۡ مَّغۡفِرَۃً وَّ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۲۹﴾

[سورۃ الفتح، آیت: ۲۹، پارہ: ۲۶]

اصل الاصول مسائل :

اس وقت میں نے تمھارے سامنے چھبیسواں پارہ سورۃ فتح کے آخری رکوع کی آخری آیت کریمہ پڑھی ہے۔ اس آیت کریمہ میں خصوصی طور پر دو چیزوں کا ذکر ہوا ہے۔ ایک چیز ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اور یاد رکھنا! اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنے عقیدے واجب قرار دیے گئے ہیں ان تمام عقائد میں توحید کے بعد رسالت کا مسئلہ بڑا بنیادی مسئلہ ہے۔ اصل الاصول تین مسئلے ہیں۔ توحید، رسالت، قیامت۔ باقی تمام ان کی شاخیں اور فرع ہیں۔

پیار کی حدیں اور فرقِ مراتب :

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔قرآن پاک میں اس لیے وضاحت کی تاکہ کوئی عیسائیوں کی طرح غلو میں آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق غلط عقیدہ نہ بنالے۔عیسائیوں کو اپنے خیال کے مطابق محبت کا جوش آیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ کا بیٹا بنا دیا وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۔ یہودیوں کو محبت ہوئی، عشق کودا، پیغمبروں کی محبت غلط طریقے سے آئی تو اُنھوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو رب تعالیٰ کا بیٹا بنا دیا وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ ۔ یہ میٹھا کفر ہے عداوت نہیں ہے۔نہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے ساتھ دشمنی ہے۔بالکل واضح بات ہے کہ بیٹا بنانا کوئی دشمنی کی بات تو نہیں ہے۔

رب تعالیٰ کے ساتھ بھی پیار، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی پیار، حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ بھی پیار، مگر پیار میں حد کو پھلانگ گئے۔کیوں کہ پیار کی حدیں ہیں۔جو پیار اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ اس کے ساتھ خاص ہے اور جو پیغمبروں کے ساتھ ہے وہ ان کے ساتھ خاص ہے اور جو اماموں، بزرگوں، شہیدوں کے ساتھ ہے وہ ان کے ساتھ خاص ہے۔اور جو پیار عام مومنوں کے ساتھ ہے وہ ان کے ساتھ خاص ہے۔مولانا رومی نے مختصر لفظوں میں بڑی فضیلت بیان کر دی ہے۔

ع گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

(اگر مرتبوں کا فرق نہیں کرے گا تو گمراہی ہے)۔فرقِ مراتب کر کہ خدا خدا ہے،

پیغمبر، پیغمبر ہے، شہید، شہید ہے، ولی، ولی ہے، مومن، مومن ہے۔ جو، جو ہے اس کو وہی سمجھو۔ حدود کو توڑ دینا اور گڈ مڈ کر دینا (نبی کو اللہ کی کرسی پر بٹھا دینا، اماموں کو نبیوں سے بڑھا دینا۔ مرتب) اسی کا نام افراط وتفریط ہے۔ اور اسلام اس کا بہت سخت مخالف ہے۔

مشیت اللہ کی صفت ہے :

آنحضرت ﷺ مجلس میں تشریف فرما ہیں صحابہ کرام آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ ایک شخص نے صرف اتنے الفاظ کہے ماشاءَ اللّٰہُ وَ شِئْتَ (جو اللہ نے چاہا اور آپ ﷺ نے چاہا)۔ و فی روایۃ (اور ایک روایت میں ہے) ماشاء اللّٰہُ و شاء محمد ﷺ۔ (جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور محمد ﷺ نے چاہا)۔ اس شخص کا کوئی کام اَٹکا (رُکا) ہوا تھا کام کی تفصیل نہیں ہے کہ وہ بیمار تھا یا کوئی اور مسئلہ تھا۔ آپ ﷺ کے سامنے اُس نے یہ الفاظ کہے کہ مَاشَاءَ اللّٰہُ وَ شِئْتَ جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور آپ ﷺ نے چاہا تو میرا کام ہو جائے گا اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا اور محمد رسول اللہ ﷺ نے چاہا تو میرا کام ہو جائے گا۔

اُس نے یہ جملہ پیار، محبت اور عقیدت کے ساتھ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا درجہ اور مقام ہے آپ ﷺ کے لب مبارک حرکت کریں گے تو بہت کچھ ہو جائے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس طرح نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جلال تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت اور رعب تھا۔ کوئی بڑا جری آدمی ہوتا جو بات کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا، ورنہ سر جھکائے ہوتے تھے اور ہمہ تن گوش ہو کر سنتے تھے۔ جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلتی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سینوں میں اُتر جاتی الا ماشاء اللہ، ٹیپ ریکارڈر کی طرح۔ الا ماشاء اللہ کوئی بوڑھا ہوتا، حافظہ کمزور ہوتا یا کانوں سے بہرا ہوتا اس کی بات نہیں کرتے۔ پھر جو بات سنتے اس کی نشر واشاعت کرتے۔

اس آدمی نے جب یہ جملہ کہا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس بالکل لال ہو گیا، سرخ ہو گیا۔ اور احادیث میں آتا ہے کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوتے تھے تو چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا تھا كَأَنَّمَا فُقِئَ عَلَيْهِ الرُّمَّان گویا کہ کسی نے انار نچوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پر ڈال دیا ہے۔ اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر غصے کے آثار ظاہر ہوئے اور فرمایا تو نے یہ الفاظ غلط کہے ہیں بَلْ قُلْ مَاشَاءَ اللهُ وَحْدَهٗ۔ بلکہ کہو جو اکیلا رب چاہے گا وہی ہو گا۔

مشیت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت میں مخلوق میں سے کوئی شریک نہیں ہے۔ اگر کسی کے شریک ہونے کا امکان ہوتا تو میرا ایمان ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شریک ہوتے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بالکل صاف اور

صریح ہے اور صحیح حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلال میں آ کر فرمایا بَلْ قُلْ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ۔ بلکہ کہو جو اللہ وحدہٗ لاشریک کو منظور ہوگا وہی ہوگا اور کسی کی مشیت، کسی کا ارادہ کچھ نہیں کرسکتا۔

آج دیکھنا! بعض لوگ محبت اور عقیدت میں کہتے ہیں دشمنی میں نہیں مگر شرعاً یہ جائز نہیں ہے۔ مقدمے کے متعلق کہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے ساتھ بری ہو جائے گا۔ کوئی بیمار ہے تو کہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے ساتھ تن درست ہو جائے گا۔ امتحان میں اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کے ساتھ پاس ہو جائے گا۔ یہ سب ناجائز ہے۔ حکم صرف رب تعالیٰ کا ہے اس سلسلہ میں کسی کا حکم نہیں ہے۔

ہاں! حکم دینی چیزوں میں ہے۔ مثلاً: کہہ سکتے ہو اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے نماز پڑھو، اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے روزہ رکھو، اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے حج کرو، اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے سچ بولو، اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے نیکی کرو، اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے ماں باپ کی اطاعت کرو۔ اس طرح کہنا صحیح ہے۔ یہ وہ احکام ہیں جو رب تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے واسطے سے بھیجے ہیں۔ بات سمجھ آرہی ہے نا! کہ یہ جتنے احکام آئے ہیں رب تعالیٰ نے بھیجے ہیں ہر بندے کو رب تعالیٰ نے نہیں بتلائے بلکہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے بتلائے ہیں ان کے ذریعے ہمارے تمھارے پاس پہنچے ہیں۔

اور باقی بیمار کو شفا دینا، فقیر کو غنی کرنا، بادشاہ کو گدا بنانا، مقدمے سے بری کرنا، ان کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اس میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ لہٰذا ان دونوں چیزوں کا فرق ملحوظ رکھو۔ ادب، احترام اپنی جگہ پر ہر ایک کا ہے (مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی کے ادب واحترام میں آ کر اس کو اللہ تعالیٰ کی کرسی پر بٹھا دو۔ مرتب)۔ یہودیوں نے بھی تو آخر ادب ہی کیا تھا عُزَیْرُ ابْنُ اللہِ۔ اور نصاریٰ نے بھی تعظیم ہی کی تھی اَلْمَسِیْحُ ابْنُ اللہِ۔ مگر وہ ادب کی حد کو پھلانگ گئے۔

اللہ جی! کہنا جائز نہیں:

جیسے: عوام جہالت کی بنا پر کہتے ہیں اللہ جی۔ یاد رکھنا اللہ جی! کہنا جائز نہیں ہے۔ اللہ میاں! کہہ سکتے ہو، اللہ مالک! کہہ سکتے ہو، اللہ سائیں! کہہ سکتے ہو اللہ جی! نہیں کہہ سکتے کیوں کہ یہ کلمہ دعائیہ ہے۔ (معنیٰ بنتا ہے اے اللہ! تو زندہ رہے)۔ یہ اُس کے لیے بولا جاتا ہے جس پر موت آ سکتی ہو۔ مثلاً: ابا جی! اماں جی! بھائی جی! اُستاد جی! حافظ جی! دادا جی! نانا جی! ان سب نے مرنا ہے اللہ تعالیٰ پر موت نہیں ہے وہ حیّ وقیوم ہے۔ اس لیے اللہ جی! نہیں کہنا۔ بے شک تمھارا ادب اپنی جگہ مگر شریعت کے احکام اپنی جگہ ہیں۔

گجرات میں ہمارے ایک بزرگ تھے حافظ اللہ داد صاحب مرحوم و مغفور۔ وہ فوت ہو گئے ہیں۔ پنجابی زبان کے بہترین مقرر تھے۔ وہ واقعہ سناتے تھے کہ ہمارے گاؤں کے دو چودھری تھے ان کا باپ فوت ہو گیا۔ ماں کسی وجہ سے

ناراض ہوکر اپنے بھائیوں کے پاس چلی گئی۔ ماں کو منانا تھا وہ مجھے بھی ساتھ لے گئے کہ آپ ہمارے گاؤں کے استاد ہیں سارے آپ کی عزت کرتے ہیں۔ خیر ہم گئے۔ والدہ ان کی برآمدے میں بیٹھی تھی ایک بیٹے نے ایک کندھے پر ہاتھ رکھا دوسرے بیٹے نے دوسرے کندھے پر ہاتھ رکھا، منت ساجت کی اور کہا کہ تو ہماری ماں ہے، بے بے ہے، ہمارے ساتھ چل۔ ماں کو رب کے ساتھ پیار آیا کہنے لگی میں تمھاری بے بے نہیں میں تو اللہ رسول کی بے بے ہوں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ بھائی! پیار کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ اب دیکھو! پیار میں آئی رب کی بے بے بن کے بیٹھ گئی۔

میٹھا اور کڑوا کفر:

یاد رکھو! شریعت کی حد کو نہ پھلانگو۔ بعض کڑوی چیزیں کفریہ ہوتی ہیں اور بعض میٹھی چیزیں کفریہ ہوتی ہیں اور بعض میٹھی چیزیں کفریہ ہوتی ہیں۔ یہود کا حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ کا حضرت مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ کہنا میٹھا کفر تھا اور یہود کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام معاذ اللہ تعالیٰ، معاذ اللہ تعالیٰ، معاذ اللہ تعالیٰ نقل کفر کفر نہ باشد حلال زادہ نہ ماننا کڑوا کفر تھا اور یہ قرآن پاک میں مذکور ہے: وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا [النساء:١٥٦] "اور بہ وجہ ان کے کفر کرنے کے اور بہ وجہ ان کے کہنے کے حضرت مریم پر بہتانِ عظیم۔" کہ یہ جو بچہ لے کر آئی ہے حلالی نہیں ہے، العیاذ باللہ۔ یہ بھی کفر ہے اور کڑوا کفر ہے۔ اچھی طرح سمجھو کہ کسی بھی مرحلے میں

افراط وتفریط نہیں ہونی چاہیے۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا اے شخص! تو نے جو یہ الفاظ کہے ہیں کہ اللہ کو منظور ہوا اور آپ کو منظور ہوا تو میرا کام ہو جائے گا ایسے نہ کہو بلکہ ایسے کہو کہ ماشاء اللہ وحدہ اکیلے رب کو منظور ہوا تو کام ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں، اللہ تعالیٰ کے ارادے میں خدا کی ساری مخلوق میں سے اعلیٰ اور افضل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی شریک نہیں ہیں "بدیگراں چہ رسد" دوسروں کو کیا حق پہنچتا ہے۔

اسی افراط و تفریط سے ڈرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:
لَا تُطْرُوْنِیْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی مَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ "اے لوگو! میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں مبالغہ کیا۔" کہ رب تعالیٰ کا بیٹا بنا دیا میری شان میں ایسا مبالغہ نہ کرنا اِنَّمَا اَنَا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول ہوں فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ "پس کہو تم (کہ میں) اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ کا رسول ہوں۔" یہ بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت ہے۔ اور بخاری شریف، مسلم شریف، قرآن کریم کے بعد یہ احادیث کے مستند ترین ذخیرے ہیں۔

یہی سبق یاد کرانے کے لیے کہ کسی وقت بھی مسلمان کے ذہن سے نہ نکلے ہر نماز میں التحیات ضروری ہے۔ فرض نماز ہو، وتر ہو، جمعہ یا عید ہو، اشراق یا چاشت کی نماز ہو، تحیۃ المسجد ہو یا تحیۃ الوضوء ہو۔ اور التحیات میں یہ الفاظ ہیں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ تاکہ سبق بھولے نہ۔

قرآن پاک میں چار مرتبہ اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیا ہے :

تو خیر میں عرض کر رہا تھا اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہِ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ چار دفعہ قرآن کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی لفظ "محمد" آیا ہے۔ ایک آیت چوتھے پارے میں ہے۔ اُحد کا معرکہ تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض سے غلطی ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوجی حکم دیا تھا کہ اس مورچے کو نہیں چھوڑنا نُصِرْنَا اَوْ غُلِبْنَا "ہمیں فتح ہو یا شکست۔" پچاس آدمی تھے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ ان کے سپہ سالار تھے۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی کافر میدان چھوڑ گئے۔ ان میں سے بعض نے کہا فتح ہو چکی ہے اب ہمارا یہاں بیٹھنا بے کار ہے کافر بھاگے جا رہے ہیں اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ دوسروں نے کہا غلطی نہ کرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہمیں فتح ہو یا شکست تم نے مورچہ نہیں چھوڑنا۔ کہنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم عَلَى الرَّاْسِ وَالْعَيْنِ سر آنکھوں پر، اس کا مقصد تھا کہ ہماری ضرورت پیش آئے گی اب ضرورت نہیں رہی چلو جا کر غنیمت کا مال اکٹھا کرو۔ گیارہ آدمی ڈٹے رہے کہ ہم نے یہاں سے نہیں ہلنا باقی انتالیس چل پڑے۔

خالد بن ولید اس وقت تک رضی اللہ عنہ نہیں ہوئے تھے اوران کا ذہن بڑا جنگی تھا۔ بڑے قابل جرنیل تھے۔ انہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے شام کا علاقہ فتح کرایا۔ فاتح شام ہیں۔ انھوں نے دیکھا کہ پہاڑی والا مورچہ کمزور پڑ گیا ہے وہ دو سو آدمیوں کو لے کر پیچھے سے حملہ آور ہوئے۔ گیارہ آدمی وہاں شہید کر دیے اور آواز

دی آگے سے پلٹ آؤ میں خالد پیچھے سے آ گیا ہوں۔ گھمسان کی جنگ ہوئی ستر صحابہ شہید ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ کا چہرۂ اقدس بھی زخمی ہوا۔ ابن قمیہ نے سر مبارک پر تلوار ماری، خود کٹا، خود کی کچھ کڑیاں آپ ﷺ کے رخسار کی ہڈیوں میں دھنس گئیں۔ عتبہ بن ابی وقاص نے پتھر مارا جس سے نیچے والا دانت شہید ہوا۔ نیچے جو دانت سامنے ہیں ان کے دائیں طرف والا جو دانت ہے اس کا کچھ حصہ ٹوٹا۔ خون کے فوارے پھوٹ پڑے خبر مشہور ہو گئی کہ محمد رسول اللہ شہید ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں کی غمی کی کوئی حد نہیں تھی اور کافروں کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تنبیہ فرمائی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ [آل عمران: ۱۴۴] "اور نہیں ہیں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مگر اللہ تعالیٰ کے رسول تحقیق گزر چکے ہیں ان سے پہلے کئی رسول۔ اگر آپ طبعی طور پر وفات پا جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے، دین چھوڑ دو گے۔" تمھارا فریضہ تو پہلے سے زیادہ ہو جائے گا کہ پہلے تو آپ خود کمان کرتے تھے، تبلیغ کرتے تھے، اب سارا بوجھ تمھارے کندھوں پر ہے۔ ایک مقام یہ ہے جہاں پر آپ ﷺ کا اسم گرامی "محمد" آیا ہے، ﷺ۔

دوسرا وہ مقام ہے کہ ختم نبوت کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرمایا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا [الاحزاب: ۴۰] "نہیں ہیں محمد باپ کسی ایک کے تمھارے مرد

میں سے لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔" آپ ﷺ کے بیٹوں کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ لیکن حضرت قاسم یقیناً آپ ﷺ کے ایک بیٹے کا نام ہے کہ ان کی وجہ سے آپ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ اور ایک بیٹے یقیناً ابراہیم ہیں۔ باقی عبداللہ، طیب، طاہر یہ بھی نام آتے ہیں۔ (یہ تینوں بیٹے ہیں یا ان میں سے بیٹا عبداللہ ہے اور طیب، طاہر اس کے لقب ہیں۔ اس سلسلے میں روایتیں مختلف ہیں۔ مرتب)۔ اور بیٹیوں کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں۔ حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت اُمّ کلثوم، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن۔ آپ ﷺ کے لڑکوں میں سے کوئی بالغ نہیں ہوا۔ رجل عربی میں بالغ کو کہتے ہیں۔ نابالغ کو طفل کہتے ہیں، صبی کہتے ہیں۔

تو فرمایا محمد رسول اللہ ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد قیامت تک دنیا کے کسی خطے میں نبی پیدا نہیں ہو سکتا۔ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے وہ بھی کافر اور جو اس کو مانے وہ بھی کافر اور جو اس میں تردد کرے وہ بھی کافر۔ اتنا پختہ اور قطعی مسئلہ ہے کہ جس میں شک شبہے کی گنجائش نہیں ہے۔

اور تیسرا مقام ہے، مستقل سورہ محمد ہے چھبیسویں پارے میں۔ آیت نمبر ۲ ...ا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ کہ مومن وہ ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔ اور چوتھا مقام ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ

عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ - [سورۃ الفتح: پارہ:۲۶]

یہ چار مقام ہیں جہاں آپ ﷺ کا نامِ نامی، اسم گرامی محمد آیا ہے، ﷺ۔ اور ایک مقام ہے جہاں آپ ﷺ کا اسم گرامی احمد آیا ہے، ﷺ۔ حضرت عیسیٰ نے بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ [صف:۶] "اور میں خوش خبری دینے والا ہوں ایک رسول کی جو آنے والا ہے میرے بعد جس کا نام احمد ہے۔"

اے بنی اسرائیل، میرے شاگردو، میرے حواریو! یاد رکھو! میں اپنے بعد صرف ایک رسول کی آمد کی خوش خبری سناتا ہوں۔ اگر ایک رسول سے زاید آنے ہوتے تو بِرَسُولٍ نہ ہوتا بِرُسُلٍ ہوتا۔ دو آنے ہوتے تو بِرَسُولَيْن ہوتا۔ معاملے کو گول مول نہیں رکھا۔ بات مجمل ہوتی تو مسیلمہ کذاب کہتا وہ میں ہوں، اسود عنسی کہتا وہ میں ہوں، طلیحہ بن خویلد کہتا وہ میں ہوں، مرزا غلام احمد کہتا وہ میں ہوں۔ حاشا وکلا! بات مجمل نہیں، صاف فرمایا میرے بعد صرف ایک رسول آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: أَنَا مُحَمَّدٌ وَ أَنَا أَحْمَدُ وَ أَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ "میرا نام محمد بھی ہے اور میرا نام احمد بھی ہے (ﷺ)، اور میرا نام عاقب بھی ہے اور عاقب اُسے کہتے ہیں جس کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہو۔"

تو آیتِ کریمہ کے پہلے حصے میں ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں نہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں نہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کی

خدائی میں شریک ہیں اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اور آیت کریمہ کے دوسرے حصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا ذکر ہے وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اور وہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں۔ وہ سارے عقیدے میں ساتھ تھے، عمل میں ساتھ تھے، جہاد میں ساتھ تھے، ہجرت میں ساتھ تھے، خوشی غمی میں ساتھ تھے لیکن معیت میں اولین مقام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رب نے نصیب فرمایا۔

اولین ایمان لانے والے :

جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی عَلَى الْاِطْلَاق سب سے پہلے کلمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے پڑھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے ابوبکر رضی اللہ عنہ راستے میں کھڑے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر! مجھے اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا ہے۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ جہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دایاں پاؤں تھا وہاں سے دایاں پاؤں نہیں ہلایا اور جہاں بایاں پاؤں تھا وہاں سے بایاں پاؤں نہیں ہلایا اور کہا حضرت! اٰمَنْتُ وَ صَدَّقْتُ "میرا ایمان ہے میں تصدیق کرتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔" آگے چلے تو زید بن حارثہ ملے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔ فرمایا زید بن حارثہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت و رسالت مرحمت فرمائی ہے۔ زید بن حارثہ نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔

اب اس میں ذرا غور فرمائیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ بھی زندہ تھیں والد بھی زندہ تھے، عزیز رشتہ دار بھی تھے اگر کچھ تردد ہوتا تو فرماتے میں اپنی والدہ سے مشورہ کرلوں، والد سے مشورہ کرلوں، اپنے دوستوں سے مشورہ کروں گا آخر کسی

اہم چیز کے لیے آدمی مشورہ کرتا ہی ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل کا شیشہ اتنا صاف تھا کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں تو ایک رتی برابر شک شبہ ظاہر نہیں کیا، کسی کے ساتھ مشورہ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی اور یہی حالت تھی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی کہ کسی کے ساتھ مشورے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔

تین افراد کا ایمان لانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے:

میں کہتا ہوں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں (معاذ اللہ تعالیٰ نقل کفر کفر نہ باشد) کچھ بھی خامی ہوتی تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کبھی کلمہ نہ پڑھتیں۔ کیوں کہ خاوند کے عیب جتنا بیوی جانتی ہے اور کوئی نہیں جانتا چونکہ وہ رفیقہ حیات ہوتی ہے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں پندرہ سال رہ چکی تھیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ہوا تو عمر مبارک پچیس سال تھی۔ پندرہ سال بعد جب عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو نبوت ملی۔ یہ بڑی سمجھ دار اور دانش مند خاتون تھیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی تھوڑا سا بھی نقص ہوتا تو کہتیں میں سمجھتی ہوں جو کچھ ہے اور کبھی کلمہ نہ پڑھتیں۔ میں کہتا ہوں پہلے لمحے میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ایمان لانا دلیل ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بے عیب تھی۔ کوئی ذرہ برابر بھی دھبا نہیں تھا۔

پھر بیوی کے بعد آدمی کا لنگوٹیا یار آدمی کو خوب سمجھتا اور جانتا ہے۔ حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یارِ غار بھی ہیں اور لنگوٹیے یار بھی ہیں، بچپن کے ساتھی ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تھوڑا سا بھی نقص ہوتا، کمی ہوتی تو یقین جانیے! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کلمے میں پہل نہ کرتے اور کہتے میں جانتا ہوں میرے دوست کہ آپ کیا ہیں؟

پھر دوست اور بیوی کے بعد آدمی کو جتنا اس کا غلام اور نوکر جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ غلام ہیں وہ کہہ سکتے تھے میں ان کا غلام ہوں میں ان کو جانتا ہوں جو کچھ یہ کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں ان تین ہستیوں کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا، بیوی کا، دوست کا، خادم کا، اس بات کی قطعی اور یقینی دلیل ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بے عیب اور پاک زندگی ہے۔

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم سفر ابوبکر رضی اللہ عنہ :

تو وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ کے پہلے مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ کلمہ پڑھنے والے مردوں میں پہلا نمبر ہے، ہجرت کے سفر میں ساتھ ہیں۔ بلکہ کوئی قابلِ قدر سفر ایسا نہیں ہے جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ ساتھ نہ ہوں۔ صرف ایک سفر میں ساتھ نہیں ہیں وہ ہے ہجرت کے نویں سال جب حج فرض ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا پھر خیال فرمایا کہ وفود کثرت سے آ رہے ہیں۔ عرب کا رقبہ بڑا وسیع ہے ہمارا یہ ملک پاکستان تین لاکھ دس ہزار مربع میل ہے آٹھ کروڑ کے قریب آبادی ہے (اب ۲۰۱۸ء، ۱۴۳۹ھ میں آبادی تقریباً پچیس کروڑ ہو چکی ہے۔ مرتب)۔ اور

سعودیہ عرب کا رقبہ بارہ لاکھ مربع میل ہے۔ (اس میں کویت، یمن، متحدہ عرب امارات وغیرہ شامل ہیں۔ مرتب)۔ گویا وہ ہمارے پاکستان سے چار، پانچ گنا بڑا ہے اور آبادی کم ہے۔ نوے لاکھ کے قریب ہے۔ (یہ اس زمانے کی بات ہے جب حضرت نے بیان فرمایا ہے۔ مرتب)۔

قافلے اُس زمانے میں گھوڑوں پر آتے تھے، اُونٹوں پر، گدھوں اور خچروں پر اور کوئی پیدل ہزار میل طے کر کے آیا، کوئی دو ہزار میل طے کر کے آیا کلمہ پڑھنے کے لیے مدینہ طیبہ میں آپ ﷺ کی ملاقات کے لیے۔ تو آپ ﷺ نے خیال فرمایا کہ اگر میں حج پر چلا گیا تو لوگ آئیں گے مجھے نہیں دیکھیں گے تو پھر کہیں کفر پر ہی نہ اَڑ جائیں۔ اسی لیے تاریخ میں اس سال کا نام عام الوفود ہے۔ وفد عام آتے تھے۔ کوئی صبح آٹھ بجے آ گیا، کوئی دس بجے آ گیا، کوئی ظہر کے وقت آ گیا، کوئی عصر کے وقت آ گیا، کوئی شام کے وقت آ گیا۔ یہ وہ وقت تھا جس کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا تھا یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا [سورۃ النصر: پارہ ۳۰] "داخل ہوں گے اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج۔"

اللہ تعالیٰ کے دین میں لوگ فوج در فوج داخل ہونے کے لیے آ رہے تھے اس مجبوری کے پیشِ نظر آپ ﷺ اس سال حج کرنے کے لیے نہیں گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا لوگ سینکڑوں، ہزاروں میل سے آ رہے ہیں اگر مجھے یہاں نہیں پائیں گے تو پریشان ہوں گے ان کو صدمہ ہوگا لہٰذا تم حاجیوں کے امیر بن کر ان کے ساتھ جاؤ اور اس طریقے سے ان کو حج کراؤ۔ یہ تمھارے ماتحت

ہیں اس سفر میں۔ یہ وہ سفر ہے جس میں آنحضرت ﷺ ساتھ نہیں ہیں۔ باقی تاریخ میں کوئی قابلِ ذکر سفر ہمیں نظر نہیں آتا جس میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ نہ ہوں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں :

تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں رب تعالیٰ نے فرمایا وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ وہ سارے حضرات ساتھ ہیں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے نمبر پر ہیں۔ اور یاد رکھنا! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمارے لیے معیارِ حق ہیں۔ اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا آنحضرت ﷺ کا بیان اور ارشاد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہود اکہتر [۷۱] فرقوں میں بٹے اور نصاریٰ بہتر [۷۲] فرقوں میں بٹے اور میری اُمت ان سے بازی لے جائے گی اس کے تہتر [۷۳] فرقے ہوں گے کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَّاحِدَۃً وفی روایۃ جماعۃ۔ دو لفظ احادیث میں آئے ہیں۔ فرمایا سارے جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا۔

میں نے تفصیل عرض کی تھی کہ دوزخ میں جانے کا مطلب یہ ہے کہ جن فرقوں کا افتراق کفر شرک کی حد کو پہنچ چکا ہوگا تو ایسے تو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں جائیں گے اور ایسے فرقوں کی بھی کمی نہیں ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہلواتے ہیں، اُمتی کہلواتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ مسلمان نہیں ہیں۔ یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور ان بہتر [۷۲] فرقوں میں وہ بھی ہوں گے جن کا افتراق کفر، شرک تک نہیں پہنچا ہوگا صرف معصیت اور گناہ کی حد تک ہوگا ایسے لوگ دوزخ میں جائیں

گے پھر جب رب تعالیٰ کو منظور ہوگا نکل آئیں گے۔اور فرمایا ایک فرقہ ناجیہ ہے، ایک ایسی جماعت بھی ہے اول سے آخر تک ان کو دوزخ سے کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا،غور سے سننا، قِیْلَ سوال ہوا حضرت! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک جماعت ہوگی جو دوزخ سے بچی رہے گی مَنْ هُمْ وہ کون ہوں گے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نوٹ کرلیں۔فرمایا: مَا اَنَا عَلَيْهِ اَلْيَوْمَ وَ اَصْحَابِیْ وہ (جماعت) ہے آج کے دن میں جس راستے پر ہوں اور میرے صحابہ جس راستے پر ہیں وہ اس راستے پر ہوں گے۔ اَلْيَوْمَ کے لفظ ہیں آج کے دن۔لہٰذا جب تم کوئی کام کرو تو دیکھو کہ یہ کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھا جس کو دین سمجھ کر کیا جاتا ہے۔

علماء بھی بیٹھے ہیں،طلباء بھی ہیں میں ان کے لیے حوالے بھی عرض کردوں۔ "مستدرک حاکم" میں موجود ہے مَا اَنَا عَلَيْهِ اَلْيَوْمَ وَ اَصْحَابِیْ اور " اَلْمِلَلُ وَالنِّحَلُ "میں بھی یہ روایت موجود ہے۔تو نجات پانے والا فرقہ وہ ہے جس نے غمی کے موقع پر بھی وہی کام کیے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیے۔اور خوشی کے موقع پر بھی وہی کام کیے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیے۔اس روایت کو نہ بھولنا۔

باقی بہتر فرقے دوزخ میں جائیں گے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معیارِ حق بنایا ہے اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی مقام نہ ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکر کی ضرورت ہی نہیں تھی۔یاد رکھنا! ہم جو صحیح معنیٰ میں اہل سنت والجماعت ہیں ہمارا مسلک اور عقیدہ ہے اور اس پر ہماری بنیاد ہے کہ تمام کے تمام صحابہ معیارِ حق ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لغزشیں معاف ہیں :

بے شک ان سے لغزشیں ہوئی ہیں ہم نہیں کہتے کہ وہ معصوم ہیں معصوم صرف پیغمبر ہوتا ہے، خطائیں صحابہ کرام سے ہوئی ہیں مگر جہاں جہاں خطائیں ہوئی ہیں رب تعالیٰ نے معافی کی سندیں بھی دے دی ہیں۔

دوسرے پارے میں مذکور ہے کہ رمضان میں ابتداءً یہ حکم تھا کہ رات کے وقت کوئی بیوی کے پاس نہیں جا سکتا تھا۔ جیسے دن کو حرام تھا ویسے رات کو حرام تھا۔ بعض سے لغزش ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کا عیب بھی بتلایا عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ "اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم نے اپنے نفسوں سے خیانت کی ہے، رب تعالیٰ کا حکم ٹال دیا ہے۔" اور ساتھ ہی آگے فرمایا فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ [البقرة:۱۸۷] "پس اللہ تعالیٰ نے رجوع فرمایا ہے تم پر مہربانی کے ساتھ اور تمھیں معاف کر دیا ہے۔"

اُحد کے معرکے میں بھاگے تھے رب تعالیٰ نے فرمایا اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا "ان کو پھسلایا شیطان نے ان کی بعض کمائی کی وجہ سے۔" ان کا بھاگنا کتنا بڑا الزام ہے اور ساتھ ہی فرمایا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ [آل عمران:۱۵۵] "اور البتہ تحقیق اللہ نے ان کو معاف کر دیا ہے۔"

لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کوئی لغزشیں پیش کرے تو تمھارا فرض ہے کہ اس سے پوچھو کہ تو نے لغزش تو بیان کر دی ہے ساتھ اس کی معافی کا ذکر ہے اس کو کیوں

نہیں بیان کیا وہ بھی بیان کرو۔ رب تعالیٰ نے صحابہ کرام کو سند دی ہے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ "اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی۔"

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لفظ اصطلاح شریعت میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے اور رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اصطلاح شرع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ہے۔ لیکن آج کے لوگ اس کی بھی پروا نہیں کرتے اور کہتے ہیں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ۔ ہم بھی کہتے ہیں اللہ ان سے راضی ہے رب تعالیٰ سب اولیاء سے راضی ہے مگر یہ اصطلاح صحابہ کے لیے ہے۔ اصطلاحات کو نہ توڑو۔

دیکھو! ہم ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں تو کہتے ہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ وہ کہتا ہے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ یہ تو ٹھیک ہے لغوی طور پر سب پر رب کی سلامتی ہو لیکن علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہیں۔ اب میں کہہ دوں سرفراز علیہ السلام، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ تم مجھے سلام کہتے ہو میں تمھیں سلام کہتا ہوں۔ لغوی معنیٰ مراد ہے ٹھیک ہے مگر شریعت کی اصطلاح نہیں بدلنی چاہیے اس کی حفاظت کرنی چاہیے۔ ادب واحترام اپنی جگہ پر۔

بزرگانِ دین کا ادب :

اور یاد رکھنا! بزرگانِ دین کا ادب بڑی شے ہے۔ حدیثِ قدسی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مَنْ عَادَ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ "جو شخص میرے کسی ولی کے ساتھ دشمنی کرے گا میرا اس کے

خلاف اعلانِ جنگ ہے۔" مگر اللہ تعالیٰ کے ولی، ولی ہیں خدائی اختیارات ان کے پاس نہیں ہیں۔ تو یاد رکھنا! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمارے لیے معیارِ حق ہیں۔ آگے ان شاء اللہ اس مضمون کی تفصیل آئے گی اب وقت ہو چکا ہے۔

عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور شانِ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خطبہ جمعہ المبارک ۳؍صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

زندگی بوبکر کی حکمِ خدا کے ساتھ ہے
بدر و غار و قبر میں وہ مصطفیٰ کے ساتھ ہے

بعد از خطبہ مسنونہ:

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ تَرٰىہُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانًا ۫ سِیۡمَاہُمۡ فِیۡ وُجُوۡہِہِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ؕ ذٰلِکَ مَثَلُہُمۡ فِی التَّوۡرٰىۃِ ۚۖۛ وَ مَثَلُہُمۡ فِی الۡاِنۡجِیۡلِ ۚ۟ۛ کَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـَٔہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰی عَلٰی سُوۡقِہٖ یُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیۡظَ بِہِمُ الۡکُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡہُمۡ مَّغۡفِرَۃً وَّ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۲۹﴾

[سورۃ الفتح، آیت:۲۹، پارہ:۲۶]

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب، ان کی دینی خدمات، ان کا مومن ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچا تعلق ہونا، یہ مضمون چلا آ رہا ہے۔ صحابی کی تعریف یہ ہے کہ وہ آدمی جس نے ایمان اور اسلام کی حالت میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ محض دیکھنا نہیں کیوں کہ دیکھا تو ابوجہل نے بھی تھا، ابولہب نے بھی دیکھا تھا، عتبہ، شیبہ، ربیعہ نے بھی دیکھا تھا، عقبہ بن ابی معیط اور امیہ بن خلف نے بھی دیکھا تھا مگر انھوں نے کفر کی حالت میں دیکھا۔

صحابی کی تعریف :

صحابی کی تعریف یہ ہے کہ اُس نے ایمان کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو دیکھا اور ایمان کی حالت پر اس کی وفات ہوئی۔ کیوں کہ ایسے لوگ بھی تھے جنھوں نے کلمہ پڑھا مسلمان ہوئے لیکن بدقسمتی سے بعد میں مرتد ہو گئے خاتمہ کفر پر ہوا۔ تو یہ صحابی کی تعریف سے خارج ہیں۔ اور ایسی بہت ساری نظیریں اور مثالیں موجود ہیں۔

ایک مرتد کا عبرت ناک انجام :

ایک شخص تھا عبداللہ بن ابی سرح۔ بڑا سمجھ دار، بڑا خوش نویس اور بڑا زود نویس اور بڑی معقول گفتگو کرنے والا۔ پہلے عیسائی تھا پھر مسلمان ہو گیا۔ آپ ﷺ اس کا خیال رکھتے تھے۔ بلکہ تاریخ میں آتا ہے کہ وحی لکھنے والوں میں اس کا نام شامل کر لیا کیوں کہ اس زمانے میں پڑھے لکھے لوگ بہت کم ہوتے تھے۔ لیکن اس کی بدبختی اور بدقسمتی کہ شیطان نے اس کو بہکایا، نتیجہ یہ ہوا کہ کہنے لگا میں نے محمد ﷺ کا کلمہ قبول کیا تھا اب نہیں کرتا، اسلام قبول کیا تھا اب نہیں کرتا، قرآن کو قبول کیا تھا اور اب قبول نہیں کرتا اور چلا گیا۔

تھوڑے دن گزرے اور مر گیا۔ برادری نے اس کو دفن کر دیا کیوں کہ عیسائیوں میں اور عرب کے مشرکوں میں مرنے والوں کو جلانے والا کوئی نہیں تھا، مردوں کو دفن کرتے تھے بڑی پتھریلی اور سخت زمین تھی، دفن کر کے چلے گئے۔

دوسرا دن آیا، بخاری شریف کی روایت ہے اس کی میت قبر سے باہر پڑی تھی اس کی برادری نے یہ سمجھا کہ چوں کہ اس نے اسلام چھوڑ دیا تھا یہ مسلمانوں کی کارروائی ہے اس کی بے حرمتی کے لیے قبر کو اکھیڑ کر اس کو باہر پھینک دیا ہے۔

دوسرے دن اُنھوں نے بڑی گہری قبر کھود کر اس کو دفن کر دیا اور اُوپر چٹانیں اور پتھر رکھ دیے اور کہنے لگے اب کون نکالے گا؟ اگلے دن دیکھا تو میت باہر پڑی تھی۔

کسی بندے نے نہیں نکالا یہ اشارہ تھا کہ جس نے رب کے دین کو قبول نہیں کیا، جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کے کلمے کو قبول نہیں کیا اس کو رب تعالیٰ کی زمین بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ دوسرے دن اُنھوں نے دیکھا کہ میت باہر پڑی ہے تو کہنے لگے اِنَّمَا فَعَلَ اَصْحَابُ محمدٍ ﷺ۔ "یہ محمد ﷺ کے ساتھیوں کی کارروائی ہے۔" تیسرے دن سارے گاؤں والوں نے مل کر اور گہری قبر کھودی۔ یوں سمجھو کہ پندرہ بیس گز گہری، اور اس کو دفن کر دیا اور بڑی بڑی چٹانیں اس کے اُوپر رکھ دیں کہ کوئی بندہ اُکھیڑ نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت بخاری شریف کی روایت ہے کہ تیسرے دن آئے پھر اس کی میت باہر پڑی تھی۔ کہنے لگے یہ کسی بندے کا کام نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ لیکن یقین جانو! یہ سارا کرشمہ دیکھ کر بھی ان میں سے کوئی مسلمان نہیں ہوا۔ جب بدبختی بندے پر غالب آجائے اور وہ کفر نہ چھوڑنا چاہے تو کچھ نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ بڑی عبرت تھی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اسلام کی صداقت پر فوراً ایمان لے آتے۔

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک سے روشنی کا نکلنا:

امام محمد بن محمد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ شرح "سِیَر الصغیر" میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسکندریہ روم کے علاقہ قسطنطنیہ کے پاس شہید ہوئے اور وہیں ان کو دفن کیا گیا۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک ترکی کے شہر قسطنطنیہ میں ہے۔

جب ان کو دفن کیا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ رات کو ان کی قبر سے لائٹ (روشنی) نکلتی ہے جس کی روشنی آسمان تک جاتی ہے۔ اُس وقت وہاں زیادہ عیسائی تھے۔ ان لوگوں نے مسلمانوں سے پوچھا کہ کیا یہ قبر تمھارے پیغمبر کی ہے؟ مجاہدین نے کہا نہیں یہ تو پیغمبر کے خادم ہیں، خالد بن زید ان کا نام ہے اور ابو ایوب (رضی اللہ عنہ) ان کی کنیت ہے۔ ان لوگوں نے آنکھوں سے دیکھا کہ ان کی قبر سے لائٹ (روشنی) نکل رہی ہے جس کی روشنی آسمان تک جارہی ہے لیکن کلمہ پھر بھی نہیں پڑھا۔ اس ضد کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟

دل کی آنکھوں سے ایمان لانے والا بھی صحابی ہے :

تو خیر میں یہ بیان کر رہا تھا کہ صحابی وہ ہے جس نے ایمان کی حالت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہو اور ایمان کی حالت میں اس کا خاتمہ ہوا ہو۔ پھر دیکھنے سے مراد صرف ظاہری آنکھوں سے دیکھنا نہیں ہے بلکہ جس نے دل کی آنکھوں سے دیکھا ایمان کی حالت میں، وہ بھی صحابی ہے۔ ایک بے چارہ نابینا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سنی ہیں، مومن ہے، وہ بھی صحابی ہے۔

سورۂ عبس کا سبب نزول :

حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا تھے اور اُنھی کے بارے میں سورۃ عَبَسَ وَ تَوَلّٰی نازل ہوئی تھی۔ سبب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صنادید قریش، قریش کے بڑے بڑے سردار آئے ان کے ساتھ گفتگو کے دوران میں کچھ سکوت ہوا۔ عادت ہے کہ مجلس میں گفتگو کے درمیان

میں وقفہ ہو جاتا ہے۔ یہ نابینا صحابی آئے نظر تو ان کو آتا نہیں تھا اُنھوں نے سمجھا کہ آئے ہوئے لوگوں کی بات ختم ہو گئی ہے کیوں کہ بات کوئی ہو نہیں رہی تھی۔ اُنھوں نے اپنی بات شروع کر دی حالانکہ اُصولی طور پر ابھی بات ختم نہیں ہوئی تھی اور تھے بھی قریش کے سردار۔ آنحضرت ﷺ نے اس صحابی کی بات سن کر عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی اپنی پیشانی مبارک پر بل ڈالا اور چہرۂ مبارک بھی اُداس کیا جیسے آدمی ناراض ہوتا ہے کہ ابھی پہلوں کی بات ختم نہیں ہوئی اور اس نے آکر درمیان میں اپنی بات شروع کر دی ہے۔

ضابطہ یہ ہے کہ اگر پہلے لوگوں کی بات ختم نہ ہوئی ہو اور کوئی آدمی آکر دخل اندازی شروع کر دے اور اپنی بات شروع کر دے تو اس کو شریعت پسند نہیں کرتی۔ لیکن یہ شخص معذور تھا کیوں کہ نابینا تھا پھر جب اُن لوگوں کی گفتگو شروع ہو گئی تو انھوں نے اپنی غلطی محسوس کی اور شرمندہ ہو کر اُٹھ کر چلے گئے۔ ابھی قریب ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی نازل فرمائی۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی "تیوری چڑھائی اور اعراض کیا اس واسطے کہ آیا ان کے پاس نابینا۔" ابھی وہ گھر نہیں پہنچے تھے کہ آپ ﷺ کا قاصد پہنچ گیا کہ جلدی آؤ آنحضرت ﷺ بلا رہے ہیں۔ وہ بے چارے بڑے گھبرائے کہ ہو سکتا ہے مجھے کوئی سزا دیں کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے دورانِ گفتگو، میں نے اپنی بات شروع کر دی۔ بے چارے کانپتے کانپتے آپ ﷺ کے پاس آئے آپ ﷺ نے اپنی چادر جو اُوڑھی ہوئی تھی نیچے بچھا کر فرمایا عبداللہ بن اُم مکتوم اس پر بیٹھ جاؤ اور یہ سورۃ پڑھ کر سنائی اور فرمایا تیری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے تنبیہ فرمائی ہے۔

تو یہ بھی صحابی ہیں۔ حالانکہ انھوں نے ظاہری آنکھوں سے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا دل کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہ اس طرح کہ آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھے، آپ ﷺ کی باتیں سنیں، آپ ﷺ کا کلمہ پڑھا، آپ ﷺ کے پیچھے نمازیں پڑھیں، ہجرت کر کے مدینہ طیبہ گئے۔ دو دفعہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنی غیر حاضری میں مدینہ طیبہ میں امام بنایا اور مدینے کا گورنر بھی بنایا۔ نابینا صحابی ہیں۔

نابینا صحابی کی ذہانت بھری چال :

تاریخِ اسلام میں "قادسیہ" مشہور جنگ ہوئی ہے جس طرح یرموک، یرولہ بڑی اہم جنگیں ہیں۔ ایک معرکہ میں سات لاکھ کافر تھے اور پینتیس، چھتیس ہزار مسلمان تھے۔ نسبت ہی کوئی نہیں ہے۔ مدینہ طیبہ میں خبریں مشہور ہوئیں کہ بڑا سخت معرکہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ مُصر ہو گئے کہ میں نے بھی جانا ہے۔ ساتھیوں نے کہا حضرت! آپ کیا کریں گے؟ قرآن پاک میں آتا ہے لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ [الفتح:١٧] "اندھے پر کوئی حرج نہیں، لنگڑے پر کوئی حرج نہیں، بیمار پر کوئی حرج نہیں۔" آپ کو کچھ نظر آتا نہیں، دونوں آنکھوں سے نابینا ہیں۔ کہنے لگے میں تمھارے ساتھ نمازیں پڑھوں گا، دعائیں کروں گا، جانا ضرور ہے اور دل میں کچھ اور بات تھی۔ وہاں پہنچ گئے۔

جب صبح ہوئی تو فرمانے لگے دشمن ہم سے کتنا دور ہے؟ ساتھیوں نے کہا

تقریباً تین، چار فرلانگ کے فاصلے پر۔ کہنے لگے جگہ ہموار ہے یا نشیب وفراز ہے؟ ساتھیوں نے کہا جگہ ہموار ہے بالکل میدان ہے۔ پوچھا کوئی پتھر، گڑھا وغیرہ۔ ساتھیوں نے کہا نہیں۔ کہنے لگے ہمارا جھنڈا کہاں ہے؟ اُس وقت امیر لشکر جھنڈا لے کر آگے جاتا تھا، امیر لشکر کو کہنے لگے آپ کی اجازت ہے میں جھنڈا اُٹھالوں۔ اُس نے کہا اُٹھالو۔ اُس نے سوچا کہ نابینا ہے اس نے کیا کرلینا ہے؟ جھنڈا اُٹھا کر دشمن کی طرف دوڑ لگادی۔ دشمن تیاری میں تھا صحابہ کرام نے سوچا کہ ہمارا نابینا بزرگ مارا گیا تو بڑی خفت ہوگی۔ یہ ان کو بچانے کے لیے پیچھے دوڑے، دشمن افراتفری میں بھاگا، ہتھیار بھی پھینک گئے۔ ساتھیوں نے کہا حضرت! آپ نے عجیب کام کیا ہے۔ کہنے لگے کہ میرے دل میں آیا کہ ویسے تو مجھے دکھائی نہیں دیتا لیکن جب میں دوڑوں گا تو میرے پیچھے تو آؤ گے۔

تو خیر میں یہ بیان کر رہا تھا کہ نابینا بھی صحابی ہوتے ہیں یہ بات الگ ہے کہ جس نے آپ ﷺ کے ساتھ زیادہ وقت گزارا، آپ کی مجلس میں رہا، اس کا درجہ زیادہ بلند ہے۔ لیکن جس نے ایک ہی مرتبہ ایمان کی حالت میں آپ ﷺ کو دیکھا ایک مرتبہ نماز میں شریک ہوا، آپ ﷺ کی ایک بات سنی یا آپ ﷺ کی ایک تقریر سنی، وہ بھی صحابی ہے یا آپ ﷺ کے جھنڈے کے پیچھے ہو کر لڑا اور شہید ہوگیا چاہے نماز ایک بھی نہیں پڑھی وہ بھی صحابی ہے اور اس کی مثال بھی موجود ہے۔ مغالطے میں نہ رہنا کہ چلو اگر صحابی نمازیں چھوڑ کر صحابی ہو سکتا ہے تو ہم بھی نمازیں چھوڑ کر مومن ہو سکتے ہیں۔ (مسکراتے ہوئے فرمایا) کیوں کہ بندہ قیاس بہت کرتا ہے اور اپنے فائدے کا قیاس تو سارے ہی کرتے ہیں۔ لہٰذا بات اچھی طرح سمجھ لو۔

صرف کلمہ پڑھ کر شہید ہونے پر جنت کی بشارت :

بات اس طرح ہے کہ اُحد کا معرکہ تھا آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے ایک آدمی بڑا قدآور، صحت مند، تلوار گلے میں لٹک رہی ہے، تیر، کمان بھی گلے میں، نیزہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہے۔ اُس وقت یہی تین ہتھیار ہوتے تھے۔ دور سے مارنے کے لیے تیر پھینکتے تھے، اگر قریب ہوتے تو نیزہ مارتے، بالکل قریب ہوتے تو تلوار چلاتے۔ تو یہ تینوں ہتھیار اس کے پاس تھے اور دو تھیلیاں اپنے پیچھے ڈالی ہوئی ہیں۔ ایک میں پانی اور ایک میں خوراک تھی خدا جانے ستو تھے یا کھجوریں تھیں۔

وہ بڑے تڑاق کے ساتھ بولا اَيُّكُمْ مُحَمَّدٌ (ﷺ)۔ "تم میں محمد (ﷺ) کون ہیں؟" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا تو کہنے لگے آدمی خطرناک معلوم ہوتا ہے اس کے پاس ہتھیار بھی ہیں اور بولا بھی کڑوا ہو کر ہے اس کو نگرانی میں آنحضرت ﷺ کے پاس لے جاؤ تاکہ کوئی غلط قدم نہ اُٹھائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ظاہری طور پر بڑے بھولے (معصوم) نظر آتے تھے مگر اندر سے انتہائی سمجھ دار تھے۔ نگرانی میں آپ ﷺ کے پاس لے گئے۔ اس نے اُسی کھردرے لہجے میں کہا اَأَنْتَ مُحَمَّدٌ (ﷺ)! "کیا آپ محمد ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! میں ہوں۔ فرمایا کہاں سے آئے ہو؟ کہنے لگے تین چار منزلیں دور سے آیا ہوں۔ کیوں آئے ہو؟ کہنے لگے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ بڑے شریف آدمی ہیں اور لوگ آپ کے ساتھ لڑے ہیں تو میں نے سوچا کہ شریف آدمی کا ساتھ دینا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو نے کلمہ پڑھا ہے؟ کہنے لگا کلمے کی ضرورت نہیں میں آپ ﷺ کی

شرافت کی وجہ سے آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لَنْ نَّسْتَعِيْنَ بِمُشْرِكٍ "ہم مشرک سے مدد نہیں لیں گے۔" یہ بہ ظاہر کتنے سخت الفاظ ہیں۔ وہ کہنے لگا دیکھو! میں اتنی دور سے آیا ہوں میں نے تم سے کوئی اُجرت نہیں لینی بس آپ کی مدد کرنی ہے۔ فرمایا نہیں ہم نے مشرک سے مدد نہیں لینی۔ کہنے لگا محمد (ﷺ) جانے دو تمھارے نظریات تمھارے ساتھ اور میرے نظریات میرے ساتھ، تمھارے عقائد تمھارے ساتھ اور میرے عقائد میرے ساتھ، میں اخلاص کے ساتھ تمھاری مدد کے لیے آیا ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا بغیر کلمہ پڑھنے کے ہم نے ساتھ نہیں رکھنا۔ کہنے لگا سچ مچ؟ آپ ﷺ نے فرمایا سچ مچ۔ کہنے لگا اچھا پھر کلمہ پڑھا دو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دل سے کلمہ پڑھنا چاہتے ہو یا ویسے ہی؟ کہنے لگا نہیں حضرت! دل سے پڑھنا چاہتا ہوں۔ تقریباً نو، دس بجے کا وقت تھا کلمہ پڑھا اور جہاد میں شریک ہوگیا اور ظہر کے وقت سے پہلے شہید ہوگیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: عَمِلَ قَلِيْلًا أُجِرَ كَثِيْرًا "اس نے عمل تھوڑا کیا اجر بہت زیادہ پایا۔" جنت کا وارث بن گیا۔ وَمَا صَلَّى لِلّٰهِ وَاحِدًا "ایک نماز بھی نہیں پڑھی۔"

تو ایمان کی حالت میں جس شخص نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ کی باتیں سنیں، آپ ﷺ کے جھنڈے تلے کافروں سے لڑا، ایمان کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوگیا، وہ صحابی ہے۔

افضل البشر بعد الانبیاء :

البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان درجات مختلف ہیں۔ سب سے بلند اور افضل درجہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ یہ ہم اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے۔ پیغمبروں کے بعد افضل البشر تمام انسانوں میں سے افضل اور بہتر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان انسانوں میں امام مہدی بھی داخل ہیں۔ امام مہدی اپنی جگہ بڑی شخصیت ہیں لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے درجہ کم ہے۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ بزرگ شخصیت ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ مَنْ اَمَنَّ النَّاسِ عَلَیَّ مِنْ مَّالِہٖ وَصُحْبَتِہٖ اَوْ کَمَا قَالَ ﷺ۔ "انسانوں میں سب سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والا اور ساتھ دینے والا، حسنِ سلوک کرنے والا ابوبکر ہے۔" یقین جانو! جتنا مال صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خرچ کیا ہے اتنا اور کسی نے نہیں کیا۔

بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جس نے میری مالی خدمت اور ہمدردی کی ہو اور میں نے اُس کے احسان کا بدلہ نہ دیا ہو سوائے ایک شخص کے جس کا بدلہ میں نہیں دے سکا رب تعالیٰ خود اس کا بدلہ دے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا حضرت! وہ بندہ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا نہیں سمجھے؟ وہ بندہ ابوبکر ہے۔ ابوبکر نے جو میرے ساتھ حسنِ سلوک کیا ہے اور جو مال میرے اُوپر خرچ کیا ہے میں اُس کا بدلہ نہیں دے سکا اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دے گا۔ اس سے تم اندازہ لگاؤ کہ امام الانبیاء، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی جس کا بدلہ نہیں چکا سکی اس کا کتنا بلند مقام ہوگا۔

جنت کے ہر دروازے کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جستجو :

ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ ایک کا نام باب الصلوٰۃ ہے۔ اس دروازے سے وہ لوگ داخل ہوں گے جنھوں نے کثرت سے نمازیں پڑھی ہوں گی یعنی فرض نمازیں تو اپنی جگہ، نفلی نمازیں بھی کثرت سے پڑھتا رہا۔ ایک دروازے کا نام باب الجہاد ہے۔ مجاہد اس دروازے سے داخل ہوں گے۔ ایک دروازے کا نام باب الریان ہے۔ ریان کا معنٰی ہے سیرابی والا۔ اس دروازے سے روزے دار داخل ہوں گے۔ ایک دروازے کا نام ہے باب التوبہ۔ توبہ کرنے والے اس دروازے سے داخل ہوں گے۔ فرمایا بعض بندے ایسے بھی ہوں گے کہ جب وہ دروازوں کے پاس پہنچیں گے تو سارے دروازے آواز دیں گے کہ یہاں سے داخل ہو۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضرت! دروازہ تو اندر داخل ہونے کے لیے ہے تو جس کسی بھی دروازے سے کوئی داخل ہو گیا وہ اندر چلا گیا مگر حضرت! یہ ارشاد فرمائیں کہ اللہ کے بندوں میں سے کوئی ایسا بھی ہوگا کہ جس کو سارے دروازے بلائیں گے؟ فرمایا ہاں! وَاَرْجُوْا اَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ "اے ابوبکر! مجھے رب تعالیٰ سے اُمید ہے تم بھی ان بندوں میں سے ہو گے جو پیغمبروں کے بعد سرِ فہرست ہو اور جنت کے آٹھوں دروازے جس کے لیے کھولے جائیں گے۔"

جس کے احسانات کا بدلہ پیغمبر اللہ تعالیٰ کے حوالے کرے اس کے مومن ہونے میں کوئی شک نہیں ہے قطعاً نہیں۔ اور ہر مقام میں، نیکیوں میں آگے بڑھنے

والا ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ بوڑھا ہر نیکی میں آگے بڑھ جاتا ہے کوئی موقع مجھے بھی ملے کہ میں اس سے آگے بڑھ جاؤں۔

حسد اور غبطہ میں فرق :

اور یاد رکھنا! ایک ہے حسد اور ایک ہے غبطہ۔ یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ غبطہ جائز ہے اور حسد گناہ ہے۔ اور ایسا گناہ ہے کہ قرآن پاک میں اس سے پناہ مانگنے کا سبق دیا گیا ہے۔ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ "میں حسد کرنے والے کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جب وہ حسد کرے۔" حسد کا معنٰی یہ ہے کہ کسی کو رب تعالیٰ نے نعمت دی ہے، شکل دی ہے، صحت دی ہے، مال دیا ہے، مرتبہ دیا ہے تو کوئی دیکھ کر ان کے زوال کی آرزو کرے کہ یہ چیزیں اس کو کیوں ملی ہیں مجھے کیوں نہیں ملیں؟ اور حسد کی ایک شق یہ ہے کہ چلو مجھے نہیں ملی خدا کرے اس کے پاس بھی نہ رہے۔ چاہے زبان سے کچھ نہ کہے دل میں قصد کرے، یہ حسد ہے۔

ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ اِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ "حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ خشک لکڑی کو کھا جاتی ہے۔" تو حسد گناہِ کبیرہ ہے۔

اور ایک ہے غبطہ اور رشک۔ غبطہ اور رشک اُسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی کمال عطا کیا ہے، کوئی خوبی عطا کی ہے دوسرا اس کو دیکھ کر کہے کہ یا اللہ!

جیسے تو نے اس کو کمال اور خوبی عطا کی ہے مجھے بھی عطا فرما۔ اس سے زائل ہونے کی خواہش نہیں کرتا۔ اس میں کوئی بُرائی نہیں ہے۔ نیکی میں کوئی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی خواہش کرے۔ نیکی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا اچھی اور محمود چیز ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ کا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مقابلہ میں عاجز آنا :

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ اللہ کرے کوئی موقع آئے کہ میں اس بوڑھے سے نمبر لے جاؤں۔ ایک دفعہ جہاد کی خاطر چندے کی ضرورت تھی۔ مجاہدین کے لیے اسلحہ وغیرہ خریدنا تھا، کافی رقم کی ضرورت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مالی پوزیشن سے واقف تھے، بڑے خوش ہوئے کہ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مالی پوزیشن کمزور ہے اور میری مالی پوزیشن (حالت) اچھی ہے۔ اس دفعہ ان شاء اللہ شیخ سے نمبر لے جاؤں گا۔ دونوں نے رقم وغیرہ لا کر پیش کر دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی بیٹھے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر! کتنا مال لے کر آئے ہو اور گھر کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ کہنے لگے حضرت! آدھا مال گھر چھوڑ آیا ہوں اور آدھا مال پیش کر دیا ہے۔ فرمایا اچھا کیا، گھر کے افراد کا بھی حق بنتا ہے۔ ابوبکر! تم کیا لائے ہو اور گھر کیا چھوڑ آئے ہو؟ کہنے لگے حضرت! سارا مال لے آیا ہوں گھر میں اللہ، رسول کے نام کی برکت اور محبت چھوڑ کے آیا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ الفاظ سنے تو گردن جھکا لی اور دل میں کہا کہ اس بوڑھے کا مقابلہ بہت مشکل ہے۔ محض میری رقم تو نہیں دیکھنی اندرونی کیفیت بھی دیکھنی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: سَبَقَ دِرْهَمٌ بِمِائَةِ اَلْفِ دِرْهَمٍ "بسا اوقات ایک درہم ایک لاکھ سے بڑھ جاتا ہے۔" ایک مال دار نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک لاکھ دیا اور غریب نے سارا دن خون پسینا ایک کر کے ٹوکری اُٹھائی، کسّی (کہئی) چلائی، گرمی، سردی برداشت کی، ایک روپیہ کمایا اور لا کر چندے میں دے دیا تو اس غریب کا ایک روپیہ اس مال دار کے ایک لاکھ سے بھاری ہے۔ غریبو! تم تھوڑے چندے پر یہ خیال نہ کرو کہ تھوڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں نیت کا اثر ہے۔ جن کو رب تعالیٰ نے زیادہ دیا ہے زیادہ دیں جن کو تھوڑا دیا ہے وہ تھوڑا دیں۔ رب تعالیٰ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقابلہ بہت مشکل ہے۔ اور ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کاش کہ ابوبکر میرے ساتھ سودا کرے میری ساری نیکیاں لے لے اور اپنی دو نیکیاں مجھے دے دے، میں اس سودے پر راضی ہوں۔ ایک ہجرت کی رات والی نیکی اور دوسری آنحضرت ﷺ کے دنیا سے رخصت ہونے کے وقت استقامت والی نیکی۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نیکیاں ستاروں کے برابر :

حدیث پاک میں آتا ہے کہ رات کا وقت تھا، چاندنی رات، مطلع بالکل صاف، آپ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے۔ آسمان پر بے شمار ستارے چمک رہے تھے۔ ستاروں کی طرف دھیان گیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا حضرت! یہ ارشاد فرمائیں کہ آسمان کے ستاروں کے برابر بھی کسی آدمی کی

نیکیاں ہیں؟ اب دیکھو! دھیان کس طرف گیا؟ ہم ہوتے تو ہمارا ذہن جاتا کہ اتنے پیسے بھی کسی کے پاس ہیں جتنے ستارے ہیں کیوں کہ كُلُّ اِنَاءٍ يَتَرَشَّحُ بِمَا فِيْهِ "برتن سے وہی کچھ ٹپکتا ہے جو کچھ برتن میں ہوتا ہے۔" ہمارا برتن مادی ہے ہم نے ہر چیز کو مادی نقطۂ نظر سے دیکھنا ہے۔ اُن کا ذہن دینی تھا۔ تو کہنے لگیں حضرت! کوئی بندہ ایسا ہے جس کی نیکیاں ستاروں کے برابر ہوں؟ فرمایا ہاں۔ حضرت! وہ کون ہے؟ فرمایا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ کہنے لگیں میرے ابا جی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عمر کی ساری نیکیاں ابو بکر کی ایک نیکی کے برابر نہیں۔

اور یاد رکھنا! یہ مبالغہ نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اتنی نیکیاں ہیں، بلکہ حقیقت ہے۔ مصر ان کے عہد خلافت میں فتح ہوا، عراق ان کے دورِ خلافت میں فتح ہوا، شام، ایران فتح ہوا، روم کا تقریباً نصف علاقہ فتح ہوا۔ بائیس لاکھ مربع میل کا علاقہ ان کے دورِ خلافت میں فتح ہوا۔ یہ ہمارا پاکستان تین لاکھ دس ہزار مربع میل ہے۔ عرب کا رقبہ بارہ لاکھ مربع میل کا پہلے ہی تھا۔ بائیس لاکھ مربع میل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتح ہوا۔ وہاں جو لوگ مسلمان ہوئے نسل در نسل قیامت تک نیکیاں کریں گے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نامہ اعمال میں بھی درج ہوں گی۔ لہٰذا یہ کوئی مبالغے کی بات نہیں ہے۔ جیسے بعض کم فہم لوگ کہتے ہیں دیکھو جی! ستارے تو بے شمار ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اتنی نیکیاں کہاں سے آئیں؟

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جتنے ناحق قتل ہوئے ہیں یا ہوں گے ان کا وبال قابیل کی گردن پر پڑے گا کیوں کہ یہ پہلا شخص ہے جس نے ناحق قتل دنیا میں

رائج کیا۔ نیکی کرانے والے کو نیکی کا اجر ملے گا۔ اس لیے مبلغین کو یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہیے کہ تمہاری ترغیب سے اگر ایک آدمی بھی نمازی بن جائے گا تو ان شاء اللہ تعالیٰ ساری دنیا کے خزانوں سے تمہارے لیے یہ بہتر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: لِأَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔ بخاری شریف کی روایت ہے "اے علی! اگر تیری وجہ سے ایک آدمی کو بھی ہدایت نصیب ہو جائے تو سرخ رنگ کے عربی اُونٹوں سے بہتر ہے۔"

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شیخ مجھے دو نیکیاں دے دے اور میری ساری نیکیاں لے لے، میں راضی ہوں۔ ایک ہجرت کی رات والی نیکی کہ جان ہتھیلی پر رکھ کر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کا ساتھ دیا جب کافر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے در پے تھے۔ اگر کافروں کا بس چلتا تو انھوں نے چھوڑنا نہیں تھا۔ ہجرت کا واقعہ اوّل تا آخر سبق آموز اور بہت بڑے ایثار کا نمونہ ہے۔ اور دوسری نیکی استقلال و استقامت ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بہ یک وقت سات محاذوں پر جنگ لڑنا :

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے تو بہ یک وقت سات محاذوں پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جنگ لڑی۔ اسود عنسی، مسیلمہ کذاب، طُلیحہ بن خویلد اور سجاح بنت حارث نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ چار محاذ تو یہ تھے۔

نمبر ⑤: مانعین زکوٰۃ

نمبر ⑥: مرتدین

نمبر ⑦: موتہ کے مقام پر جہاد۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! ایک مورچہ کم کرلیں یہ مانعین زکوٰۃ کلمہ تو پڑھتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، حج کے قائل ہیں ان کے ساتھ آپ نہ لڑیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَجَبَّارٌ فِی الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِی الْاِسْلَامِ " جب تو کافر تھا تو بڑا دلیر تھا اور اسلام میں ڈھیلی ڈھیلی باتیں کرتے ہو اَيَنْقُصُ دِيْنٌ وَ اَنَا حَیٌّ میری زندگی میں دین گھٹتا جائے اور میں تماشا دیکھتا رہوں۔" خدا کی قسم! جانور تو جانور، جانور کے گلے کی جو رسی زکوٰۃ میں دیتے تھے اگر وہ رسی بھی نہیں دیں گے تو میں ان کے ساتھ لڑوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایسی جرأت، ہمت اور استقلال کا مظاہرہ کیا تو میں نے کہا ان کی رائے صحیح ہے۔

چار نسلوں میں صحابیت کا شرف :

تو ایک یہ نیکی دے دیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو مقام اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وہ اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔ جس ہستی کی چار نسلوں کو صحابیت کا شرف حاصل ہو وہ صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے کہ باپ بھی صحابی، خود بھی صحابی، بیٹا بھی صحابی اور پوتا بھی صحابی۔ پوری اسلامی تاریخ میں ایسی فضیلت اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔ کسی کی دو نسلیں صحابی ہیں، کسی کی تین پیڑھیاں صحابی ہیں لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی چار پیڑھیاں صحابی ہیں۔

زِمامِ خلافت اور اخلاصِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ :

پھر عجیب بات یہ ہے کہ جب خلیفہ بنے تو اُس وقت والد بھی زندہ تھے۔ والد کی زندگی میں رب تعالیٰ نے خلافت کا بوجھ کندھے پر ڈالا۔ اس دیانت اور جرأت کے ساتھ خلافت کا بوجھ اُٹھایا کہ اس کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی۔ فتنوں کا ایسا مقابلہ کیا کہ تاریخ اس کی مثال نہیں پیش کرسکتی۔ کہنے والوں نے کہا حضرت! مدینہ طیبہ جوانوں سے خالی ہوگیا ہے کوئی فوت ہو جائے تو جنازہ اُٹھانے کے لیے جوان نہیں ملتے، قبر کی کھدائی کے لیے لوگ نہیں ملتے۔ اگر کوئی بھیڑیا کسی بچے یا عورت کی ٹانگ پکڑ کر لے جائے تو چھڑانے والا کوئی نہیں ہے۔ کچھ لوگ تو مدینہ طیبہ میں رہنے دو۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جواب سنو۔ تاریخ الخلفاء میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں۔ فرمایا: "ابوبکر اس چیز کو تو گوارا کر لے گا کہ موٹا تازہ بھیڑیا آئے اور میری لختِ جگر، میری بیٹی عائشہ صدیقہ کی ٹانگ کو پکڑ کر کھینچ کر لے جائے لیکن یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ جو دین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے اس میں کسی قسم کی کمزوری آئے۔" اخلاص دیکھو اور دین کی ہمدردی دیکھو!

تو خیر سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مومن، متقی ہیں، شان، عظمت والے ہیں، ہمارے لیے قابلِ اعتماد ہیں۔ ان میں پہلا درجہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ آگے مضمون آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

سوال: عورتوں اور مردوں کی نماز میں کیا فرق ہے؟

جواب: عرض ہے کہ عورتیں سجدہ کریں تو ذرا پست ہو کر کریں، نماز اپنے گھر کی کوٹھڑی میں پڑھیں کہ گھر میں بھی کوئی نہ دیکھے یہ خیال نہ کریں کہ گھر میں کوئی نہیں ہے۔ عورت اگر باریک لباس پہنے یا باریک دوپٹا پہنے جس میں سے بال نظر آئیں تو نماز بالکل نہیں ہوگی۔ یہ نہیں کہ کوئی غیر دیکھے تو پھر، نہ۔ عورتوں کے لیے بنیادی شرط ہے اپنے گھر کی چار دیواری میں، کال کوٹھڑی میں ایسا کپڑا سر پر نہ لیں جس سے بال نظر آئیں اور اپنی آستینوں کو کلائیوں تک رکھیں۔ اگر کپڑا دو انگلیاں بھی اوپر ہوا تو نماز نہیں ہوگی، قطعاً نہیں ہوگی۔ ان چیزوں کا خیال رکھیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ [آمین!]

ہے زمانہ معترف صدیق تیری شان کا
صدق کا اخلاص کا، ایمان کا ایقان کا
تجھ سے پھیلا نور اسلام ارض میں اور شام میں
مٹ گیا نام ارتداد و کفر کا طغیان کا
انبیاء کے بعد ہے رتبہ تیرا سب سے بلند
مقتدا ہے تو علیؓ کا، بوذرؓ و سلمانؓ کا

مقامِ صحابہؓ اور شانِ فاروقِ اعظمؓ

خطبہ جمعۃ المبارک ۱۰؍صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

پیغمبر کے صحابی کا وہ شانہ یاد آتا ہے
بدل کر بھیس گلیوں میں وہ جانا یاد آتا ہے
نجف، اس عہد کی مائیں جب آنے کو ترستی ہیں
عمرؓ تیری خلافت کا زمانہ یاد آتا ہے

بعد از خطبہ مسنونہ:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

[سورۃ الفتح، آیت:۲۹، پارہ:۲۶]

تمہید :

کافی دنوں سے تمھارے سامنے یہی آیت تلاوت ہوتی چلی آرہی ہے۔ اس آیت کریمہ میں دو مضمون بیان ہوئے ہیں۔ پہلا مضمون تھا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ توحید کے بعد بنیادی عقائد میں سے رسالت کا مسئلہ بھی ہے۔ جب تک کوئی آدمی توحید، رسالت اور قیامت کے مسئلے پر کامل یقین نہیں رکھتا چاہے وہ کتنی ہی عبادت کرلے وہ مسلمان نہیں ہے اور اس کی عبادت قبول نہیں ہے۔ اور یہ بھی بنیادی عقیدہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ آپ ﷺ سے پہلے وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر تشریف

لاتے رہے آخر میں تمام پیغمبروں کے امام اور سردارِ دو جہاں، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے بعداب قیامت تک کوئی پیغمبر پیدا نہیں ہوسکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے مگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ اس عقیدے کا ماننا بھی ضروری ہے جو نہیں مانتا وہ بھی مسلمان نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسرے آسمان پر زندہ ہیں اور قیامت کے قریب نازل ہوں گے اور چالیس سال عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کریں گے پھر ان کی وفات ہوگی اور روضۂ اقدس میں چوتھی قبر کی جگہ ہے وہاں دفن کیے جائیں گے۔ ایک قبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، دوسری حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے اور تیسری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ چوتھی قبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہوگی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خواب :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کہ ایک بڑا روشن چاند آسمان سے آکر میرے حجرے میں غائب ہوگیا ہے۔ تھوڑے سے وقفے کے بعد ایک اور چاند دیکھا کہ وہ میرے حجرے میں آکر غائب ہوگیا ہے پھر تھوڑے سے وقفے کے بعد دیکھا کہ تیسرا چاند آیا اور میرے حجرے میں غائب ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ام المومنین نے یہ خواب دیکھے۔ حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والدِ محترم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خواب کی تعبیر پوچھی کہ ابا جی! میں نے خواب دیکھا ہے تین چاند یکے بعد دیگرے میرے حجرے میں آکر غائب ہو گئے اس کی تعبیر بتائیں۔ تعبیر بڑی واضح تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیٹی! جو رب تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ ابا جی! کچھ تو بتلائیں۔ فرمایا جو رب کو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بڑا اصرار کیا کہ ابا جی! مجھے خواب کی تعبیر بتلائیں۔ فرمایا بیٹی جو مقدر ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔

وفاتِ پیغمبر پر تین باتوں میں اختلاف :

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو تین باتوں میں اختلاف ہوا۔

❀ ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کہاں کیا جائے؟ کسی نے کہا جنت البقیع میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم مدفون ہیں وہاں دفن کرو۔ کسی نے کہا کہ جنت البقیع میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی عثمان بن مظعون مدفون ہیں وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا جائے۔ کسی نے کہا کہ جنت البقیع میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صاحب زادیاں مدفون ہیں وہاں دفن کیا جائے۔ کسی نے کہا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مکرمہ ام المساکین حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدفون ہیں وہاں دفن کیا جائے، کسی نے کہا جنت البقیع کی بجائے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا مبارک حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دفن ہیں احد پہاڑ کے دامن میں وہاں دفن کرو۔ لوگوں نے مختلف آراء پیش کیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سقیفہ بنوساعدہ میں تھے۔اس کا ذکر ان شاء اللہ تفصیل کے ساتھ آگے آئے گا۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے تو فرمایا کیا اختلاف ہے؟ ساتھیوں نے کہا حضرت! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے بارے میں اختلاف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں دفن کیا جائے؟ فرمایا یہ تمھاری آراء ہیں۔ سنو! سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ نبی کی جس جگہ وفات ہوتی ہے وہیں دفن کیا جاتا ہے۔ یہ مسئلہ حل ہوا۔

❀ دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل کپڑے اُتار کے دیا جائے یا کپڑوں سمیت ہی غسل دیا جائے؟ اس سلسلے میں ہاتفِ غیبی نے آواز دی اَنْ لَّا تُجَرِّدُوْہُ مِنَ الثِّيَابِ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے نہ اُتارے جائیں ایسے ہی غسل دے دو۔ غسل کے بعد کمالِ احتیاط سے کپڑے اُتار کر تین سحولی کپڑے سفید رنگ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفن کے طور پر پہنائے گئے۔ سحول یمن میں ایک جگہ کا نام ہے وہاں کے بنے ہوئے کپڑوں کو سحولی کہا جاتا تھا۔

❀ اور تیسرا اختلاف اس بات میں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک شق والی ہونی چاہیے یا لحد والی۔ طے یہ ہوا کہ دو آدمی اس فن کے ماہر ہیں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ، ان میں سے جو پہلے آئے وہ اپنا کام شروع کردے۔ دونوں کی طرف آدمی بھیجے گئے۔ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ پہلے آئے۔ یہ لحد والی قبر بنانے کے ماہر تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک لحد والی بنائی گئی۔

جب آپ ﷺ کی تدفین حجرہ مبارک میں کر دی گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا بیٹی! تیرے تین چاندوں میں سے ایک آ گیا ہے۔ پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ان کو بھی وہیں دفن کیا گیا دوسرا چاند بھی آ گیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ان کو بھی وہیں دفن کیا گیا تیسرا چاند بھی آ گیا۔ چوتھی قبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بنے گی۔ تو آپ ﷺ پر ہر قسم کی نبوت ختم ہو گئی۔

جبرئیل علیہ السلام کا بددعا کرنا اور حضور ﷺ کا آمین کہنا :

تو آیت کے پہلے حصے میں تھا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ ﷺ۔ ایک مسئلہ اور بھی اچھی طرح یاد رکھنا! پہلے بھی کئی مرتبہ بیان کر چکا ہوں لیکن پھر بھی بیان کرنا ضروری ہے۔ آنحضرت ﷺ منبر کی پہلی سیڑھی پر تشریف لے گئے اور بلند آواز سے فرمایا آمین! پھر دوسری سیڑھی پر تشریف لے گئے اور فرمایا آمین! پھر تیسری سیڑھی پر تشریف لے گئے اور فرمایا آمین! یہ کہہ کر اُتر آئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے حیران ہوئے کہ نہ نماز ہے نہ دعا ہے نہ کسی کے ساتھ کوئی خطاب ہے اور آپ ﷺ نے تینوں سیڑھیوں پر آمین فرمائی ہے۔ کہنے لگے حضرت! آج آپ نے ایسا کام کیا ہے جو پہلے کبھی نہیں کیا۔ فرمایا بات یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے آ کر کہا کہ آپ پہلی سیڑھی پر چڑھ کر کھڑے ہوں میں بددعا کروں گا آپ آمین کہنا۔ بددعا کی اے پروردگار! جس مرد یا عورت کے ماں باپ دونوں بڑھاپے کو پہنچ چکے ہوں یا ایک بڑھاپے کو پہنچ چکا ہو اور اس نے ان کی خدمت

کر کے ان کو راضی نہ کیا ہو خَابُوْا وَخَسِرُوْا خدا کرے وہ ناکام اور نامراد دنیا سے جائیں۔ اس بددعا کے قبول ہونے میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایک معصوم بددعا کر رہا ہے اور دوسرا معصوم آمین کہہ رہا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام تمام فرشتوں کے سردار ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے سردار ہیں۔ وہ بھی معصوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی معصوم۔ یقین جانو! اس بددعا کے قبول ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

میں دوسری سیڑھی پر چڑھا تو جبرئیل علیہ السلام نے بددعا کی کہ جس آدمی نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنا اور درود شریف نہ پڑھا تو ایسا شخص بھی چاہے مرد ہو یا عورت دنیا سے ناکام اور نامراد ہو کر جائے۔ میں نے کہا آمین۔ مسئلہ یہ ہے کہ نماز کی حالت میں ہو، خطبے کی حالت میں ہو یا پیشاب پاخانہ کرنے بیٹھا ہو، ان حالتوں میں درود شریف نہیں پڑھنا۔ یہ حالتیں مستثنٰی ہیں۔ ان حالتوں کے سوا جب بھی کوئی مسلمان مرد یا عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنے تو کم از کم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور کہے۔ یہ ہر مسلمان کے فریضے میں شامل ہے۔ اور تلفظ اس انداز سے کریں کہ اپنے کان سنیں صرف دانت ہی نہ ہلائیں۔

سوال: (دورانِ تقریر) ایک آدمی نے سوال کیا کہ اذان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آئے تو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: (فرمایا) جب اذان سنو تو اذان کے الفاظ دہراؤ۔ جب مؤذن حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ، حَیَّ عَلَی الفلاح کہے تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہو۔ اذان ختم ہونے کے بعد درود شریف پڑھو، اس کے بعد وسیلے والی دعا مانگو اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ آخر تک۔ یہ مسئلہ مسلم شریف کی روایت میں ہے۔

سوال: (ایک اور آدمی نے سوال کیا کہ) کسی آدمی کے نام کے ساتھ محمد ہے کیا درود پڑھنا چاہیے؟

جواب: درود شریف نہیں پڑھنا۔ مثلاً: کسی آدمی کا نام محمد اکرم ہے، محمد خلیل ہے، اس پر درود شریف نہیں پڑھنا۔ کیوں کہ درود شریف تو آنحضرت ﷺ کے لیے ہے۔ تمھارے ہمارے لیے تو نہیں ہے۔

خیر جب آپ ﷺ تیسری سیڑھی پر چڑھے تو جبرئیل علیہ السلام نے بددعا کہ رمضان المبارک کا مہینہ آجائے اور بندہ گھر میں ہے اور تن درست ہے اور روزہ رکھ کر جنت کی سند حاصل نہ کرے اللہ کرے وہ ناکام اور نامراد ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا امین! تو یاد رکھنا! جب بھی آپ ﷺ کا نام نامی اسم گرامی آئے تو کم از کم صلی اللہ علیہ وسلم کہنا ہر مسلمان مرد عورت کے فریضے میں شامل ہے۔

فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم بہ زبانِ پیغمبر ﷺ :

آیت کریمہ کے دوسرے حصے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات ہیں جو کافی تفصیل کے ساتھ تم سن چکے ہو۔ آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے ترمذی شریف میں جو صحاح ستہ کی مرکزی کتاب ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ "اللہ سے ڈرنا، اللہ سے ڈرنا میرے صحابہ کے بارے میں لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِّنْ م بَعْدِیْ میرے بعد ان کو اپنے طعنوں کا نشانہ نہ بنانا۔" (کیوں کہ اگر ان سے تھوڑی بہت لغزش ہوئی بھی ہو تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نیکیاں اتنی جمع کی ہیں کہ ان کے مقابلے میں ان کی لغزش کی کوئی حیثیت نہیں ہے)۔ تم ان کو میرے بعد اپنے تیروں

اور طعنوں کا نشانہ نہ بنانا۔ فرمایا مَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ "جس نے ان کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف دی ہے، اذیت پہنچائی ہے۔"

دیکھو! آج اگر کسی کے بیٹے کو اذیت دی جائے تو اس کے ماں باپ بھی دکھی ہوتے ہیں، ماں باپ کو صدمہ ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ ساری مخلوق کے روحانی باپ ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو پہلے درجے میں ہیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو آدمی بُرا کہے گا وہ آنحضرت ﷺ کو اذیت پہنچائے گا اور آنحضرت ﷺ کو دکھ پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے رب تعالیٰ کو بھی ناراض کیا وَمَنْ اٰذَى اللّٰهَ يُوْشَكُ اَنْ يَّاْخُذَهٗ "اور جس نے رب تعالیٰ کو ناراض کیا رب تعالیٰ اس کو پکڑے گا اور اس طرح پکڑے گا کہ پھر چھوڑے گا نہیں۔" لیکن اس کے پکڑنے کے طریقے ہیں۔ دنیا میں پکڑلے دنیا میں نہ پکڑے قبر میں پکڑلے گا، دوزخ میں پکڑلے گا۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اپنے اپنے درجات ہیں ہمارے لیے سارے نجومِ ہدایت ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ "میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں بِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ ان میں سے جس کی اقتداء کرو گے، جس کا دامن پکڑلو گے ہدایت پاؤ گے، جنت میں جاؤ گے۔"

عشرہ مبشرہ :

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سارے جنتی ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ ایک ہی مجلس میں آپ ﷺ نے ان کو جنتی ہونے کی خوش خبری دی ہے جن کو عشرہ مبشرہ کہتے ہیں۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت

عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت سعید، حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، رضی اللہ عنہم ۔ مختلف اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہ کرام کو جنت کی خوش خبری سنائی ہے۔ مثلاً: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور بے شمار ہیں مگر ایک ہی مجلس میں ان دس کو جنت کی خوش خبری دی ہے۔

خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو جنت کی بشارت :

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ آج میں سارا دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہوں گا دین سیکھوں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو فرمائیں گے سنوں گا اور یاد رکھوں گا۔ آج اور کوئی کام نہیں کرنا۔ میں آیا تو معلوم ہوا کہ آپ باہر ایک باغ میں تشریف فرما ہیں میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کنوئیں میں پاؤں مبارک لٹکا کر بیٹھے ہیں۔ مجھے حکم دیا باغ کے دروازے کے اندر جا کر بیٹھ جاؤ، لکڑیوں کا دروازہ تھا، جو آئے اس کو بغیر اجازت کے اندر نہیں آنے دینا اور مجھ سے پوچھ کر اجازت دینی ہے۔ تھوڑا وقت گزرا کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اُٹھ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے حضرت! کسی آدمی نے دروازہ کھٹکھٹایا ہے۔ فرمایا اس کو اندر آنے کی اجازت دے دو وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ اور جنت کی خوش خبری سنا دو۔ میں نے جا کر دروازہ کھولا فَإِذَا هُوَ أَبُوبَكْرٍ الصِّدِّيقُ دیکھا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں کنوئیں میں پاؤں لٹکا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھ گئے۔ میں دروازے پر جا کر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد پھر کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں دوڑتا ہوا آپ ﷺ کے پاس گیا کہ حضرت! کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ فرمایا جاؤ اس کو اجازت دے دو اور جنت کی خوش خبری سنا دو فَإِذَا هُوَ عُمَرُ ابن الخطاب دیکھا تو وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے کہا آنحضرت ﷺ نے آپ کو جنتی ہونے کی بشارت دی ہے اور اندر آنے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ وہ گئے، ملے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کنوئیں میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر گزری پھر کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ فرمایا جاؤ اس کو بھی اجازت دو اور جنتی ہونے کی خوش خبری سنا دو اور ساتھ یہ بھی کہہ دو عَلٰی بَلْوٰی تُصِيبُهٗ تجھے ایک مصیبت بھی پیش آئے گی۔ چنانچہ میں گیا فَإِذَا هُوَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانٍ دیکھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے آپ کو جنتی ہونے کی خوش خبری بھی دی ہے اور ساتھ فرمایا ہے کہ کوئی پریشانی بھی پیش آئے گی۔ اس موقع پر ان تینوں بزرگوں کو جنتی ہونے کی خوش خبری دی۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔

قصرِ عمر رضی اللہ عنہ جنت میں :

یہ الگ واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ جنت میں تشریف لے گئے وہاں ایک بڑا بہترین محل دیکھا۔ اس کے سامنے باغات ہیں۔ فرمایا میں نے پوچھا لِمَنْ هٰذَا الْقَصْرُ یہ محل کس کا ہے؟ تو مجھے بتلایا گیا کہ لِرَجُلٍ مِّنْ قُرَيْش یہ ایک قریشی نوجوان کا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خیال کیا کہ میں بھی قریشی ہوں شاید یہ میرا ہی ہو۔ میں نے ان سے کہا کہ

وضاحت کرو قریش میں سے کس کا ہے؟ تو کہنے لگے عمر بن الخطاب کا ہے، رضی اللہ عنہ۔ فرمایا اتنا بہترین محل کہ میرا دل چاہا کہ میں اندر داخل ہوں (کہ باہر سے اتنا خوب صورت ہے اندر سے کتنا خوب صورت ہوگا)۔ لیکن مجھے اے عمر! تیری غیرت کا خیال آیا تو اندر نہ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور کہنے لگے اَعَلَیْكَ اَغَارُ کیا میں نے آپ پر غیرت کرنی تھی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا محل جنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آنکھوں سے دیکھ کر آئے ہیں۔ اور یاد رکھنا! پیغمبر کا خواب حقیقت ہوتا ہے اس میں کوئی وہم اور شک کی بات نہیں ہوتی۔ تو جن بزرگوں کے محل آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں دیکھ کر آئے وہ حقیقت ہیں۔

بیل اور بھیڑیئے کا باتیں کرنا :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ ایک شخص ایک بیل کو ہانکتا ہوا لے جا رہا تھا جب وہ تھک گیا تو بیل پر سوار ہو گیا بیل بولا کہ ہم سواری کے لیے نہیں پیدا کیے گئے اِنَّمَا خُلِقْنَا بِحِرَاثَةِ الْاَرْضِ ہم تو زراعت اور کاشت کاری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، اُتر جاؤ۔ جیسے: میں بول رہا ہوں اور تم سن رہے ہو اور سمجھ رہے ہو اسی طرح اس بیل نے گفتگو کی۔ لوگوں نے یہ لفظ سنے تو بڑے حیران ہوئے اور کہنے لگے سُبْحَانَ اللهِ بَقَرَةٌ تَكَلَّمَ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے یہ بیل گفتگو کر رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا بھی ایمان ہے، ابوبکر کا بھی ایمان ہے، عمر کا بھی ایمان ہے (رضی اللہ عنہما) رب تعالیٰ جس چیز کو چاہے بلوا سکتا ہے وَمَا هُمَا ثَمَّ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو اپنی تائید میں پیش کیا وہ

دونوں وہاں نہیں تھے۔

اور اسی بخاری شریف میں آتا ہے کہ جب آگے چلے تو ایک چرواہا تھا بھیڑ بکریاں چرانے والا۔ ایک بھیڑیا آیا اور ایک بکری اُٹھا کر لے گیا۔ چرواہا پیچھے دوڑا پتھر وغیرہ مارے اور بکری چھڑا لی۔ بکری زخمی تو ہوئی مگر بچ گئی۔ بھیڑیے نے ایک ٹیلے پر چڑھ کر تقریر شروع کر دی۔ کہنے لگا اس وقت تو تم نے مجھ سے بکری چھین لی ہے جب بادشاہی میری ہوگی اس وقت کیا کرو گے؟ یہ اشارہ تھا کہ دنیا میں ظالم حکمران بھی آئیں گے۔ اسی ہفتے کے اخبار میں تم نے پڑھا ہوگا کہ افریقہ کے ایک ملک میں ایک بادشاہ لوگوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت کھاتا ہے۔ بھئی! بھیڑیا اور کس چیز کا نام ہے۔

تو اس بھیڑیے نے کہا کہ جب میری بادشاہی ہوگی اس وقت کیا کرو گے؟ لوگوں نے کہا سُبْحَانَ اللهِ ذِئْبٌ يَتَكَلَّمُ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے بھیڑیا باتیں کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرا بھی ایمان ہے، ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کا بھی ایمان ہے اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے بلوا سکتا ہے۔ پتھروں کو بلوا سکتا ہے، درختوں کو بلوا سکتا ہے۔

قادرِ مطلق جس چیز کو چاہے بلوا سکتا ہے :

مسلم شریف میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں اس پتھر کو جانتا ہوں کہ جب میں اس کے پاس سے گزرتا تھا وہ مجھے سلام کہتا تھا۔ یہ پتھر کیا ہیں، روڑے کیا ہیں، درخت کیا ہیں، پتے کیا ہیں، قطرات اور ذرات کیا ہیں وہ قادر مطلق

ہے سب پر قادر ہے جو چاہے کرے۔

یہ ہمارے ہاتھ پاؤں، ہمارے کان، ہماری آنکھیں، ناک، ایک ایک عضو قیامت والے دن بولے گا جب بندہ اپنے جرائم کا انکار کرے گا تو قرآن کریم میں آتا ہے اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ [سورۃ یٰسین] "آج ہم مہر لگا دیں گے ان کے مونہوں پر اور کلام کریں گے ہمارے ساتھ ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں اس چیز کی جو وہ کماتے تھے۔" ایک وقت ایسا ہوگا کہ زبان پر مہر لگ جائے گی انسان ایک لفظ نہیں بول سکے گا اور ہاتھ پاؤں بولیں گے، چمڑے بات کریں گے، بدن کا ایک ایک بال بولے گا اور کہے گا اے رب! ہم نے یہ کام کیا جو جو کیا ہوگا بتلائیں گے۔ بلکہ زمین کے جس ٹکڑے پر کسی نے کوئی نیکی بدی کی ہوگی وہ زمین کا ٹکڑا بول کر بتلائے گا۔

سورہ زلزال پارہ ۳۰ میں ہے اس دن بیان کرے گی زمین اپنی خبریں بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا "اس لیے کہ بے شک تیرے رب نے اس کو حکم دیا ہے۔" زمین کا ٹکڑا بول کر کہے گا اے پروردگار! اس بندے نے یہاں پر نماز پڑھی تھی، یہ وہ شخص ہے جس نے قرآن شریف کی تلاوت کی تھی، اس نے یہاں درود شریف پڑھا تھا، اس نے تیرا ذکر کیا تھا، اس نے دین کی بات کی تھی۔ اے پروردگار! یہ وہ شخص ہے جس نے شراب پی تھی، اس نے میرے اُوپر بیٹھ کر جوا کھیلا تھا، اس نے یہاں بدفعلی کی تھی۔ زمین بولے گی، ہاتھ پاؤں بولیں گے تو پھر بھیڑیا کیوں نہ بولے، بیل کیوں نہ بولے۔

کرامتِ فاروقی :

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا بھی ایمان ہے ابوبکر کا بھی ایمان ہے، عمر بن الخطاب کا بھی ایمان ہے (رضی اللہ عنہما) کہ جس چیز کو رب تعالیٰ چاہے بلوا سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صاحب کرامت تھے۔ ان کی بے شمار کرامتیں ہیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ زمین پر زلزلہ آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کانپ اُٹھے اور کہنے لگے عمر! تیرے گناہوں کی شامت اُمت پر نہ پڑ جائے پھر زمین پر دُرّہ مار کر فرمایا اے اللہ کی زمین! ٹھہر جا، ساکن ہو جا میں نے تیرے اُوپر عدل قائم نہیں کیا۔ زلزلہ ختم ہو گیا۔

عدلِ فاروقی :

بیٹے سے زیادہ عزیز کون سی چیز ہو سکتی ہے۔ تاریخ اُٹھا کر دیکھو! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیٹا ابو شحمہ رضی اللہ عنہ مصر میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی کمان میں سپاہی تھا، مجاہد تھا، جہاد میں تھا۔ کوئی تکلیف پیش آئی مصر کے نومسلموں نے غلط مشورہ دے کر نبیذ پلا دی۔ یاد رکھنا! ایک شراب ہے اور ایک نبیذ ہے۔ تاریخ میں نبیذ کا لفظ آتا ہے۔ نبیذ کہتے ہیں کھجور کو پانی میں ڈال کر رکھ دیا جائے کہ اس کی مٹھاس پانی میں آ جائے پکایا نہ جائے۔ مصریوں نے مشورہ دیا کہ اس تکلیف کے لیے نبیذ استعمال کر لو۔ انھوں نے استعمال کر لی۔ وہ ذرا تیز تھی اس میں نشے کی تاثیر آ گئی تھی۔ پینے کے بعد ایسی حرکتیں شروع کر دیں جیسے شرابی لوگ حرکتیں کرتے ہیں۔ ساتھیوں نے پکڑ کر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کر دیا کہ امیر المومنین کا بیٹا ایسی حرکتیں

کررہا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس نے کوئی چیز پی لی ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے تنبیہ کے طور پر تھوڑی سی سزا دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پورے علاقے پر نگاہ رکھتے تھے کہ کسی علاقے میں کوئی حادثہ تو پیش نہیں آیا۔ اگر پیش آیا ہے تو اس علاقے کے حاکم نے کیا کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ تمھارے فرزند نے شراب پی ہے اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس کو پوری سزا نہیں دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کو مدینہ طیبہ طلب کیا۔ حضرت عمرو بن العاص کو بھی اور بیٹے ابو شحمہ کو بھی۔ دونوں مدینہ منورہ پہنچے۔ سب سے پہلے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی گوشمالی کی کہ میں تمھارے متعلق یہ گمان نہیں رکھتا تھا کہ تم خدائی حدود میں سستی کروگے وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ "جو چیز نشہ پیدا کرے وہ حرام ہے۔" جب اس نے نشیئیوں والی حرکتیں کیں تو تم نے اس کو پوری سزا کیوں نہیں دی؟ تمھارا فریضہ تھا کہ اس کو اسّی [۸۰] کوڑے لگواتے۔ اب تم میرے سامنے اس کو کوڑے مارو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ یہ صحیح معنٰی میں کوڑے نہیں مار رہا تو اس کے ہاتھ سے کوڑا لے کر خود اپنے بیٹے پر کوڑے برسائے۔ بہتر [۷۲] کوڑے لگے تو بیٹا فوت ہوگیا آٹھ کوڑے مرے ہوئے پر لگائے کہ سزا دنیا ہی میں پوری ہو جائے۔ دنیا میں ایسے عدل وانصاف کی نظیر نہیں ملتی، کوئی نظیر نہیں پیش کرسکتا۔

گورنر کی سرزنش:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کوفے کے گورنر تھے۔ اُنھوں نے اپنے

گھر کے آگے سائے کے لیے سادہ سا چھپر ڈال لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو ان کو کوفہ عراق سے مدینہ طیبہ طلب کر لیا۔ فرمایا مجھے خبر پہنچی ہے کہ تو نے اپنے گھر کے آگے چھپر ڈال لیا ہے اس کی وجہ مجھے بتلاؤ۔ وہ کہنے لگے حضرت! اس لیے ڈالا ہے کہ آنے والے لوگ دھوپ میں نہ کھڑے رہیں۔ کیوں کہ لوگ جب آتے ہیں تو میں کھانا کھا رہا ہوتا ہوں، کبھی کپڑے بدل رہا ہوتا ہوں میرے اس تاخیر سے باہر نکلنے کی وجہ سے وہ دھوپ میں نہ کھڑے رہیں۔ بات تو صحیح تھی مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مزے سے اندر کھانا کھاتے رہو، کپڑے بدلتے رہو اور لوگ تمھارے انتظار میں چھپر کے نیچے بیٹھے رہیں۔ فرمایا تمھارا فرض ہے کہ لوگ جب تمھیں آواز دیں تو فوراً ان کے پاس پہنچو اور چھپر جا کر گرا دو اتنی تاخیر برداشت نہیں ہے۔

ذمیوں کے ساتھ حسنِ سلوک :

روم کا ایک آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ کہنے لگا امیر المومنین کو بلاؤ۔ لوگوں نے کہا کہ وہ اندر مشغول ہیں آپ اندر آ جائیں۔ کہنے لگا میں عیسائی ہوں اندر نہیں آ سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کو کہو اندر آ جائے۔ کہنے لگا میں نے اندر نہیں آنا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود باہر تشریف لے گئے اور اس سے کہا کہ کیا بات ہے؟ کہنے لگا میں روم کے علاقے کا عیسائی ہوں تمھارے فلاں چونگی والے نے مجھ سے ایک سال میں دو دفعہ چونگی وصول

کی ہے۔محصول (ٹیکس) سال میں ایک دفعہ ہوتا ہے یہ رسیدیں میرے پاس ہیں۔

اصل میں یہ اتفاق اس طرح ہوا کہ جو پہلا محصل تھا وہ تبدیل ہو گیا اور دوسرے کو پہلے ریکارڈ کا علم نہیں تھا۔ اس نے سمجھا کہ یہ داؤ لگا کر گزرنا چاہتا ہے اس لیے اس نے محصول لے لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا میں پوچھ لیتا ہوں تم مطمئن رہو۔ عیسائی کا بیان ہے کہ میں نے سمجھا کہ مجھے ٹرخا دیا ہے، میں چلا گیا۔ جب میں محصل کے پاس پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کارندہ میرے پہنچنے سے پہلے پہنچا ہوا تھا اور پوچھ رہا تھا کہ رومی آیا ہے یا نہیں؟ اس کی رقم واپس کر دو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں ادنیٰ اعلیٰ برابر :

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا نوجوان بیٹا مصعب جذباتی مزاج کا تھا۔ اس نے کسی آدمی کو بلا وجہ ایک دو کوڑے مار دیے محض اس لیے کہ میں گورنر کا بیٹا ہوں۔ مظلوم نے حج کے دنوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے شکوہ کیا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے نے مجھے بلا وجہ کوڑے مارے ہیں۔ فرمایا اس کو بھی بلاؤ اور والد کو بھی بلاؤ اور گواہ بھی بلاؤ۔ لیکن وہ خیر کا زمانہ تھا جرم کرنے والا اپنے جرم کا اقرار کرتا تھا۔ آج تو مصیبت یہ ہے کہ جرم کر کے ماننے کے لیے کوئی تیار ہی نہیں ہے۔ اور وکیل مجرم کو ایسی باتیں پڑھائیں گے کہ مجرم کو ایسے صاف کر دیں گے جیسے سفید بال ہوتا ہے۔ دنیا میں اتنا انقلاب آ چکا ہے۔ اُس وقت کافر بھی جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ اگر کوئی بات کی ہوتی تھی تو کہتے تھے ہاں کی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس زمانے میں

مقدمے طول نہیں پکڑتے تھے اور نہ مقدمات کے لیے اتنے وکیل ہوتے تھے۔ اور آج کلمہ پڑھنے والا مسلمان سچی بات منہ سے نکالنے کے لیے تیار نہیں ہے، خدا پناہ!

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس نے تمہاری شکایت کی ہے بتلاؤ حقیقت کیا ہے؟ اس نے کہا ہاں حضرت! میں نے جذبات میں آ کر کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مظلوم سے فرمایا کہ اس سے بدلہ لو۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کھسکنا شروع کیا کہ میرے سامنے میرے بیٹے کو دُرّے نہ لگیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے۔ فرمایا سعد! ٹھہر جاؤ اور مظلوم سے فرمایا اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھ کر قیامت کے دن کو سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ کی عدالت کو پیشِ نظر رکھو۔ اس انداز سے کوڑے مارو جس انداز سے اس نے تمھیں مارے تھے اور اس بات کو نہ بھولنا کہ اگر تم نے زیادہ سختی سے مارے تو قیامت والے دن زیادتی کا بدلہ دینا پڑے گا۔ چنانچہ اس نے اسی انداز سے کوڑے مارے جس انداز سے کوڑے کھائے تھے۔ بیٹے نے گورنر باپ کے سامنے کوڑے کھائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں ظالم اور مظلوم کے درمیان فرق نہ کر سکا تو میں خلیفہ کیسا۔

افسروں کو سادہ لباس پہننے کا حکم :

حضرت عیاض بن غنم اشعری رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر تھے۔ مشہور صحابی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی کہ مصر کے گورنر عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے گرمی کے زمانے میں باریک کرتا پہن رکھا ہے اور یاد رکھنا! یہ حرام نہیں ہے بہ شرطے کہ بدن نظر نہ

آئے نیچے بنیان وغیرہ ہو۔ مگر مردوں کے لیے شریعت ایسا لباس پسند نہیں کرتی یہ نازنینوں والا لباس مجاہد قوم کے لیے پسندیدہ نہیں ہے۔ مجاہد قوم کا لباس گرمی سردی کا ایک ہی ہوتا ہے جو جفاکشوں کا ہو۔ باریک لباس، بیل بوٹے والا لباس، اسلام اس کا قائل نہیں ہے۔

تو خیر خبر پہنچی کہ عیاض بن غنم اشعری رضی اللہ عنہ نے ململ کا کرتا بنایا ہوا ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مصر بھیجا اور فرمایا جس حالت میں عیاض بن غنم ملے اسی حالت میں میرے پاس لاؤ۔

گرمی کا موسم تھا اور مصر مدینہ منورہ سے کافی مسافت پر ہے۔ کچھ دنوں کے بعد پہنچے تو دیکھا کہ واقعی اُنھوں نے باریک کرتا پہنا ہوا تھا۔ کہنے لگے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم ہے تم میرے ساتھ چلو۔ اُنھوں نے کام نائب کے سپرد کیا اور ساتھ چل پڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر فرمایا تم حاکم ہو اور اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ "لوگ بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔" جو کچھ حاکم کرتے ہیں ماتحت بھی وہی کچھ کرتے ہیں۔ تمھیں کس نے کہا ہے کہ باریک لباس پہنو اور یہ سلسلہ جاری کرو لوگوں کو مصیبت میں ڈالو۔ کہنے لگے حضرت! گرمی بڑی تھی۔ فرمایا تم لوگوں کو غلط راستے پر ڈالنا چاہتے ہو۔ ایک موٹا کمبل بکریوں کے بالوں سے بنا ہوا منگوایا۔ اس کو پھاڑ کر کفن کی طرح بنا کر ململ کا کرتا اُتروا کر یہ پہنایا اور فرمایا جب تک میں نہ کہوں یہ کفن نہیں اُتارنا اور جاؤ بیت المال کی بھیڑ بکریوں کو چراؤ جب تک میرا حکم نہ آ جائے۔ یہ قصہ تاریخ میں موجود ہے۔

افسروں کو حکم تھا چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہیں کھانی، برذون اعلیٰ قسم کے گھوڑے پر تم نے سوار نہیں ہونا، باریک لباس نہیں پہننا، امیرانہ وضع قطع نہیں رکھنی۔ جس وقت کوئی غریب آدمی تمھارے پاس آئے تو اس کا کام فوراً کرنا ہے اس کو ٹالنا نہیں ہے۔ اس کی پریشانی کا ازالہ کرنا ہے۔ وہاں تاریخیں نہیں دی جاتی تھیں حکم کی فوراً تعمیل ہوتی تھی۔ آج مسلمانوں کی اچھی چیزیں کافروں نے لے لی ہیں اور کافروں کی ساری بُری چیزیں ہم نے اپنے دامن کے ساتھ باندھ لی ہیں۔ چاہے اس بات کو کوئی مانے یا نہ مانے حقیقت یہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق جنتی ہیں اور جنتی بھی ایسے کہ جن کا محل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود جنت میں دیکھ کر آئے ہیں۔ وقت ختم ہو گیا ہے باقی ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ۔

شانِ صحابہؓ و اہل بیتؓ

خطبہ جمعۃ المبارک ۱۷ر صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

اصحاب سارے اُن کے، دل وجاں کا ہیں قرار
ٹھنڈک ہماری آنکھوں کی اُن کی تمام آل

بعد از خطبہ مسنونہ۔۔۔اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝۲۹

[سورۃ الفتح، آیت: ۲۹، پارہ: ۲۶]

تمہید :

قرآن کریم، چھبیسواں پارہ، سورۃ الفتح کی آخری آیت کریمہ کافی دنوں سے تمھارے سامنے تلاوت ہوتی چلی آرہی ہے اور یہ بات کافی تفصیل کے ساتھ کئی جمعوں میں متواتر سنتے چلے آرہے ہو کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اصولی طور پر دو چیزیں ذکر فرمائی ہیں۔

❀ پہلی چیز: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ کا رسول ہونا قطعی بات ہے اور آپ ﷺ کی رسالت کے ساتھ چند اور عقیدے بھی ضروری ہیں۔ جب تک کوئی شخص آپ ﷺ کی ذات گرامی کے بارے میں ان ساری چیزوں کو ملحوظ نہیں رکھے گا مسلمان نہیں ہوگا۔ تو پہلی چیز کہ

آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

❀ دوسری چیز: کہ آپ ﷺ تمام رسولوں کے خاتم ہیں۔ اگر کوئی شخص آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم کرتا ہے لیکن ختم نبوت کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ ایسے ہی کافر ہے جیسے آپ ﷺ کی رسالت کا منکر کافر ہے۔

❀ تیسری چیز: یہ تسلیم کرنا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔ اگر کوئی شخص آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول بھی تسلیم کرتا ہے اور خاتم النبیین بھی مانتا ہے لیکن یہ کہتا ہے کہ آپ ﷺ سے بڑھ کر بھی کوئی مخلوق میں ہوسکتا ہے۔ وہ ایسے ہی کافر ہے جیسے آپ ﷺ کی نبوت اور ختم نبوت کا منکر کافر ہے۔

بنیادی عقائد میں فرق آنے سے عبادت ضائع ہو جاتی ہے:

یہ سب بنیادی عقائد ہیں۔ اگر ان عقائد میں رتی برابر بھی فرق آ گیا تو یقین جانو! کوئی عبادت قبول نہیں ہوگی کیوں کہ عقیدے میں خلل آ گیا ہے۔ چاہے وہ خلل عقیدہ توحید کے بارے میں ہو یا عقیدہ رسالت کے بارے میں ہو چاہے قیامت کے بارے میں ہو، چاہے تقدیر سے متعلق ہو۔ جس چیز کو عقیدہ کہتے ہیں اگر اس عقیدہ میں خلل آ گیا تو یقین جانو! کوئی عبادت، کوئی نیکی قبول نہیں ہوگی۔

مسئلہ تقدیر:

مسلم شریف صحاح ستہ کی مرکزی کتاب ہے۔ اس میں روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک گہرا دوست تھا۔ بڑا مہربان اور بڑے پیار والا، سادہ

طبیعت اور عقل کا کورا اور پکا مذہبی تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا یہاں میرا کاروبار اچھا نہیں ہے لہٰذا میں شام جانا چاہتا ہوں وہاں کے بارے میں سنا ہے کاروبار اچھے ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا سنو! حدیث پاک میں آتا ہے کہ اَلْمُسْتَشَارُ اَمِیْنٌ "جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔" اگر صحیح مشورہ نہیں دے گا تو خائن ہوگا۔ تم نے مجھ سے مشورہ طلب کیا ہے میرا اسلامی فریضہ ہے کہ میں تجھے صحیح مشورہ دوں۔ اگر میں تجھے صحیح مشورہ نہیں دوں گا تو گناہ گار ہوں گا۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ تم شام نہ جاؤ۔ اس نے کہا کیوں نہ جاؤں؟ کیوں کہ شام کے علاقے میں کچھ بدمذہب لوگ بھی ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جانتے تھے کہ یہ مذہبی آدمی ہے اور ہے اَن پڑھ اور سادہ۔ بندہ اَن پڑھ ہو اور مذہبی جنونی ہو تو خواہ مخواہ پھنس جاتا ہے۔ تو فرمایا میری رائے یہ ہے کہ تو نہ جا۔ کہنے لگا حضرت! میں تمھارا ساتھی ہوں تمھارے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والا ہوں میرے بارے میں بھی تمھیں خطرہ ہے کہ میں بگڑ جاؤں گا۔ فرمایا یہ بات نہ کہو۔ اس لیے کہ ابلیس لعین ہزار ہا سال تک فرشتوں کے ساتھ رہا ہے۔ ساتھ رہنا کوئی دلیل نہیں ہے۔

مکہ مکرمہ میں ابوجہل نہیں رہتا تھا؟ ابولہب نہیں رہتا تھا؟ عقبہ ابن ابی مُعیط نہیں رہتا تھا؟ ان کو مکے میں رہنے سے کیا حاصل ہوا؟ ان ظالموں نے دلوں پر تالے لگا لیے اور عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین مدینہ طیبہ میں ہجرت کے دوسرے تیسرے سال کے بعد گھنٹوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھنے والا تھا پاس بیٹھنے سے کیا حاصل ہوا؟ فرمایا یہ پاس بیٹھنے والا مسئلہ چھوڑو میں تمھیں مجبور تو نہیں کرسکتا لیکن میرا

مشورہ ہے کہ تم شام نہ جاؤ۔ یہاں تم تھوڑا کما اور کھالو گے ایمان تو بچا رہے گا۔ لیکن اس کو جانے کا جنون تھا جیسے: آج کل لوگ بیرون ملک جانے کے لیے جھلے (پاگل) ہوئے پھرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کافی سمجھایا کہ میری بات مان لو یا مجھ سے مشورہ نہ لیتے۔ کہنے لگا میں نے ضرور جانا ہے۔ فرمایا اچھا جاؤ۔ شام کے علاقے میں ایک بد بخت شخص رہتا تھا معبد جہنی۔ اس دور کا بڑا فلسفی، منطقی اور بڑا ادیب تھا۔ لوگوں کو بڑا قابو کرنے والا تھا اور اس کا بڑا حلقہ تھا۔ یہ بھی اس کے حلقے میں جا کر بیٹھ گیا۔ اَن پڑھ ہونے کی وجہ سے اس کا ذہن اتنا پختہ نہیں تھا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہی خطرہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے بھی کہہ دیا کہ تقدیر کوئی شے نہیں ہے۔ اگر پہلے ہی سے رب تعالیٰ نے سب کچھ لکھ دیا ہے تو بندے کا کیا قصور ہے۔ اگر رب تعالیٰ ہی نے لکھ دیا ہے کہ فلاں بندہ چوری کرے گا تو بندہ رب سے تو طاقت ور نہیں ہے کہ چوری نہ کرے۔ جب رب تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ فلاں آدمی گالی نکالے گا، فلاں آدمی شراب پیے گا، فلاں آدمی جوا کھیلے گا تو اب یہ سارے کام ہونے ہیں تو بندے کا کیا قصور ہے؟ اس کو کیوں سزا ہوگی، دوزخ میں کیوں جائے گا؟ گناہ سے تو تب بچتا کہ رب تعالیٰ سے طاقت ور ہوتا۔ اس نے تو وہی کرنا ہے جو پہلے سے رب تعالیٰ نے لکھ دیا ہے۔

اب دیکھو! سطحی ذہن سے تم نے بھی مسئلہ سن لیا ہے اور تمھارے ذہن میں بھی شک پیدا ہو گیا ہو گا چاہے ایمان غالب ہے مگر بات تو مضبوط ہے کہ قلم تقدیر نے سب کچھ لکھ دیا وَجَفَّ الْقَلَمُ "اور قلم خشک ہو گیا ہے۔"

تو اس نے ذہن بنایا کہ تقدیر کوئی شے نہیں ہے پہلے سے کچھ نہیں لکھا ہوا اگر پہلے سے لکھا ہوا ہوتا تو بندہ مکلف نہ ہوتا۔ کہنے لگا اِنَّ الْاَمْرَ اَنُفٌ "پہلے سے کچھ نہیں لکھا ہوا بندہ جو کرتا ہے وہی لکھا جاتا ہے۔" اب مسئلہ بڑا مشکل ہے اور طویل الذیل بھی ہے۔ میں اس مسئلے کی تہہ میں نہیں جانا چاہتا یہ علم کلام کا دقیق مسئلہ ہے۔ ممکن ہے میں صحیح طریقے سے سمجھا نہ سکوں اور تم سمجھ نہ سکو مگر ایک چھوٹی سے بات میں عرض کرتا ہوں کہ رب تعالیٰ نے پہلے سے لکھا ہوا ہے مگر اس عنوان سے کہ بندے کو جو میں نے اختیار دیا ہے وہ اپنے اختیار سے یہ کام کرے گا۔ تو رب تعالیٰ نے اپنے علم کی بنا پر لکھا ہے کہ فلاں بندہ یہ کام کرے گا۔ کیوں کہ اس کا علم ازلی ابدی ہے۔ بس اتنے اختیار میں بندہ مکلف ہے پابند ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مسئلہ تقدیر کو حل کرنا :

حضرت علی رضی اللہ عنہ جمعہ والے دن کوفے میں بیان کر رہے تھے کہ تقدیر کا مسئلہ سامنے آ گیا۔ ایک بندے نے اُٹھ کر کہا مَهْلًا امیر المومنین! ذرا ٹھہر جاؤ مجھے مسئلہ سمجھا دو بندہ مجبور ہے یا مختار؟ اگر بندہ مجبور ہے تو پھر اس پر گناہ کیوں ہے؟ اس نے وہی کرنا ہے جو لکھا ہوا ہے اور اگر مختار ہے تو پہلے سے تقدیر کے مسئلے میں کیوں جکڑا ہوا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ بڑے حاضر دماغ اور حاضر جواب تھے اور ایسے حاضر دماغ کہ مذاق مذاق میں بات کر دیتے تھے اور بات بڑی پختہ ہوتی تھی۔

اس آدمی نے کھڑے ہو کر سوال کیا تھا۔ فرمایا: اِرْفَعْ اِحْدٰی رِجْلَيْكَ "بھائی! اپنا ایک پاؤں اُٹھاؤ۔" اس نے اپنا ایک پاؤں زمین سے اُٹھایا۔ فرمایا اس کو

اُٹھائے رکھو اور دوسرا بھی اُٹھاؤ۔ اس نے کہا یہ نہیں ہو سکتا۔ فرمایا تجھے ایک پاؤں اُٹھانے کا اختیار ہے دونوں کو اُٹھانے کا اختیار نہیں ہے۔ کہنے لگا ہاں! فرمایا رب تعالیٰ نے اتنی ہی تکلیف دی ہے کہ ایک پاؤں اُٹھا سکتے ہو دوسرا نہیں اُٹھا سکتے۔ اس کے تم مکلف نہیں ہو۔ اتنے کے تم مکلف ہو جتنا رب تعالیٰ نے تمھیں اختیار دیا ہے۔

تو رب تعالیٰ نے اپنے علم سے لکھ دیا ہے کہ فلاں آدمی یہ کام کرے گا۔ اس آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو شام سے سلام بھیجا کہ حاجی تم حج پر جا رہے ہو جب حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ آؤ گے اول تو وہ تمھیں حج پر ہی مل جائیں گے۔ اگر وہاں ملاقات نہ سکے تو مدینہ طیبہ پہنچ کر ان کو میرا اسلام کہنا۔ کیوں کہ حج کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی حاضری بھی بڑی سعادت کی بات ہے۔ ہمارے علمائے احناف نے لکھا ہے ابن ہمام وغیرہ نے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضری واجب کی حیثیت رکھتی ہے اور حدیث پاک میں ہے کہ جس شخص نے حج کیا اور میرے روضے پر حاضری نہ دی فَقَدْ جَفَانِیْ "اس نے میرے اُوپر ظلم کیا ہے۔" اور فرمایا جس نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی میں قیامت والے دن اُس کی سفارش کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سن چکے تھے کہ اس شخص کا عقیدہ خراب ہو گیا ہے تقدیر کا منکر ہو گیا ہے۔ قاصد نے تلاش کیا ملاقات ہو گئی بڑی عقیدت کے ساتھ سلام کیا کیوں کہ صحابی تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند تھے۔ کہنے لگا حضرت! میں شام کا باشندہ ہوں۔ شام کے علاقے میں فلاں بن فلاں نے مجھے تاکید

کی تھی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ملنا اور میرا اسلام کہنا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نہ اس کا سلام لینا ہے اور نہ دینا ہے۔ میری اس کی دوستی تھی صرف دینی بَلَغَنِيْ اِنَّهٗ قَدْ اَحْدَثَ "میرے تک یہ بات پہنچی ہے کہ اس نے دین میں بدعتیں گھڑنی شروع کر دی ہیں۔" جب اس نے میرا عقیدہ چھوڑ دیا ہے تو میرا اس کو سلام نہ کہنا۔ جو آدمی پہلے جانتے تھے وہ بڑے حیران ہوئے اور کہنے لگے حضرت! وہ تو آپ کا بڑا گہرا دوست تھا۔ آپ کے پاس اُٹھتا بیٹھتا تھا۔ فرمایا اس نے تقدیر کا انکار کر دیا ہے اور فرمایا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں خود موجود تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی آدمی اُحد پہاڑ سونے کا خرچ کرے اور تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا اللہ تعالیٰ اُحد پہاڑ سونے کا بھی قبول نہیں کرے گا۔ (اور یہ روایت تقریباً پندرہ سولہ صحابہ کرام سے مروی ہے)۔ اس لیے جب عقیدہ خراب ہے تو اُحد پہاڑ سونے کا خرچ کرنے کا کیا فائدہ ہوگا۔

حدیث جبریل :

پھر آگے حدیث سنائی کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص آیا اس نے سفید لباس پہنا ہوا تھا اس کے بال سفید تھے لَمْ يُرٰى عَلَيهِ اثرِ سفر "سفر کا کوئی نشان اس پر نظر نہیں آتا تھا۔" اور ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا بھی نہیں تھا۔ حالاں کہ انصار بھی بیٹھے تھے اور مہاجرین بھی، شہری بھی اور دیہاتی بھی۔ اس نے آ کر سلام کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں کے ساتھ گھٹنے ملا کر بیٹھ گیا اور اپنے ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھ دیے۔ ہم بڑے حیران ہوئے کہ بڑا عجیب قسم کا آدمی ہے اس کو ادب واحترام بھی ملحوظ نہیں۔ پھر اس نے سوال شروع کر دیے۔

کہنے لگا حضرت! یہ بتلاؤ مَا الْاِیْمَانُ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰئِکَتِهٖ وَ کُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَالْقَدْرِ خَیْرِهٖ وَ شَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ۔ ایمان مفصل آپ ﷺ نے بیان فرمایا۔ پھر اس نے سوال کیا مَا الْاِسْلَامُ اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم پانچ نمازیں پڑھو، رمضان کے روزے رکھو، حج کرو، زکوٰۃ دو۔ پھر اس نے سوال کیا مَا الْاِحْسَانُ احسان کیا ہے؟ فرمایا احسان یہ ہے کہ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَاَنَّكَ تَرَاهُ کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کر گویا کہ تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ پھر اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ رب تعالیٰ کی عبادت ایسے کرو کہ تم آنکھوں سے رب تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ اگر (استحضار کا) یہ درجہ تم کو حاصل نہیں تو پھر یقین جانو! رب تم کو دیکھ رہا ہے۔

چوتھا سوال کیا متی الساعة؟ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ "جیسے پوچھنے والے کو قیامت کا صحیح وقت معلوم نہیں ہے اسی طرح جس سے پوچھا جا رہا ہے اس کو بھی قیامت کا صحیح وقت معلوم نہیں ہے۔" فرمایا فِیْ خَمْسٍ لَا یَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ "یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔"

ایک دن گزر گیا دوسرا دن گزر گیا تیسرا دن گزرا آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا عمر! وہ جو تین دن پہلے آیا تھا اور اس نے مختلف سوال کیے تھے فرمایا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ "اس رب کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مَا جَاءَنِیْ جِبْرِیْلُ قَطُّ اِلَّا وَ قَدْ عَرَفْتُهٗ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ هٰذِهٖ

اَلْمَرَّةَ جب بھی جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے ہیں میں ان کو پہچانتا تھا مگر اس مرتبہ نہیں پہچان سکا۔" اب تیسرے دن کے بعد مجھے پتا چلا ہے کہ وہ جبرئیل تھے اور تمھیں دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔ تو اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں اَلْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ جب تک تقدیر پر ایمان نہیں رکھے گا یقین جانو! اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر دے رب تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوگا۔ جب تک عقیدہ درست نہیں ہوگا کوئی نیکی قبول نہیں ہوگی۔ نہ نماز، نہ روزہ، نہ حج، نہ زکوٰۃ، نہ قربانی، نہ صدقہ، نہ خیرات۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا، خاتم النبیین ہونا، ساری کائنات سے اعلیٰ اور افضل ہونا، تمام انبیائے کرام کا امام ہونا، یہ ساری چیزیں بنیادی عقائد ہیں۔ اگر کسی آدمی کے یہ عقائد نہیں ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ تو آیت کریمہ کے پہلے حصے میں ذکر تھا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے حصے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درجات کا ذکر ہے وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بڑے سخت ہیں آپس میں بڑی شفقت کرنے والے ہیں تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا تم دیکھو گے ان کو رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا تلاش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فضل اور رضا۔ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان اوصاف کے ساتھ متصف تھے لیکن پہلے درجے میں ابوبکر صدیق، عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان تمام بزرگوں کی منقبت، فضیلت، درجہ، شان، مسلسل کئی جمعوں میں بیان ہوا ہے۔ آج حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے متعلق کچھ بیان ہوگا۔

اہلِ بیت کا اولین مصداق :

اہل بیت کا اوّلین مصداق آنحضرت ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں۔ اہل کا معنٰی ہے والا اور بیت کا معنٰی ہے گھر۔ اہل بیت کا معنٰی ہوگا گھر والا۔ تو گھر والے پہلے بیوی ہے پھر بچے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس انسانی شکل میں فرشتے آئے بڑے معزز اور محترم۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچھڑا ذبح کیا، کھال اُتاری، گوشت بنا کر گھر والی بی بی سارہ علیہا السلام کو دیا کہ اس کو بھون دو۔ حنیذ کا معنٰی ہے پانی کے بغیر بھوننا پانی نہ ڈالنا اور سَمِیْن کا معنٰی ہے گھی ڈال کر خوب تلنا (یعنی اس کو روسٹ کرو)۔ کھانا تھال میں رکھ کر مہمانوں کو پیش کیا اور بی بی پردے کے پیچھے کھڑی ہوگئی کہ کسی چیز کا اشارہ کریں گے تو میں لادوں گی پردے کے پیچھے سے۔ وہ تو فرشتے تھے حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام، حضرت اسرافیل علیہ السلام۔ تین [۳] تھے، چھ [۶] تھے یا بارہ [۱۲] تھے عَلٰی اختلاف الروایات۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگ گئے کہ ہمارے ساتھ کیا مذاق بن گیا ہے۔ کیوں کہ فرشتے نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں ان میں کوئی جنسی خواہش نہیں ہوتی۔ نہ وہ سوتے ہیں، نہ تھکتے ہیں، رات دن اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں مشغول ہیں۔

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا :

لیکن یہ بھی یاد رکھنا! کہ فرشتوں کی عبادت سے انسانوں کی عبادت کا درجہ دگنا ہے چاہے مرد ہوں یا عورتیں۔ بے شک فرشتے معصوم ہیں مگر عبادت انسانوں کی وزنی ہے۔ اس لیے کہ فرشتوں کے ساتھ پیٹ نہیں ہے، کوئی خواہش نہیں ہے، تھکنا

نہیں ہے، وہ عبادت کریں تو اتنا درجہ نہیں ہے جتنا پیٹ والا کرے۔ جس نے حلال حرام کی تمیز کرنی ہے، نیند پر غلبہ پا کر مال دار ہوتے ہوئے ٹھنڈے پانی سے وضو کرے کہ عبادت کرنی ہے اس کی عبادت کا لطف ہی الگ ہے۔ اور جس نے ایک دفعہ وضو کیا اور عمر بھر وضو ہی رہا، نہ ٹوٹا نہ کیا۔ بات سمجھ آ رہی ہے نا۔ یاد رکھو! فرشتے طاہر ہیں مطاہر ہیں ہمیشہ سے پاک ہیں۔ ان کو نہ ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے کا مسئلہ ہے اور نہ نیند کا مسئلہ ہے۔ لہٰذا وہ انسان کی عبادت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ انسان کی پانچ منٹ کی عبادت اور فرشتے کی سو سال کی عبادت برابر ہے۔

تو خیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تلا ہوا بچھڑا لا کر ان کے سامنے رکھا مگر وہ کھانے کی طرف ہاتھ بڑھا ہی نہیں رہے قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ بولے تم کھاتے کیوں نہیں ہو؟ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً [الذاریات:۲۷ - ۲۸] پس محسوس کیا ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کچھ خوف کہ معلوم نہیں دشمن ہیں اس لیے نہیں کھا رہے۔ فرشتے بول پڑے، کہنے لگے میں جبرئیل ہوں، یہ میکائیل ہے، یہ اسرافیل ہے فَضَحِكَتْ بی بی سارہ علیہا السلام پردے کے پیچھے ٹھاہ ٹھاہ کر کے ہنس پڑی کہ ہم نے کیا سمجھا تھا اور نکلا کیا اور سامنے آ گئیں۔ کیوں کہ فرشتوں سے پردے کا معنٰی ہی کوئی نہیں۔

فرشتوں نے کہا ہم تمھیں لڑکے کی بشارت دینے آئے ہیں کہ رب تعالیٰ تمھیں لڑکا دیں گے جس کا نام اسحاق ہوگا وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ [ہود:۷۱] اور آپ کی زندگی میں آپ کا پوتا یعقوب بھی پیدا ہوگا، علیہم السلام۔ بی بی نے تعجب سے

فَصَكَّتْ وَجْهَهَا [الذاریات:۲۹] ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا [ہود:۷۲] میں بچہ جنوں گی بوڑھی ننانوے سال کی اور خاوند میرا ایک سو بیس سال کا بوڑھا ہمارے گھر بچہ ہوگا؟ فرشتوں کہنے لگے اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ کیا تعجب کرتی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم پر رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ [ہود:۷۳] اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں ہیں تم پر اے اہل بیت۔ سلام ہو تم پر نبی کے گھر والو! اللہ تعالیٰ کے حکم پر تعجب کا کیا معنیٰ؟ اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ جس نے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا، جس نے حضرت حوا علیہا السلام کو آدم کی پسلی سے پیدا کیا، جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا وہ تم بوڑھوں کو اولاد نہیں دے سکتا۔

اب یہاں گھر میں حضرت سارہ علیہا السلام کے سوا اور کوئی نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو اہل بیت کہا ہے۔ تو اہل بیت کا اوّلین مصداق بیوی ہے اور یہ لفظ تم بھی استعمال کرتے ہو۔ مثلاً: تمھارے کسی دوست کی شادی ہوئی دو چار دن بعد تم ملے اس سے پوچھا گھر والوں کا کیا حال ہے؟ اب دو چار دنوں میں بچہ تو نہیں پیدا ہو گیا کہ گھر والوں سے تم بچہ مراد لو۔

امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے متعلق اہم مسائل کی وضاحت :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات گیارہ تھیں۔ دو نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں وفات پائی، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب ام المساکین رضی اللہ عنہا۔ نو بیویاں اور دو لونڈیاں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت

ریحانہ رضی اللہ عنہا، یہ گیارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک زندہ رہی ہیں۔ یہ اہل بیت کا اوّلین مصداق ہیں۔اور قرآن پاک میں آتا ہے وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ [الاحزاب:٦] "پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔" کس بات میں مائیں ہیں؟ مائیں اس بات میں ہیں کہ ان کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔ جیسے: ماں کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔ باقی رہا مسئلہ وراثت کا کہ ماں مرجائے تو بیٹے کو وراثت ملتی ہے، بیٹی یا بیٹا مر جائے تو ماں کو وراثت ملتی ہے لیکن ازواجِ مطہرات کی وراثت امتیوں میں سے کسی کو نہیں مل سکتی اور نہ وہ امتیوں میں سے کسی کی وارث بن سکتی ہیں۔

اسی طرح یہ بھی سمجھ لیں کہ ماں کی لڑکی کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے چاہے ماں حقیقی ہو یا سوتیلی ہو۔ کیوں کہ وہ حقیقی بہن ہوگی یا سوتیلی بہن ہوگی۔ لیکن ازواجِ مطہرات کی بیٹیوں کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مومنین میں سے ہیں اور ازواجِ مطہرات ان کی بھی مائیں ہیں لیکن ان کی بیٹیوں کے ساتھ نکاح ہوا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا اور حضرت رقیہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا اور ان کی وفات کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ تو جس معنٰی میں قرآن نے مائیں کہا ہے اسی معنٰی میں مائیں ہیں۔

پردے کے مسئلے میں بھی مائیں نہیں ہیں۔ حقیقی ماں سے پردہ نہیں ہے، سوتیلی ماں سے پردہ نہیں ہے مگر ازواجِ مطہرات سے پردہ بھی تھا۔ ترمذی شریف اور ابو داؤد شریف میں روایت ہے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کی دو

بیویاں بیٹھی ہوئی تھیں، حضرت میمونہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما۔ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کون ہے؟ اور یاد رکھنا! جب کوئی دروازہ کھٹکھٹائے اور پوچھنے والا پوچھے کہ کون ہے اور وہ جواب میں کہے میں ہوں۔ یہ درست نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے کہا اَنَا "میں ہوں"۔ فرمایا "میں ہوں" چور بھی کہہ سکتا ہے، ڈاکو بھی کہہ سکتا ہے "میں ہوں"۔ نام بتلاؤ کون ہو؟ لہٰذا نام بتلانا چاہیے کہ میں فلاں ہوں۔ حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ نام بتلاؤ۔

خیر اُس نے کہا کہ میں عبد اللہ بن عمرو بن ام مکتوم ہوں۔ فرمایا اچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں سے فرمایا قُوْمَا اِحْتَجِبَا "اُٹھو پردہ کرلو" بیویوں نے کہا حضرت! اَلَيْسَ هُوَ رَجُلٌ اعمٰی "کیا یہ آدمی نابینا نہیں ہے۔" اس کو کیا نظر آئے گا؟ چوں کہ برادری کا آدمی تھا اور دونوں بیویاں مکہ مکرمہ کی باشندہ تھیں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بھی اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَفَعُمْيَاوَانِ اَنْتُمَا "کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟" اُٹھو پردہ کرو۔

تو ازواجِ مطہرات پردے کے مسئلے میں بھی مائیں نہیں ہیں۔ صرف ایک مسئلے میں مائیں ہیں کہ ان کے ساتھ نکاح حرام ہے اور احترام اور تعظیم میں۔

تو اہلِ بیت کا اوّلین مصداق ازواجِ مطہرات ہیں۔ الحمد للہ تعالیٰ! یہ فخر اور شرف صرف ہم اہل سنت والجماعت کو حاصل ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بشمول ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے عقیدت اور محبت ہے، اعتقاد ہے، اعتبار ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت میں اولاد بھی شامل ہے :

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد بھی شامل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بالاتفاق چار صاحب زادیاں تھیں۔لڑکوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ کتنے ہیں؟ دولڑکے یقینی ہیں۔ایک حضرت قاسم جن کے نام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ہے ابوالقاسم اور ایک حضرت ابراہیم، اٹھارہ مہینے کی عمر میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ان دو کے بارے میں کوئی شک شبہ نہیں ہے اور باقی ایک نام عبداللہ آتا ہے، ایک طیب آتا ہے اور ایک طاہر آتا ہے۔بعض محدثین، مؤرخین فرماتے ہیں کہ ان کے الگ الگ وجود ہیں۔لیکن بعض کہتے ہیں عبداللہ کا وجود ہے اور طیب، طاہر اس کے لقب ہیں۔

بیٹیوں کے بارے میں اہل سنت کی کتابوں میں بھی تصریح ہے اور شیعوں کی کتابوں میں بھی تصریح ہے کہ چار ہیں۔حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم، حضرت زینب اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن۔سب کے ساتھ عقیدت، محبت ہمارے ایمان کا جز ہے۔حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح دو دو دفعہ ہوا ہے۔پہلے ابولہب کے دو بیٹوں کے ساتھ، تفصیل میں عرض کر چکا ہوں۔انھوں نے طلاق دے دی پھر یکے بعد دیگرے ان کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا لیکن اولاد ان میں سے نہیں ہوئی۔تیسری بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص بن ربیع مقسم کے ساتھ ہوا۔ اس وقت کافر مسلمان کا نکاح جائز ہوتا تھا۔بعد میں یہ مسلمان ہو گئے اور تجدید نکاح ہوا۔ان کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام اُمامہ تھا۔حدیث پاک میں آتا

ہے کہ آنحضرت ﷺ جب نماز کے لیے آتے تھے تو یہ آپ ﷺ کی نواسی بھاگ کر آپ ﷺ کو چمٹ جاتی تھی۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ آپ ﷺ کھڑے ہوتے تو اس نے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوتے، لٹکی ہوتی۔ آپ ﷺ اطمینان سے نماز پڑھتے ہوتے تھے۔ جب آپ ﷺ رکوع، سجود میں جاتے تو یہ نیچے بیٹھ جاتی۔ جب یہ جوان ہوئی تو یحییٰ نام کا ایک لڑکا پیدا ہوا اور وہ بھی فوت ہو گیا۔ تو تین بیٹیوں کی نسل دنیا سے ختم ہو گئی۔ نسل صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دنیا میں چلی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضرت زینب رضی اللہ عنہا، پھر آگے سلسلہ چلا۔

تو آپ ﷺ کی اولاد بھی اہل بیت میں شامل ہے اور ان کے ساتھ محبت، عقیدت ہمارے ایمان کا جز ہے۔ اور بخاری شریف کی روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ "فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے۔" ہمارا ایمان ہے ہماری اہل سنت والجماعت کی ان کے ساتھ عقیدت و محبت خالی اندھی عقیدت نہیں ہے کہ کچھ نظر آئے اور کچھ نظر نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ آنکھوں والوں کی عقیدت ہے دلائل کے ساتھ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ بیمار تھے بیماری کی حالت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں، ان کے چلنے کا انداز وہی تھا جو آنحضرت ﷺ کے چلنے کا انداز تھا، آکر بیٹھ گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے کان میں کوئی بات کہی تو رو پڑیں۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر آپ ﷺ نے ان کے کان میں کوئی بات کہی تو ہنس پڑیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں حیران ہوئی کہ

پہلے رو پڑیں پھر ہنسنے لگ گئیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا عمر میں بڑی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عمر میں چھوٹی تھیں۔ لیکن درجے میں یہ ماں ہے اور وہ بیٹی ہے۔ ان کو الگ کر کے کہا فاطمہ! میں تیری ماں ہوں؟ انھوں نے کہا ہاں بالکل۔ فرمایا بتاؤ کہ روئی کیوں اور ہنسی کیوں؟ کہنے لگیں یہ بات نہیں بتانی سِرّ رسول اللہ ﷺ۔ "یہ آنحضرت ﷺ کا راز ہے" میں آپ ﷺ کا راز افشا نہیں کروں گی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی اصرار نہ کیا۔

تھوڑے دن گزرے آنحضرت ﷺ کا انتقال ہو گیا دنیا سے تشریف لے گئے۔ کچھ دن گزرے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا فاطمہ! اب بتلاؤ وہ قصہ کیا تھا؟ کہنے لگیں ہاں! اب بتلاتی ہوں۔ پہلے آنحضرت ﷺ نے میرے کان میں فرمایا کہ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ میں دنیا سے جانے والا ہوں۔ یہ الفاظ سنے تو میں رو پڑی۔

دلوں کی سختی کا علاج:

قدرتی طور پر موت صدمے کی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی موت کو سمجھ لے تو کسی بُرے کام کے قریب نہ جائے اور کوئی نیکی کا کام نہ چھوڑے مگر ہم نے تو موت کو بھلا دیا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: اَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتَ "لذتوں کو ختم کرنے والی چیز موت کو کثرت کے ساتھ یاد کیا کرو" ہر وقت موت کو پیشِ نظر رکھو۔ مگر معاف کرنا ہمیں تو جنازے کے وقت بھی موت یاد نہیں ہوتی۔ قبرستان میں چلتے پھرتے بھی سگریٹ لگائے ہوئے ہوتے

ہیں۔ ہمارا ہنسی مذاق وہاں بھی ویسے ہی ہوتا ہے جیسے باہر ہوتا ہے۔ کیا مجال ہے کہ موت کا کچھ اثر ہم پر ہو جائے۔ دل اتنے سخت ہو گئے ہیں۔

یاد رکھو! دلوں کی سختی کا علاج بھی ضروری ہے۔ قساوتِ قلبی یعنی جب دل سخت ہو جائے تو بندہ اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے۔ دل میں جتنی رقت پیدا ہو گی رب تعالیٰ کا قرب نصیب ہو گا۔ ہمارے ذہنوں میں شیطان نے وسوسہ ڈالا ہوا ہے کہ پہلے دوسروں نے مرنا ہے پھر میں نے مرنا ہے۔ اس بحث میں ترمیم کرو یہ ذہن بناؤ کہ پہلے ہم نے مرنا ہے پھر اوروں نے مرنا ہے۔ دوسروں کا نمبر بعد میں ہے۔ اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب تم نماز پڑھو تو آخری سمجھ کر پڑھو کہ یہ میری آخری نماز ہے رب جانے اس کے بعد مجھے موقع ملے یا نہ ملے۔ جب یہ ذہن بنے گا تو خدا خوفی بھی آئے گی، نیکی کا جذبہ پیدا ہو گا اور بدی کرنے سے باز آ جاؤ گے۔

تو خیر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کان میں فرمایا کہ فاطمہ میں قرینے سے یہ سمجھا ہوں کہ میں دنیا سے جانے والا ہوں۔ یاد رکھنا! موت کے وقت کا رب تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں ہے۔ قرینہ کیا ہے؟ فرمایا اس سے پہلے جبرئیل میرے ساتھ رمضان المبارک میں قرآن پاک کا ایک دور کرتے تھے اس دفعہ رمضان المبارک میں دو دور کیے ہیں۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ میں دنیا سے جانے والا ہوں۔ روایت بخاری شریف کی ہے قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلِیْ "میرے جانے کا وقت قریب آ گیا ہے۔" تو جب میں نے سنا تو رو پڑی۔ اب چوں کہ دنیا سے جا چکے ہیں اس لیے میں نے بتلا دیا ہے۔ دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے میرے کان میں فرمایا کہ فاطمہ! ان شاء اللہ تعالیٰ میرے اہل خانہ میں سب سے پہلے تم مجھے آکر ملو گی اور اے فاطمہ! تم جنتی عورتوں کی سردار ہو گی یہ رب تعالیٰ کی طرف سے مجھے بتلایا گیا ہے۔ تو میں ہنس پڑی کہ الحمد للہ! آپ ﷺ سے جدائی ہے مگر تھوڑی دیر میں آپ کے پاس پہنچ جاؤں گی۔ آنحضرت ﷺ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے پورے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا اور آپ ﷺ کو جا ملیں آخرت میں جنتی عورتوں کی سردار ہیں یہ کوئی چھوٹا عہدہ نہیں ہے بہت بڑا عہدہ ہے۔ ہمارا ایمان ہے، عقیدہ ہے، ہم نے کوئی تقسیم نہیں کی۔ الحمد للہ! اہل بیت کے ساتھ بھی ہماری عقیدت ہے۔

تسبیح فاطمہ:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چکی پیسنے کی وجہ سے ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھالے دیکھے کہ آٹا گوندھنا بھی مشکل، کوئی چیز پکڑنا بھی مشکل۔ کہنے لگے فاطمہ! تجھے ایک بات کہتا ہوں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں بتاؤ کیا بات ہے؟ فرمایا آنحضرت ﷺ کے پاس کچھ لونڈیاں آئی ہیں تم جاؤ اور اپنے ہاتھ دکھاؤ کوئی لونڈی خدمت کے لیے عنایت ہو جائے گی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طبیعت سوال سے بڑی ہچکچاتی تھی مگر خاوند کا حکم سمجھ کر کوئی قیل و قال نہیں کی۔ بعض دفعہ آدمی دوسرے کے ادب و احترام کی وجہ سے اپنی رائے چھوڑ دیتا ہے۔ بادلِ نخواستہ، دل نہ چاہتے ہوئے بھی چلی گئیں۔ اتفاقاً آپ ﷺ گھر تشریف فرما نہیں تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا گھر تھیں۔ پوچھا کیسے آئی ہو؟ کہنے لگیں امی سے کیا چھپانا ہے یہ

دیکھو میرے ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے ہیں چکی پیسنے کی وجہ سے اور مجھے میرے آقا نے بھیجا ہے۔ آپ کے پاس کچھ لونڈیاں اور غلام آئے ہیں جا کر ہاتھ دکھاؤ تا کہ تمھیں بھی کوئی لونڈی مل جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اچھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو میں پیغام پہنچا دوں گی تمھیں دوبارہ آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی جانتی تھیں کہ یہ سوال کرنے سے گریز کرتی ہیں مجبوری سے آئی ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کہنے پر۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیر سے آئے ان کے سامنے مسئلہ پیش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ عشاء کی نماز ہو چکی تھی یہ سو چکے تھے۔ سردی کا موسم تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے پاؤں رضائی کے اندر کرنے ہیں۔ چنانچہ پاؤں رضائی کے اندر کر کے بیٹھ گئے۔ فرمایا فاطمہ مجھے یہ پیغام پہنچا ہے لیکن بیٹی میں تمھیں خادم اور خادمہ سے اچھا سودا نہ بتلا دوں۔ جب تم فرض نماز پڑھ چکو تو تینتیس [۳۳] مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس [۳۳] مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس [۳۴] مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو یہ لونڈی سے بہتر ہے۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لونڈی غلام دے سکتے تھے لیکن قصداً نہیں دیئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں غریب عورتیں بھی ہوں گی جو ہاتھ سے کام کریں گی تو ان کے لیے نمونہ ہو کہ پیغمبر کی بیٹی ہاتھ سے کام کرتی تھی۔ ہاتھ سے کام کرنے کو عیب نہ سمجھیں کہ جنتی عورتوں کی سردار اپنے ہاتھ سے چکی پیستی ہے اور ہاتھ پر چھالے پڑ جاتے ہیں تو ہم کون ہیں۔

تو فرمایا بیٹی یہ پڑھا کرو اور ہاتھ سے کام کرو۔ اور مسئلہ یاد رکھنا! فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ گھر کے جو کام ہیں حتیٰ کہ بچوں کا پیشاب پاخانہ دھونا، کپڑے دھونا، جھاڑو پھیرنا، ہنڈیا صاف کرنا نفلی نماز پڑھنے سے اس کا ثواب زیادہ ہے۔ یہ بھی مسلمان کی ایک نیکی ہے۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اہل بیت میں سے ہیں اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن بھی۔ الحمد للہ! ہم سب کے ساتھ عقیدت رکھتے ہیں اور سب کے نقشِ قدم پر چلنے کو سعادت سمجھتے ہیں۔ ان شاء اللہ باقی مضمون آئندہ آئے گا۔

اصحابِ رسول ﷺ

خطبہ جمعہ المبارک ۲۴ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

دنیا و آخرت میں اُنھیں ذلتیں ملیں
جن کو نہ پاسِ حرمتِ آلِ نبیؐ ہوا

خطبہ مسنونہ کے بعد۔۔۔

فاعوذباللہ من الشیطٰن الرجیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ تَرٰىہُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانًا ۫ سِیۡمَاہُمۡ فِیۡ وُجُوۡہِہِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ؕ ذٰلِکَ مَثَلُہُمۡ فِی التَّوۡرٰىۃِ ۚۖۛ وَ مَثَلُہُمۡ فِی الۡاِنۡجِیۡلِ ۚ۟ۛ کَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـَٔہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰی عَلٰی سُوۡقِہٖ یُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیۡظَ بِہِمُ الۡکُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡہُمۡ مَّغۡفِرَۃً وَّ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۲۹﴾

[سورۃ الفتح، آیت:۲۹، پارہ:۲۶]

و قال اللہ تعالی وَ اِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَہۡلِکَ تُبَوِّیُٔ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ مَقَاعِدَ لِلۡقِتَالِ ؕ وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ [آل عمران:۱۲۱]

تمہید:

کافی تفصیل کے ساتھ یہ بات بیان ہو چکی ہے اور تم سن چکے ہو کہ صحابی اُسے کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کی ہو چاہے آنکھوں کے ساتھ دیکھا یا آپ ﷺ کی مجلس میں باتیں سنی ہوں۔ آپ ﷺ کے ساتھ اُٹھا بیٹھا ہو، آپ ﷺ کے جھنڈے کے نیچے کافروں کے ساتھ جنگ کی ہو چاہے بات نہ کی ہو صرف دیکھا ہو اور ایمان کی حالت میں دنیا سے

چلا گیا ہو مرد ہے یا عورت، یہ صحابی ہے۔ عورتوں کا بھی صحابی ہونے کے لحاظ سے وہی درجہ ہے جو مردوں کے صحابی ہونے کا ہے۔

صغار صحابہ :

اس میں وہ بچے بھی شامل ہیں کہ جن کو شعور تھا یہ سمجھتے تھے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ ان کو علماء کی اصطلاح میں صغار صحابہ کہا جاتا ہے یعنی صحابہ کی چھوٹی پود۔ ان میں حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، محمود بن لبید، محمود بن ربیعہ، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہم جیسی شخصیات ہیں۔ کسی کی عمر پانچ سال تھی، کسی کی عمر چھ سال تھی، کسی کی سات سال تھی، کسی کی آٹھ سال تھی اور کسی کی عمر دس سال تھی۔

اس زمانے کے بچے ہمارے بچوں کی طرح نہیں تھے۔ ہمارے تو اچھے بھلے نوجوان بھی نماز کو نہیں جانتے، قرآن نہیں جانتے۔ اس وقت ذوق شوق کا یہ عالم تھا کہ آٹھ دس سال، بارہ سال کے بچے قرآن کریم کے حافظ ہوتے تھے۔ بعض بچے زمین پر چلتے ہوئے نظر نہیں آتے تھے کہ یہ حافظ ہیں لیکن وہ حافظ ہوتے تھے۔ وہ چھوٹے بھی سمجھتے تھے کہ ہم کون ہیں، ہمارے ماں باپ کون ہیں، آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کیا ہے، ہمارے بڑے کیا کرتے ہیں، ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

معصوم بچی اور محبت رسول :

تم اس سے اندازہ لگاؤ کہ چھوٹی سی بچی اُمّ خالد جو مشکل سے کھڑی ہو سکتی تھی اس کے سامنے گھر والے ذکر کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے دونوں کندھوں

کے درمیان گردن مبارک پر گوشت کا اُبھرا ہوا ٹکڑا ہے جو ختم نبوت کی مہر ہے۔ یہ اُم خالد بیمار ہوئی اس کے والد اس کو اُٹھا کر آنحضرت ﷺ کے پاس لے گئے کہ حضرت! اس کو دم کر دو۔ بچی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑی ہو گئی والد نے گھورا مگر وہ پیچھے نہ ہٹی۔ آپ ﷺ کی قمیص کا اُوپر والا بٹن کھلا رہتا تھا۔ یہ چھوٹی سی بچی نا سمجھ آپ ﷺ کی گردن سے کپڑا اُتار کر مہر نبوت تلاش کرنے لگی۔ والد نے اشارہ کیا نہ کرو۔ اس نے کہا میں کچھ دیکھتی ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کو نہ روکو۔ چھوٹی سی نا سمجھ بچی ختم نبوت کی مہر تلاش کرتی ہے ذوق شوق کا اندازہ لگاؤ۔

گوشت کے ٹکڑے پر چند بال تھے لکھا ہوا کچھ نہیں تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کچھ روایات نقل کی ہیں جن میں کسی نے لکھا ہے کہ سبحان اللہ لکھا ہوا تھا، کسی میں ہے کہ کلمہ لکھا ہوا تھا، کسی میں کچھ ہے اور کسی میں کچھ ہے۔ پھر روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں لَا یَصِحُّ شَیْءٌ مِّنْهَا "ان میں ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔" بس اتنا ہے کہ ختم نبوت کی مہر تھی۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا واقعہ :

اور آپ ﷺ کی یہ علامت پہلی کتابوں میں لکھی ہوئی تھی کہ دو کندھوں کے درمیان ختم نبوت کی مہر ہو گی۔ اسی کو دیکھ کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تھے۔ یہ پہلے عیسائی تھے اور اپنے بزرگوں سے سنا تھا کہ آپ ﷺ کی تین نشانیاں ہوں گی۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ صدقہ نہیں لیں گے۔ دوسری یہ کہ ہدیہ رد نہیں کریں گے۔ تیسری یہ کہ نبوت کی مہر دونوں کندھوں کے درمیان ہو گی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک یہودی کے باغ میں کام کرتے تھے بڑی دیانت داری کے ساتھ۔ مالک ان سے اتنا خوش تھا کہ اپنے بھائیوں اور بیٹوں پر بھی اتنا اعتماد نہیں کرتا تھا جتنا اعتماد ان پر کرتا تھا۔ نہ آدمی کی دیانت داری چھپی رہتی ہے اور نہ بد دیانتی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو اُنھوں نے اپنے مالک سے کہا کہ مجھے تھوڑی سی کھجوروں کی اجازت دے دو میں نے کہیں لے کر جانی ہیں۔ اُس نے کہا بڑے شوق سے جتنی چاہیں لے جائیں۔ جاتے ہوئے اس کو احتیاطاً بتلایا کہ میں اتنی کھجوریں لے کر جا رہا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ کرام بھی تشریف فرما تھے۔ یہ کھجوریں لے کر گئے اور کہنے لگے حضرت! یہ صدقہ ہے آپ کے لیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّا لَا نَاْکُلُ الصَّدَقَۃَ ہم جو پیغمبر ہیں ہم صدقہ نہیں کھاتے یہ لوگوں کے مال کا میل کچیل ہے۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ ﷺ۔ زکوٰۃ، نذر، منت، عشر، فطرانہ، کفارہ، کوئی چیز نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے لیے حلال تھی۔ اس کو اَوْسَاخُ النَّاس فرمایا۔ لوگوں کے مال کا میل کچیل۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا معرف غریب، مسکین لوگ ہیں، یہ کھائیں گے۔

اور مسئلہ یاد رکھنا! لوگوں میں عموماً رواج ہے کہ کسی کے مرجانے کے بعد صدقہ خیرات کرتے ہیں۔ صدقہ خیرات اچھی چیز ہے مگر اس کے لیے چند شرائط ہیں۔ ایک شرط یہ ہے کہ میت کے مشترکہ مال میں سے نہ ہو یعنی ایک آدمی فوت ہو گیا ہے اس کے وارث بالغ بھی ہیں اور نابالغ بھی ہیں تو ایسے مشترکہ مال میں سے صدقہ

خیرات بالاتفاق حرام ہے۔ ہاں! تقسیم کے بعد کوئی وارث اپنے حصے میں سے صدقہ خیرات کرے درست اور صحیح ہے لیکن دنوں کی تعیین بھی صحیح نہیں ہے کہ تیسرے دن کرنا ہے یا ساتویں دن کرنا ہے یا دسویں دن کرنا ہے یا چالیسویں دن کرنا ہے۔ یہ سب بدعات ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھنا کہ فطرانہ دینے والے کے لیے نفلی صدقہ کھانا مکروہ ہے۔ یہ بات ضمناً آ گئی ہے کہ امیر آدمی کے لیے اور امیر، شریعت میں اُسے کہتے ہیں جو فطرانہ ادا کر سکتا ہو۔ ایسے شخص کے لیے نفلی صدقہ مکروہ ہے اور واجب قسم کا صدقہ، زکوٰۃ، نذر، منت، عشر وغیرہ حرام ہے۔ اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اتفاقی مسئلہ ہے۔

دوسرے دن پھر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کھجوریں لے کر آئے اور کہنے لگے حضرت! یہ آپ کے لیے ہدیہ ہے، تحفہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے کر ایک آدھ دانہ خود کھایا اور فرمایا باقی ساتھیوں میں تقسیم کر دیں۔ پھر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اُٹھ کر دیکھنے لگ گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھ لیا کہ یہ ختم نبوت کی مہر دیکھنا چاہتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیچے والا بٹن کھول کر فرمایا کہ دیکھ لیں۔ انھوں نے دیکھ کر ساتھ ہی کلمہ پڑھ لیا، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

تو خیر میں دور چلا گیا عرض کر رہا تھا کہ صحابی اُسے کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو اور ایمان کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوا ہو چاہے چھوٹا ہو، بڑا ہو، بوڑھا ہو، جوان ہو، مرد ہو یا عورت۔ ازواج مطہرات کو دُگنا شرف حاصل ہے، صحابیت کے ساتھ ساتھ زوجیت کا بھی۔ اہل بیت کو بھی دُگنا شرف

حاصل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہونے کا بھی اور صحابیت کا بھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد ہے۔ اس لحاظ سے تمام مومن قیامت تک آنے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل میں داخل ہیں۔ جب ہم درود پڑھتے ہیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ علمائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں قیامت تک آنے والے تمام صحیح مسلمان داخل ہیں۔ چاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل میں سے ہیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل میں سے نہیں ہیں۔ اور ایک اصطلاحی آل ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل میں سے ہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد۔ دوسری بیٹیوں کی اولاد تو آگے نہیں چلی۔ گزشتہ جمعہ تم تفصیل کے ساتھ سن چکے ہو۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے اہل بیت ہونے پر دلائل :

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہم اہل سنت والجماعت ہیں ہمارے دلوں میں تمام صحابہ کرام، تمام اہل بیت کی عقیدت، عزت اور احترام ہے، محبت ہے، ان پر اعتماد ہے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کو اپنے لیے نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں لیکن اوّل مصداق اہل بیت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں۔ اس پر میں دو حوالے عرض کرتا ہوں خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں۔

اُحد کا معرکہ ۳ھ گیارہ شوال کو پیش آیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَھْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِیْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ "اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح سویرے چلے اپنے اہل کے پاس سے بٹھاتے تھے مومنوں کو لڑائی کے ٹھکانوں

پر۔" مومنوں کو لڑائی کے مورچے بتلائے کہ یہ مورچہ تمہارا ہے، یہ مورچہ تمہارا ہے۔ یہاں پر اہل کے لفظ ہیں۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے اور تمام صحابہ فرماتے ہیں کہ اس رات آپ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کمرے میں تھے اور صبح سویرے اپنی اہل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے ہی اُحُد کی طرف تشریف لے گئے۔

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت کو اہل کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ تو اہل کا اولین مصداق ازواجِ مطہرات ہیں بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ بخاری شریف میں روایت ہے۔ واقعہ طویل ہے واقعہ سنانا اس وقت مقصد نہیں ہے۔ منافقوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر ایک غلط قسم کی تہمت لگائی بڑے زور وشور کے ساتھ کہ تین مخلص آدمی بھی اس کا شکار ہو گئے۔ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مشہور شاعر ہیں اور مِسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا۔ یہ تینوں بھی ان کے پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے۔ پھر جب ام المومنین کی صفائی میں قرآن پاک نازل ہوا سورۂ نور کے دو رکوع تو ان مخلصوں کو اسّی اسّی کوڑے لگائے گئے۔

اور یاد رکھنا! کسی کو حرامی کہنا یا ولد الزنا کہنا از روئے قرآن اس کی سزا اسّی [۸۰] کوڑے ہے۔ شراب کی سزا قرآن میں مذکور نہیں ہے مگر آپ ﷺ کے دور میں چالیس [۴۰] کوڑے لگائے گئے پھر خلافتِ راشدہ کے دور میں اسّی [۸۰] کوڑے لگائے گئے مگر حرامی کہنا یا ولد الزنا کہنے کی سزا اسّی [۸۰] کوڑے ہے۔ مرد پر بھی اور عورت پر بھی۔ اس کو حدِ قذف کہتے ہیں۔ مگر ہماری تو زبانیں پک چکی ہیں ان الفاظ سے۔ شراب چوں کہ پیسوں سے آتی ہے، مہنگی ہوتی ہے اس لیے اس کا بڑا

پروپیگنڈہ ہوتا ہے کہ فلاں شرابی ہے اس کی ایسی کی تیسی۔ گالی کے متعلق علم نہیں ہے کہ اس کا بھی یہی حکم ہے۔

منافقوں نے جب تہمت لگائی تو آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا میری بیوی پاک دامن ہے اَبَنُوْا اَھْلِیْ [بخاری، رقم: 4557] بخاری شریف کے لفظ ہیں ان لوگوں نے میری بیوی پر تہمت لگائی ہے۔ اب میں ان کو سزا دوں گا اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق۔ میں سزا دینے میں معذور ہوں۔ کیوں کہ رب تعالیٰ کا حکم ہے اس کو پورا کرنا ہے۔ اس مقام پر بھی آپ ﷺ نے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اہل فرمایا کہ میری اہل پر انھوں نے تہمت لگائی ہے۔

میرا مقصد صرف یہ ہے کہ قرآن کریم میں اہل کا مصداق ازواج مطہرات ہیں خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حدیث پاک میں بھی آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ کے لیے اہل کے لفظ موجود ہیں۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ آپ ﷺ کی بیٹیاں، آپ ﷺ کے نواسے بھی اس میں شامل ہیں۔ لیکن بیویوں کو اہل بیت سے نکال دینا اور اہل بیت میں صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد کو سمجھنا از روئے قرآن بھی اور از روئے حدیث بھی غلط ہے۔

حسنین کریمین جنت کے پھول :

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا رَیْحَانَتَایَ مِنَ الْجَنَّةِ "یہ دونوں میرے لیے جنت کے پھول ہیں۔"

آپ ﷺ کی چچی حضرت لبابہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا یہ آپ ﷺ کی سالی بھی تھیں کیوں کہ حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں وہ ان کی بہن ہیں۔ تاریخ والے لکھتے ہیں کہ یہ عورتوں میں دوسرے نمبر پر مسلمان ہونے والی ہیں۔ پہلا نمبر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ہے اور دوسرا نمبر لبابہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کا ہے۔

ایک دن آنحضرت ﷺ کے پاس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اُٹھا کر لائیں۔ ان دنوں میں یہ افواہ پھیلی ہوئی تھی کہ یہودیوں نے رات کی تاریکی میں آپ ﷺ پر حملہ کر کے شہید کرنا ہے۔ یہ پروپیگنڈہ اور افواہ مدینہ طیبہ کی گلیوں کے بازاروں میں عام تھی۔

صحابی کی عجیب وغریب وصیت :

اُنہی دنوں میں آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے اور اپنے گھر کے افراد کو بلا کر وصیت کی کہ اگر میری وفات ہو جائے اور دفن کی ضرورت رات کو پیش آئے تو میرے جنازے میں آنحضرت ﷺ کو ہرگز نہیں بلانا۔ گھر کے سارے افراد حیران ہو گئے طلحہ مَا تَقُوْل تم کیا کہتے ہو؟ کہا میں کہتا ہوں کہ اگر میرے دفن کی رات کو صورت بنے تو میرے جنازے میں آنحضرت ﷺ کو نہیں بلانا یہ میری وصیت ہے۔

سب کے رنگ فق ہو گئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ کسی نے کہا اس کا اسلام خالص نہیں، کسی نے کہا کلمہ تو پڑھا ہے لیکن اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ

مخلص مسلمان نہیں، کسی نے کہا پہلے مخلص مسلمان تھا اب معلوم ہوتا ہے مرتد ہو گیا ہے، معاذ اللہ تعالیٰ۔ کسی نے کہا مومن تھا اب بھی مومن ہے لیکن بیماری کی وجہ سے اس کے ہوش ٹھکانے نہیں ہیں بے تکی ہانکتا ہے۔ ہر ایک کی اپنی رائے تھی۔

حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ نے سب کی باتیں سنیں۔ فرمایا: سَمِعْتُ كَلَامَكُمْ "میں نے تم سب کی گفتگو سنی ہے۔" نہ میں مرتد ہوں اور نہ میں منافق ہوں نہ غیر مخلص ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جب سے کلمہ پڑھا ہے سچے دل سے پڑھا ہے۔ میں نے یہ وصیت اس لیے کی ہے کہ میں نے یہ بات لوگوں سے خود سنی ہے کہ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت شہید کرنا ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے جنازے میں تشریف لائیں اور کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے کہ میرے جنازے میں شرکت کی وجہ سے میرے محبوب کو تکلیف پہنچے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ پڑھانے سے محروم رہوں گا کوئی بات نہیں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کو گوارا نہیں کر سکتا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام فضل بنت حارث رضی اللہ عنہا نے آکر کہا حضرت! رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ الرُّؤْيَا گزشتہ رات میں نے خواب دیکھا ہے بڑا سخت اور پریشان کن۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چچی جان خواب بیان کرو۔ کہنے لگیں کیا بیان کروں هُوَ اَشَدُّ بڑا سخت خواب ہے بیان کرنے کو دل نہیں کرتا۔ کیوں کہ انھوں نے خواب کے ظاہر کو تعبیر سمجھ لیا تھا حالانکہ وہ تعبیر نہیں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بتائیں تو سہی وہ کیا ہے؟ تو حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا

ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ ان شاء اللہ میری لختِ جگر بیٹی سیدہ فاطمہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا جو تمھاری گود میں کھیلے گا۔ چنانچہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور ان کی گود میں کھیلے۔ اب دیکھو! بہ ظاہر خواب کیا ہے اور تعبیر کیا ہے۔ تو خواب کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت ہوتی ہے۔

حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئی :

تو ایک دن حضرت لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا بڑے پیار سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اُٹھا کر لائیں۔ یہ ابھی چھوٹے تھے اُٹھنے بیٹھنے کے قابل نہیں تھے، لا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں بٹھا دیا۔ فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ میں بڑی حیران ہوئی کہ بات کوئی نہیں ہوئی کوئی آدمی بھی نہیں آیا۔ میں نے کہا حضرت! کیا بات ہے کیوں رو رہے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جَاءَنِیْ جبرئیل علیہ السلام فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ اُمَّتِیْ یَقْتُلُوْنَ اِبْنِیْ هٰذَا ۔[1] ابھی میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے ہیں اور انھوں نے مجھے خبر دی ہے کہ میری اُمت میں ایسے بد بخت ہوں گے جو میرے اس بیٹے کو قتل کریں گے شہید کریں گے اس لیے روتا ہوں۔[2] امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت نقل کی ہے۔

حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق پیش گوئی :

بخاری شریف میں روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے حضرت حسن رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور منبر پر چڑھنے کی کوشش کی مگر چھوٹے ہونے کی

وجہ سے چڑھ نہ سکے۔ آپ ﷺ نے اُٹھا کر گود میں بٹھایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ [تغابن:١٥] "بے شک تمھارا مال اور تمھاری اولاد آزمائش ہیں۔" اس بچے کو دیکھ کر لَمْ اَصْبِرْ "میں صبر نہ کر سکا جب تک اس کو اُٹھا کر میں نے گود میں نہیں بٹھا لیا۔" پھر سب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اِبْنِيْ هٰذَا "یہ میرا بچہ ہے حسن رضی اللہ عنہ" لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّصْلِحَ فِيْ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بچے کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔" فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت ہے۔ ان دونوں گروہوں کو عبداللہ بن سبا کی پارٹی نے لڑا دیا تھا۔ اس لڑائی میں ساری خباثت عبداللہ بن سبا اور اس کی پارٹی کی تھی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لو اس سبائی گروہ نے پہلے دن سے ہی اسلام کی بنیادوں پر وار کرنے شروع کر دیئے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ۴۰ھ رمضان المبارک میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا حجاز کے علاقے کا اور شام کے علاقہ کے خلیفہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے خاص ساتھیوں کو بلایا کہ میں ایک مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ ان میں عبداللہ بن سبا پارٹی کے آدمی بھی تھے جو ان کے ساتھی بنے ہوئے تھے۔ انھوں نے بھی کان کھڑے کیے کہ کیا حکم ہوتا ہے۔ فرمایا میری بات سنو اور جلد بازی سے کام نہیں لینا۔ بالکل کھلی بات ہے کہ میرے والد محترم حضرت علی امیر معاویہ سے زیادہ درجے والے تھے اس لیے کہ وہ سابقون الاولون

مہاجرین میں سے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی بھی تھے اور آنحضرت ﷺ کے داماد بھی تھے اور اس واسطے کہ مسلمانوں کی شوریٰ نے ان کو چوتھے نمبر پر خلیفہ بنایا۔ یہ سب ان کی فضیلتیں ہیں۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ میں عمر میں چھوٹا ہوں اور چچا جان امیر معاویہ بڑے ہیں۔ جتنا ان کا تجربہ ہے میرا نہیں ہے اور میں یہ بات بھی سمجھتا ہوں کہ میرے والد محترم خلافت کے لیے ان سے زیادہ مستحق تھے لیکن میرے سے زیادہ حضرت امیر معاویہ مستحق ہیں۔

بات بڑی معقول فرمائی مخلص ساتھی بڑے خوش ہوئے کہ مسلمانوں کا آپس میں اتفاق، اتحاد ہو جائے تو بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن وہ شرارتی جو سبائی پارٹی کے ساتھ ملے ہوئے تھے کہنے لگے حضرت! یہ کیا ظلم ڈھاتے ہو، یہ کیا ظلم کر رہے ہو اب دشمن کے ہاتھ پر بیعت کرو گے؟ ہم کہاں جائیں گے؟ حضرت! یہ نہیں ہوگا کہ ہم ان ظالموں، مرتدوں کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ فرمایا اس طرح نہ کہو۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف بہ زبانِ علی رضی اللہ عنہ :

اور یہ حوالہ یاد رکھنا! "نہج البلاغۃ" شیعوں کی مشہور کتاب ہے۔ ایک شیعہ عالم کی لکھی ہوئی ہے۔ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبے اور تقریریں اس نے جمع کی ہیں۔ یہ چھٹی ہجری کی ہے۔ بہت پرانی کتاب ہے اب اس کا اُردو ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔ اس کو ضرور پڑھنا چاہیے جمع کرنے والا شیعہ عالم ہے سنّی نہیں ہے۔ اس میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقریر فرمائی اور تقریر کے دوران میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف میں کچھ کلمات منہ سے نکل گئے۔ ایک آدمی کھڑا ہو کر کہنے لگا

حضرت! آپ کے منہ سے دشمن کی تعریف زیب نہیں دیتی اور یہ بھی کہا کہ مرتد، بے ایمان، کافر کی تعریف زیب نہیں دیتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ کہنے لگا نہیں بیٹھتا یا تم مسلمان ہو یا وہ مسلمان ہے یا تم ظالم ہو یا وہ ظالم ہے، ایک بات ہمارے ساتھ کرو دو کشتیوں پر پاؤں نہ رکھو۔ فرمایا بیٹھ جاؤ۔ کہنے لگا نہیں بیٹھتا مجھے بات سمجھائیں۔ خیر لوگوں نے پکڑ کر بٹھا دیا۔

ایک اور آدمی سلجھا ہوا کھڑا ہوا اور کہنے لگا حضرت! یہ بات بتلائیں کہ امیر معاویہ کون ہیں؟ فرمایا جس اللہ پر ہمارا ایمان ہے اس پر اس کا ایمان ہے، جس پیغمبر پر ہمارا ایمان ہے اس پر اس کا ایمان ہے، جس قرآن پر ہمارا ایمان ہے اس پر اس کا ایمان ہے، جو ہمارا دین ہے اس کا بھی وہی دین ہے۔ کہنے لگا حضرت! پھر یہ بتلائیں کہ مسلمان ہوتے ہوئے آپ اس کے ساتھ کیوں لڑتے ہیں اور وہ آپ کے ساتھ کیوں لڑتا ہے؟ الفاظ یاد رکھنا! جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمائے۔ فرمایا: اِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَيْنَا "ہمارے مسلمان بھائی ہیں غلط فہمی کا شکار ہو کر ہمارے ساتھ لڑ رہے ہیں، ہمارے بھائی ہیں ہمارے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔"

خیر جو شرارتی تھے وہ آمادہ نہ ہوئے باقی لوگوں نے کہا حضرت! بڑی اچھی بات ہے اور اصل بات تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کے پورے ہونے کا وقت آ گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے اس بچے کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گفتگو جاری رکھی اور آخر میں ان کے ہاتھ پر بیعت

کر کے خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ مومن بڑے خوش ہوئے لیکن سبائی پارٹی جن کا مقصد مسلمانوں کو تقسیم کرنا تھا بڑے ناراض ہوئے۔

چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں یہ لفظ ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ جب بھی کسی ایسے آدمی کے پاس سے گزرتے تھے وہ کہتا تھا السلام علیك یا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِیْنَ السلام علیك یا عارَ الْمومنین۔ "مومنوں کو ذلیل کرنے والے تجھ پر سلام ہو، اے مومنوں کی عار تجھ پر سلام ہو۔" ان لفظوں کے ساتھ وہ سلام اس لیے کہتے تھے کہ ان کا مقصد خاک میں مل گیا تھا۔

لیکن دیکھو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں گروہوں کو مسلمان فرمایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی مسلمان فرمایا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بھی مسلمان سمجھ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اگر مسلمان نہ ہوتے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کبھی ان کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے، خلافت ایک کافر کے ہاتھ میں نہ دیتے۔ ۴۰ھ سے لے کر ۶۰ھ تک پورے بیس سال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین صرف چھ ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور چھ ماہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ۔

عام خلیفہ اور خلفائے راشدین میں فرق :

عام خلیفہ اور خلفائے راشدین کا فرق یوں سمجھو کہ مثال کے طور پر تم نے

یہاں سے لاہور جانا ہے۔ایک آدمی آگے جا رہا ہے اس اگلے آدمی کے جہاں جہاں پاؤں پڑتے ہیں پیچھے چلنے والا ان کے پاؤں کے نشانات پر پاؤں رکھتا ہے۔رخ اور سمت بھی ایک، راستہ بھی وہی اور قدم پر قدم۔تو جو چھ خلیفہ راشد ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، چھ ماہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور دو سال حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا راستہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم والا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے نشانوں پر اپنے قدم رکھے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے۔

اور جو عام خلفاء ہیں ان کی سمت اور راستہ وہی ہے مگر قدم پر قدم رکھ کر نہیں چلے۔قرآن وہی، حدیث وہی، کعبہ وہی، علم وہی، منزل بھی وہی، سب کچھ وہی مگر قدم آگے پیچھے۔بس اتنا موٹا سا فرق سمجھو۔بشری تقاضے سے کچھ نہ کچھ خامیاں اور کمزوریاں بھی ہوئیں۔

دورِ فاروقی میں حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اور عباس رضی اللہ عنہ کے وظائف :

دیکھو! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب ایران فتح ہوا، مصر فتح ہوا، عراق فتح ہوا، روم کا بیش تر علاقہ فتح ہوا، خزانے آئے، مال آیا، بیت المال مستحکم ہوا اور وظائف مقرر ہوئے تو سب سے زیادہ وظیفہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا تھا، پچیس ہزار درہم سالانہ۔کسی نے بھی اعتراض نہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا محترم ہیں اور چچا بہ منزلہ باپ کے ہوتا ہے۔حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے وظیفے چھ، چھ ہزار

درہم تھے جتنے بدری صحابہ کے وظائف تھے۔ لوگوں نے کہا حضرت! بدر میں شرکاء کے وظائف چھ چھ ہزار ہیں اور ان کے والدین کا تو اس وقت نکاح بھی نہیں ہوا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بدر کے بعد ہوا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت ۴ھ میں ہوئی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ۵ھ میں ہوئی۔ ان کا وظیفہ آپ رضی اللہ عنہ نے بدریوں کے برابر مقرر کیا ہے۔ فرمایا سب کچھ میرے سامنے ہے۔ کیا میں نہیں جانتا؟ لیکن بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ محبت کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی وجہ سے میں نے ان کا وظیفہ بدریوں کے برابر رکھا ہے۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ مہاجرین کا وظیفہ چار، چار ہزار تھا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کا وظیفہ ساڑھے تین ہزار۔ ان کو پانچ سو کم کیوں دیا؟ بخاری شریف کی روایت ہے فرمایا باقی مہاجر از خود آئے ہیں اور یہ اپنے ماں باپ کے ساتھ آیا ہے۔ دیکھو! خلیفۂ راشد کی بصیرت کہ اپنے بیٹے کا دوسروں سے پانچ سو کم اور جو اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے ان کے وظائف چھ، چھ ہزار۔ یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ان کے ساتھ عقیدت ہے، محبت ہے، الفت ہے؟ اگر ذرہ برابر بھی دل میں کوئی بات ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک لمحہ کے لیے بھی گوارا کرتے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل میں ان کے متعلق کوئی خلش ہوتی تو ساٹھ سال کے بوڑھے کو گیارہ سال کی بچی کا نکاح کر کے نہ دیتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے

پیٹ سے ہیں وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئی ہیں۔

اور بڑی عجیب بات ہے بخاری شریف میں روایت ہے کہ ابھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے رشتہ نہیں ہوا تھا، منگنی بھی نہیں ہوئی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! علیحدگی میں ایک بات کرنی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم علیحدہ ہو گئے۔ عرض کیا حضرت! آپ اپنی لڑکی کا رشتہ مجھے دے دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب دیا سنو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمروں کی کوئی نسبت نہیں ہے۔ تمھاری عمر زیادہ ہے اور بچی کی عمر تھوڑی ہے۔ پھر ان کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شادی ہوئی، پھر بچی ہوئی، پھر وہ جوان ہوئی، پھر اس بچی کا ساٹھ سالہ بوڑھے کے ساتھ نکاح ہوتا ہے۔ یعنی یہ کیوں ہو رہا ہے؟ یہ اس لیے ہو رہا ہے کہ ایک دوسرے کے دل میں محبت ہے، احترام ہے۔

خلفائے اربعہ آپس میں شیر و شکر تھے :

یاد رکھنا! ہمارے تمھارے ایمان کی نسبت ان کے ایمان کے ساتھ اتنی بھی نہیں جتنی رائی کے دانے کی پہاڑ کے ساتھ ہے۔ تمھارے پاس کوئی مرزائی آئے، قادیانی آئے اور تمھیں علم بھی ہو کہ یہ قادیانی ہے اور لڑکی کا رشتہ مانگے اور لڑکا خوب صورت، تعلیم یافتہ اور کاروباری ہو ایمان داری سے بتلاؤ کہ تم رشتہ دو گے؟ کوئی مسلمان ہوتے ہوئے رشتہ نہیں دے سکتا۔ وہ کہے گا میں نے یہاں کی دولت کا کیا کرنا ہے کہ میں کافر کو لڑکی دے دوں۔ ہم جیسے کمزور ایمان والے تو کافر کو لڑکی نہ دیں

اور وہ جس نے خیبر کے قلعہ کو اکھاڑ کر پھینک دیا تھا وہ ایک کافر مرتد کو لڑکی کا رشتہ دے دے، معاذ اللہ تعالیٰ، یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ مسلمان نہیں ہے۔ تم لوگ کن بھول بھلیاں میں پڑے ہوئے ہو۔

یاد رکھنا! وہ حضرات آپس میں شیر و شکر تھے۔ اس کا اس بات سے اندازہ لگاؤ کہ ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ روم کے مقابلہ میں مَیں نے فوج کی خود کمان کرنی ہے اور میں اس کا عزم کر چکا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سنا اور یہ واقعہ بھی نہج البلاغہ میں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آ کر کہا امیر المومنین! میں نے افواہ سنی ہے کہ روم کے مقابلے میں جو اہم لڑائی ہونے والی ہے اس کی آپ خود کمان کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا آپ نے جو سنا ہے صحیح سنا ہے۔ انھوں نے بازو پکڑ کر کہا حضرت! آپ کو نہیں جانے دینا ہم خادم کس لیے ہیں۔ اگر دلوں میں تھوڑا بہت بھی کھوٹ ہوتا تو کہتے چلو بوڑھے کو مرنے دو۔ لیکن فرمایا حضرت! ہم آپ کو نہیں جانے دیں گے۔

یاد رکھو سنیو! اے مسلمانو! الحمد للہ، ثم الحمد للہ! ہماری کسی کے ساتھ ذاتی عداوت نہیں ہے۔ صحابہ کرام کے ساتھ ہماری محبت ہے، ازواج مطہرات کے ساتھ، اہل بیت کے ساتھ ہماری محبت ہے۔ یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باغ ہیں۔ ایک ایک پودا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کا لگایا ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی دیا ہے۔ ان کے ساتھ محبت ایمان کی علامت ہے۔ (ان کا دفاع ہم پر لازم ہے۔ اگر نہیں کریں گے تو قیامت والے دن جواب دہ ہوں گے۔ مرتب) اللہ تعالیٰ سب کو ان کے ساتھ محبت رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ہجرۃ النبی ﷺ

خطبہ جمعۃ المبارک ۲۱ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ

انداز حیات اُن کا ہے قرآن سراپا
ہر آن ہے وہ جلوۂ زیبا تر و تازہ
انوار بہ داماں ہے بہ ہر لحظہ وہ اُسوہ
وہ گلشنِ رحمت ہے ہمیشہ تر و تازہ

خطبہ مسنونہ کے بعد۔۔۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَیُزَکِّیۡہِمۡ ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ [سورۃ البقرہ، آیت:۱۲۹؛ پارہ:۱]

وَاِذۡ یَمۡکُرُ بِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِیُثۡبِتُوۡکَ اَوۡ یَقۡتُلُوۡکَ اَوۡ یُخۡرِجُوۡکَ ؕ وَیَمۡکُرُوۡنَ وَیَمۡکُرُ اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ [سورۃ الانفال، آیت:۳۰؛ پارہ:۹]

تمہید:

آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ کا مضمون چلا آرہا ہے۔ کافی تفصیل کے ساتھ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے لے کر نبوت کے ملنے تک اور نبوت کے ملنے کے بعد ہجرت تک کے اہم واقعات تم تفصیلاً سن چکے ہو۔ اظہار نبوت کے بعد تیرہ سال آنحضرت ﷺ مکہ مکرمہ میں رہے ہیں۔ ان تیرہ سالوں میں سکھ کا سانس نہیں لیا۔ نہ رات کو، نہ دن کو، نہ مجلس میں، نہ تنہائی میں، نہ گھر نہ باہر۔ (ایک عیسائی جس کا نام کانسٹنٹ ورجل جیور جیو ہے اس نے آپ ﷺ کی سیرت پر کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "محمد ﷺ پیغمبر اسلام" اس کے صفحہ ۹۹ پر لکھتا ہے کوئی دن ایسا نہیں جاتا تھا کہ حضرت محمد ﷺ خون آلود گھر میں واپس تشریف نہ لائے ہوں۔ قریش بڑی سنگ دلی اور شقاوت سے آپ ﷺ کو پتھر مارا کرتے تھے۔ از مرتب)

جب آپ ﷺ گھر تشریف لاتے تو شریر قسم کے نوجوان بچوں کو ساتھ ملا کر آپ ﷺ کے گھر کے سامنے گلی میں نعرہ بازی کرتے کئی کئی گھنٹے، آپ کو آرام نہیں کرنے دیتے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اس بات سے بہت پریشان تھیں کہ آپ ﷺ کو گھر میں بھی امن وسکون نہیں لینے دیتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو بشارت سنا دو بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا لَغْوٌ فِيهَا وَ لَا نَصَبٌ۔ "اللہ تعالیٰ تمھیں جنت میں ایسی کوٹھی نصیب فرمائیں گے جو ایک ہی کھوکھلے موتی کی ہوگی جو ساٹھ میلوں میں پھیلا ہوا ہوگا وہاں کوئی شور وغل نہیں ہوگا۔"

تو وہ لوگ آپ ﷺ کو نہ گھر میں سکھ لینے دیتے نہ باہر۔ آپ ﷺ جدھر جاتے بچے آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیتے۔ بچے اچھلتے کودتے نعرے مارتے۔ کوئی آپ ﷺ پر ریت پھینکتا، کوئی پتھر پھینکتا جو حرکت ان سے ہو سکتی تھی وہ کرتے تھے۔ بالآخر ان ظالموں نے آپ ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ صرف حق پرستوں کو نہیں حق پرستوں کے امام، سردار، خدا کی مخلوق میں سب سے اعلیٰ اور افضل کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ کیوں؟ اس لیے تا کہ حق کی آواز ختم ہو جائے۔ اس دنیا میں بہت کچھ ہوتا ہے۔

سفرِ ہجرت :

آخر وہ رات آئی۔ اللہ تعالیٰ نے کس طرح آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی؟ جبلِ ثور کی چوٹی پر غار میں کس طرح پہنچایا؟ پھر ہجرت کا سفر شروع ہوا اس

میں سراقہ بن مالک بن جعشم نے کیسے آپ ﷺ کا تعاقب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو کیسے ذلیل وخوار کیا؟ پھر راستے میں وہ مقام بھی آیا کہ عَطِشَ رسول اللہ ﷺ سخت پیاس لگی کوئی پینے والی چیز نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اُمّ معبد کی لنگڑی بکری جس کے تھنوں میں ایک قطرہ دودھ کا نہیں تھا اس کے تھنوں میں دودھ پیدا کیا۔ نہ صرف یہ کہ ان بزرگ ہستیوں نے دودھ پیا بلکہ گھر کے افراد کے لیے بھی اور گھر کے سارے برتن بھی بھر گئے۔

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا آپ ﷺ کو ہدیہ پیش کرنا:

وہاں سے چلے تو راستے میں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ملے۔ یہ آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے، مسلمان تھے، شام کے علاقے میں تجارت کے لیے گئے ہوئے تھے تاجروں کے قافلے کے ساتھ واپس آرہے تھے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے کپڑے پرانے اور میلے ہیں ان کپڑوں میں ایک غیر قوم کے پاس جانا مناسب نہیں۔ بخاری شریف کی روایت ہے ازخود ایک جوڑا آنحضرت ﷺ کو ہدیۃً پیش کیا اور ایک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیش کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے خسر بھی تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ ہدیہ رد نہیں کرتے تھے چاہے غیر مسلم مشرک بھی ہدیہ دیتا اور صدقے کے قریب نہیں جاتے تھے بلکہ دینے والا کوئی چیز دیتا تھا تو صحیح روایت میں آتا ہے آپ ﷺ پوچھتے تھے اَصَدَقَةٌ اَمْ هدية

بخاری شریف کی روایت ہے کہ کیا صدقہ ہے یا ہدیہ ہے؟ اگر وہ کہتا کہ صدقہ ہے تو آپ ﷺ فرماتے اِنَّا لَا نَاْکُلُ صَدَقَہ "ہم جو پیغمبروں کا گروہ ہیں ہم صدقہ نہیں کھاتے۔" صدقہ لوگوں کے مال کا میل کچیل ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام کو حکم ہے یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا [الانبیاء:۵۱] "اے پیغمبرو! پاکیزہ مال کھاؤ اور عمل کرو اچھے۔" پھر مجلس میں جو غریب ہوتے تھے ان کی طرف اشارہ کرتے تھے کہ ان کو بلاؤ۔ ان کو فرماتے یہ صدقہ ہے قبول کرلو، استعمال کرو۔ اور اگر کہنے والا کہتا کہ ہدیہ ہے تو قبول کر لیتے تھے۔ ضرورت کے مطابق اپنے پاس رکھ لیتے باقی تقسیم کر دیتے تھے۔ البتہ صدقہ دوسرے کی ملک میں آ جانے کے بعد اگر وہ تحفتاً دیتا تو لے لیتے۔

صدقے کا دوسرے کے حق میں ہدیہ ہونا:

بخاری شریف کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ گھر تشریف لے گئے اور فرمایا بھوک لگی ہے کھانا لاؤ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے باسی روٹی اور خل یعنی سرکہ پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اَلَمْ اَرَ بُرْمَۃً تَفُوْرُ بِاللَّحْمِ "کیا میں ہانڈی نہیں دیکھ رہا جس میں گوشت پک رہا ہے۔" یعنی گوشت پکنے کی خوشبو آ رہی ہے۔ تم نے مجھے سرکہ دے دیا ہے۔ ام المومنین نے کہا حضرت! وہ گوشت ہمارا نہیں ہے تُصُدِّقَ عَلٰی بَرِیْرَہ "یہ تو کسی نے بریرہ کو صدقہ دیا ہے وَاَنْتَ لَا تَاْکُلُ صَدَقَۃً اور آپ صدقہ نہیں کھاتے۔" جو گھر میں تھا ہم نے پیش کر دیا ہے۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا بھی بیٹھی تھیں۔ فرمایا اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

حرص ولالچ نہیں بلکہ اُمت کو مسئلہ سمجھانے کے لیے فرمایا کہ یہ گوشت جب بریرہ نے وصول کرلیا تو صدقہ اپنے محل کو پہنچ گیا اب جب یہ ہمیں دے گی تو یہ اس کی طرف سے ہمارے لیے تحفہ ہوگا۔ ہمارے لیے جائز ہے۔ (تقریر اور بیان میں حضرت احادیث کا لفظی ترجمہ بیان نہ کرتے بلکہ ان کا مطلب ومفہوم بیان کرتے تھے۔ از مرتب)

مسئلہ سمجھ لو۔ اگر کوئی کسی فقیر، مسکین کو زکوٰۃ، فطرانہ، نذر ومنت وغیرہ کی رقم دیتا ہے اور وہ اس کو وصول کرلیتا ہے اس کے بعد اگر وہ اس میں سے کسی امیر آدمی کو دیتا ہے یا سید کو دیتا ہے جن کو زکوٰۃ وغیرہ نہیں لگتی تو جائز ہے۔ اس نے ان کو تحفہ دیا ہے۔ جب یہ رقم فقیر، مسکین نے وصول کرلی تو اب اس کا حکم تبدیل ہوگیا۔ اگر یہ نہیں لیں گے یا اس نے کھانے کی کوئی چیز دی ہے یہ نہیں کھائیں گے تو گناہ گار ہوں گے۔ کیوں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا بریرہ کو صدقہ پہنچ گیا ہے اب ہنڈیا میں سے کچھ ہمیں بھی دے۔ آپ ﷺ نے کھایا محض مسئلہ سمجھانے کے لیے تاکہ اُمت پر مسئلہ واضح ہوجائے کہ امت کسی تکلیف میں مبتلا نہ ہو۔ مسئلہ بتلانا مقصود تھا حرص نہیں تھی۔

دم اور تعویذ پر اُجرت لینا جائز ہے :

بخاری شریف کی روایت ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جن کا نام سعد بن مالک بن سنان ہے۔ مدینہ طیبہ کے مشہور قبیلہ بنو خدرہ کے فرد ہیں۔ ان کو چند ساتھیوں کے ساتھ جن کی تعداد چودہ تھی یا پندرہ تھی آنحضرت ﷺ نے ایک چھاپا

مارمہم پر بھیجا تھا۔ یہ کامیاب ہوکر مہم سے واپس آرہے تھے، رات کو ٹھہرنا تھا، ایک گاؤں میں داخل ہوئے اور ان سے کہا کہ ہم تمھارے مہمان ہیں۔ انھوں نے ان کے طورطریقے دیکھے، نماز پڑھتے ہیں، ہاتھ میں تسبیح پکڑی ہوئی ہے، اللہ اللہ کررہے ہیں، کہنے لگے ہم نے تمھیں مہمان نہیں بنانا بلکہ ایسی سنگ دلی کا مظاہرہ کیا کہ بے چاروں کو گاؤں میں رہنے ہی نہیں دیا۔ انھوں نے بہت کہا کہ ہم تمھارے مہمان ہیں چلو کھانا نہ دو کم از کم ہمیں گاؤں میں رہنے تو دو۔ کہنے لگے نہیں رہنے بھی نہیں دینا، تم صابی ہو صابیوں کو رہنے بھی نہیں دیں گے اور باہر نکال دیا۔ (یہ حضرات بستی سے کچھ فاصلے پر رات گزارنے کے لیے ٹھہر گئے)۔ اللہ تعالیٰ کی شان فَلُدِغَ سَيِّدُ الْقَوْمِ "بستی کا جو چودھری تھا اس کو زہریلے قسم کے سانپ نے ڈس لیا۔" بستی میں جو چھومنتر کرنے والے تھے دم درود کرنے والے، انھوں نے اپنا زور لگایا فَسَعَوْا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ "انھوں نے ہر طرح کی کوشش کی۔" پورا زور لگا بیٹھے مگر اس کو آرام نہ آیا، کوئی فرق نہ پڑا۔ اس کی حالت لحہ بہ لحہ غیر ہوتی جارہی تھی۔

اَلْغَرَضُ مَجْنُوْنٌ "غرض مند دیوانہ ہوتا ہے۔" اُسے اپنی غرض کے سوا کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ کہنے لگے ایسا کرو کہ یہ جو رات کو آئے تھے ان سے جا کر معلوم کرو شاید ان میں کوئی دم کرنے والا ہو۔ وہاں پہنچے اور کہنے لگے لُدِغَ سَيِّدُنَا فَهَلْ فِيكُمْ رَاقٍ "ہمارے سردار کو کسی زہریلی چیز نے ڈس لیا ہے تم میں کوئی دم کرنے والا ہے۔" حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں! دم کرنے والا ہے مگر اُجرت لیں گے۔ (کیوں کہ تم نے رات ہمیں بستی میں نہیں رہنے دیا)۔ بخاری شریف کی روایت ہے تیس بکریوں پر سودا ہوا۔ ابوداؤد اور مسند احمد کی روایت میں سو

بکریوں کا ذکر ہے۔

یوں معلوم ہوتا ہے پہلے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے خود معاملہ طے کیا پھر جو باقی ساتھی تھے ان کے ساتھ مشورہ کیا تو انھوں نے کہا حضرت! یہ طوطا چشم لوگ ہیں جنھوں نے ہمیں رات گاؤں میں رہنے نہیں دیا حالانکہ عرب کے لوگ بڑے مہمان نواز ہوتے ہیں چاہے دشمن آجائے جس کے وہ خون کا پیاسا ہے اور جس کے لیے اس نے تیر کمان میں ڈال رکھا ہے اگر وہ دروازے پر آجائے تو اس کو وہ دوست بنا لیتے ہیں کہ میرے دروازے پر آگیا ہے اب میں نے اس کی حفاظت کرنی ہے۔ اس کی حفاظت فرض سمجھتے ہیں۔ انھوں نے چوں کہ مہمانی کا حق ادا نہیں کیا لہٰذا حضرت! تیس بکریاں کم ہیں تم نے ان سے سستا سودا کیا ہے۔ پھر انھوں نے ان سے سو بکریاں طے کیں۔ چنانچہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اعوذ باللہ بسم اللہ پڑھ کر، سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا۔

نماز سے متعلق ایک اہم مسئلہ :

یہاں ایک مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ پہلی رکعت میں اگر امام ہے تو اس نے ثناء کے بعد اعوذ باللہ بھی پڑھنی ہے اور بسم اللہ بھی پڑھنی ہے سورۃ فاتحہ سے پہلے۔ اور دوسری، تیسری رکعت میں، چوتھی رکعت میں فاتحہ سے پہلے صرف بسم اللہ پڑھنی ہے۔

اگر اکیلا آدمی نماز پڑھ رہا ہے تو بھی یہی حکم ہے کہ پہلی رکعت میں ثناء کے بعد اعوذ باللہ، بسم اللہ دونوں پڑھنے ہیں اور باقی رکعتوں میں فاتحہ سے پہلے فقط بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنی ہے۔

اور فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا علمائے احناف کے نزدیک واجب ہے، ہر رکعت میں۔ اگر کسی نے نہ پڑھی تو نماز ناقص ہوگی سجدہ سہو کرنا پڑے گا۔ البتہ سورۃ فاتحہ اور دوسری سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنے کے بارے میں خود فقہائے احناف کے درمیان اختلاف ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ مستحب ہے اگر کسی نے نہ پڑھی تو نماز ہو جائے گی۔ لیکن فاتحہ سے پہلے پڑھنے کا مسئلہ مضبوط ہے اس کو نہ بھولنا۔ یہ بات ضمناً آ گئی تھی میں نے بیان کر دی ہے۔

اور یہ مسئلہ بھی میں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ تلفظ اتنا ہو کہ اپنے کان سنیں۔ اگر بندہ بہرہ نہ ہو۔ اللہ اکبر سے لے کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ تک اگر اپنے کان نہیں سنیں گے تو نماز نہیں ہوگی۔ یہ مسئلہ بھی نہ بھولنا۔

تو خیر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فاتحہ پڑھ کر دم کیا كَأَنَّمَا نُشِطَ مِنْ عِقَالٍ "گویا کہ رسی کھول دی گئی ہے۔" ایسے محسوس ہوا کہ اس کو کبھی تکلیف ہوئی ہی نہیں تھی۔ فرمایا لاؤ بھائی! ہماری بکریاں ہمارے حوالے کرو۔ وہ کافر تھے لیکن بات کے پکے تھے۔ آج کا مسلمان قول و قرار کا پکا نہیں ہے۔ جب ان کا سردار صحیح ہو گیا تو وہ کہہ سکتے تھے جاؤ اپنا کام کرو کیسی بکریاں؟ کیوں کہ تھے تو وہی جنھوں نے گاؤں میں رہنے نہیں دیا تھا۔ لیکن انھوں نے سو بکریاں گن کر حوالے کیں۔ صحابہ کہنے لگے ہم نے لے تو لی ہیں مگر مسئلے کا ہمیں علم نہیں ہے لہٰذا ان میں کوئی تصرف نہ کرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھیں گے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے اس پر عمل کریں گے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا "یہ جو دم کر

کے تم نے اُجرت لی ہے بڑا اچھا کام کیا ہے فَاضْرِبُوا لِیْ فِیْھَا سَھْمًا اس میں سے میرا حصہ بھی نکالو۔" یہ لالچ وحرص کی وجہ سے نہیں تھا، طمع نہیں تھا کہ مجھے بھی بکری مل جائے گی بلکہ یہ اس واسطے فرمایا اور لیا تا کہ ان کے ذہن میں شبہ نہ رہے کہ جائز ہے یا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو حکم دیا ہے یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا [الانبیاء:۵۱] "پاکیزہ کھاؤ اور اچھے عمل کرو۔" اگر ذرہ برابر بھی شک ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی نہ لیتے۔ عملی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسئلے کو واضح کیا۔ اسی حدیث کے پیش نظر تمام ائمہ کرام رحمہم اللہ اس پر متفق ہیں کہ دم تعویذ پر اُجرت لینا جائز ہے۔

تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ہدیۃً کپڑوں کا جوڑا دیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی۔ مدینہ طیبہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے جس کو آج کل محلہ قبا کہتے ہیں۔ اس وقت عاوِنہ عمرو بن عوف کے نام سے مشہور تھا۔ عمرو بن عوف کا قبیلہ یہاں رہتا تھا یہاں چند آدمی مسلمان ہو چکے تھے جن میں ان کے قبیلے کے سردار کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ انصاری بھی تھے۔ یہ بڑے بااخلاق اور بڑے مہمان نواز تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتظار میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو قبا کے محلے میں بخاری شریف کی روایت کے مطابق چودہ دن رہے اور ایک روایت میں ہے کہ چوبیس دن رہے۔

لوگ جمع ہو جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو نماز پڑھا دیتے تھے بغیر

اذان کے۔ آپ ﷺ نے کلثوم بن ہدم انصاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا مسجد کے بغیر، مرکز کے بغیر کوئی نظام قائم نہیں رہ سکتا تم میں سے کوئی آدمی قیمتاً یا مفت مسجد کے لیے جگہ دے دے تا کہ لوگ اس میں نماز پڑھیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ ہو، نشر و اشاعت ہو، لوگوں کی روحانی تربیت ہو۔ حضرت کلثوم بن ہدم انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا میرے پاس کافی رقبہ ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے بڑا کچھ دیا ہے۔ حضرت! جہاں آپ نشان لگادیں گے وہاں ہم مسجد بنا لیتے ہیں میں پیسے نہیں لوں گا۔ یہ جہاں اب مسجد قبا ہے یہاں آپ ﷺ نے نشان دہی فرمائی اس جگہ وہ لوگ کھجوریں خشک کرتے تھے، فصلیں خشک کرتے تھے۔ جہاں جہاں آپ ﷺ نے نشان لگایا حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ نے اس جگہ چھوٹی سی مسجد بنا دی۔ آج دنیا میں جتنی مساجد ہیں درجے کے لحاظ سے مسجد قبا کا چوتھا درجہ ہے۔

پہلا درجہ مسجد حرام کا ہے جہاں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کا ہے۔ دوسرے درجے پر اختلاف ہے کہ آیا مسجد نبوی کا درجہ زیادہ ہے یا مسجد اقصیٰ کا۔ علماء کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ مسجد نبوی کا مرتبہ زیادہ ہے۔ دوسرا طبقہ کہتا ہے مسجد اقصیٰ کا مرتبہ زیادہ ہے۔ صحیح روایت ہے کہ مسجد نبوی میں ایک نماز پڑھنے کا اجر باقی مسجدوں میں ایک ہزار نماز پڑھنے سے زیادہ ہے۔ ایک روایت میں پچیس ہزار کا ذکر ہے اور ایک میں پچاس ہزار کا ذکر ہے۔ لیکن ان روایتوں کے بارے میں محدثین کرام کافی قیل و قال کرتے ہیں۔ تو مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی کے بعد درجہ مسجد قبا کا ہے۔ آپ ﷺ اس مسجد میں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

جس نے مسجد قبا میں نماز پڑھی اس کو ایک عمرے کا ثواب ملے گا۔

بعض چیزیں محنت کا پھل ہوتی ہیں اور بعض چیزیں انعام کے طور پر ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک آدمی شروع سے لے کر آخر تک قرآن شریف پڑھتا ہے اس کو ایک قرآن کا ثواب ملے گا۔ یہ اس کی محنت کا پھل ہے۔ اور ایک آدمی کے پاس وقت نہیں ہے وہ تین دفعہ قل ھو اللہ یعنی سورۃ اخلاص پڑھتا ہے اس کو پورے قرآن کا ثواب ملے گا انعاماً۔ حالانکہ تین دفعہ قل ھو اللہ پڑھنے پر تو ڈیڑھ منٹ بھی نہیں لگتا۔ رب تعالیٰ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال :

چودہ دن یا چوبیس دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں قیام فرمایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ مدینہ طیبہ والوں کو بے پناہ انتظار تھا۔ بچے، بچیاں، لونڈیاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نعرے مارتے تھے۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوِدَاعِ
وَجَبَتْ شُكْرٌ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

"ثنیات پہاڑی سے ہمارے اوپر ہدایت کا چاند طلوع ہو رہا ہے۔ ہم پر شکر واجب ہے جب تک کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو پکارنے والا ہوگا۔" یعنی قیامت تک ہمارے ذمہ شکر واجب ہے۔

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام :

جہاں مسجد نبوی ہے اس کے ساتھ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان

تھا۔ خالد بن زید ان کا نام تھا رضی اللہ عنہ۔ اب تو وہ سارا رقبہ مسجد نبوی میں شامل ہو چکا ہے۔ رشتے کے لحاظ سے، برادری کے لحاظ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماموں لگتے تھے اور مسلمان ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی ان کے صحن میں جا کر بیٹھ گئی۔ بڑا زور لگایا مگر وہ وہاں سے ہلی نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہماری منزل یہاں ہوگی۔

ان کا مکان دو منزلہ تھا۔ کہنے لگے حضرت! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسری منزل میں رہیں اور میں بال بچوں سمیت نچلی منزل میں رہوں گا۔ لیکن اوپر والی منزل کی طرف سیڑھیاں اندر کی سے جاتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس پیش کش کو رد فرما دیا۔ فرمایا اے ابو ایوب! تم اوپر رہو گے اور میں نیچے رہوں گا۔ کہنے لگے حضرت! دل گوارا نہیں کرتا کہ ہم اوپر والی منزل میں رہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیچے والی منزل میں۔

فرمایا دیکھو! جو میں کہتا ہوں صحیح کہتا ہوں۔ میرے پاس لوگوں نے آنا جانا ہے، نیک بھی آئیں گے، بد بھی آئیں گے، مسلمان بھی آئیں گے، یہودی، عیسائی، مجوسی بھی آئیں گے، مشرک بھی آئیں گے، اچھے ارادے سے بھی آئیں گے، بُرے ارادے والے بھی آئیں گے، ستانے والے اور تکلیف دینے والے بھی آئیں گے۔ تمھارے گھر والے نیچے ہوں گے اور سیڑھیاں اندر ہیں یہاں سے چڑھ کر جائیں گے تمھیں تکلیف ہوگی۔ اس لیے میں نیچے رہوں گا جو آئے گا نیچے آئے گا نیچے سے چلا جائے گا۔ بڑی معقول بات تھی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے قبول کر لی۔ کچا فرش تھا اس میں سوراخ تھے تھوڑا پانی گرتا تو نیچے جانے لگ جاتا تھا۔ آج کل کی طرح

پکا فرش نہیں تھا۔آج کل تو جو کچھ ہو رہا ہے یہ تو اس زمانے میں کسی کے تصور میں بھی نہیں تھا۔سردی کا موسم تھا اور پانی والا گھڑا بھرا ہوا ٹوٹ گیا۔میاں بیوی دونوں گھبرا گئے کہ پانی نیچے چلا گیا تو آپ ﷺ کو تکلیف ہوگی۔ایک رضائی ان کے پاس تھی جلدی سے وہ رضائی پانی پر ڈال دی۔رضائی نے سارا پانی جذب کرلیا پانی کا ایک قطرہ نیچے نہیں گیا۔

ان کے گھر کے سامنے جگہ تھی جہاں کھجور کے درخت تھے اور کچھ مشرکوں کی قبریں تھیں۔آپ ﷺ نے فرمایا یہ جگہ کس کی ہے؟ معلوم ہوا کہ دو یتیم بچوں کی ہے اور اب وہ بالغ ہو چکے ہیں۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان کو بھی بلاؤ اور ان کے جو سرپرست ہیں ان کو بھی بلاؤ۔وہ آ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اس جگہ کا ریٹ لگواؤ ہم نے یہاں مسجد بنانی ہے۔انھوں نے کہا لَا نُطَالِبُ ثَمَنَهٗ اِلَّا اِلَى اللّٰهِ حضرت! اس کی قیمت ہم اللہ تعالیٰ سے وصول کریں گے ہم مفت میں دیتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا نہیں ہم نے مفت میں نہیں لینی۔کتنی دور رس نگاہ تھی۔آپ ﷺ نے خیال فرمایا اگر میں نے ان سے جگہ لے لی یتیم بچے ہیں اگرچہ بالغ ہو چکے ہیں لیکن یتیم سمجھے جاتے ہیں لوگ کہیں گے اچھا پیغمبر ہے یتیموں کو ٹھگ لیا اور مسجد بنا لی۔ مخالف تو معاف نہیں کرتے۔

مثال کے طور اس جگہ کی قیمت تھی چار دینار۔کیوں کہ سستا زمانہ تھا۔یہاں بھی آپ جانتے ہیں کہ زمینوں کا کیا ریٹ تھا زمینوں کو کوئی پوچھتا نہیں تھا کئی لوگ جان چھڑانے کے لیے کہتے تھے کہ لو بھئی! اس کا مالیہ تم ادا کرو اور کھاؤ پیو۔اب قیمتیں آسمان پر چڑھ گئی ہیں۔

اذان کی ابتداء کیسے ہوئی؟

تو خیر مثلاً: اس کی قیمت چار دینار تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا ہم دس دینار دیں گے ڈگنی سے بھی زیادہ۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ قیمت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی جیب سے ادا کی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اُمت پر احسان ہے۔ اردگرد یہودیوں کے مکان تھے مسجد بن گئی لوگ تخمیناً اکٹھے ہوتے تھے اذان نہیں ہوتی تھی۔ آپس میں گفتگو ہوئی کہ لوگوں کو جمع کرنے کے لیے کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ کسی نے کہا ناقوس مثل ناقوس النصاری جیسے: عیسائی گھنٹی بجاتے ہیں لوگوں کو جمع کرنے کے لیے نماز کے لیے گھنٹی بجائی جائے۔ کسی نے کہا بُوق مثل بوق الیہود بگل بجاؤ جیسے یہودیوں کی عبادت کا وقت ہوتا ہے تو بگل بجاتے ہیں۔ کسی نے کہا مجوسیوں کی عبادت کا وقت ہوتا ہے تو وہ اُونچی جگہ آگ جلاتے ہیں نماز کا وقت ہو تو آگ جلاؤ۔

لیکن یہ ساری باتیں رد کر دی گئیں کہ اسلام نے ایک ہی جگہ تو جما نہیں رہنا اس نے پوری دنیا میں پھیلنا ہے۔ مشرق کے آخری کنارے تک پہنچے گا مغرب کے آخری کنارے تک پہنچے گا۔ ایسے علاقے بھی ہوں گے جہاں یہودی بھی ہوں گے، نصرانی بھی ہوں گے، مجوسی بھی ہوں گے وہاں گھنٹی بجائی جائے گی تو کیسے معلوم ہو گا کہ مسلمان گھنٹی بجا رہا ہے یا عیسائی بجا رہا ہے۔ بگل بجائی جائے گی تو کیا پتا چلے گا کہ مسلمان بجا رہا ہے یا یہودی بجا رہا ہے۔ اگر آگ جلائی جائے تو کیا پتا چلے گا کہ مسلمان جلا رہا ہے یا پارسی، مجوسی جلا رہا ہے۔ فرق کس طرح ہوگا۔ پھر ایسا طریقہ کہ

غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت ہو اسلام کو پسند نہیں ہے اس لیے یہ ساری باتیں رد کر دی گئیں اور فرمایا تم اس طرح کرو کہ ایک آدمی محلے میں پھرے اور کہے اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃُ "نماز کا وقت ہو گیا ہے مسجد میں آجاؤ۔"

چنانچہ گلی، محلے میں آدمی گھوم کر آواز لگاتے تھے اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃُ۔

ایک صحابی ہیں عبداللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ، انھوں نے خواب دیکھا کہ ایک آدمی گھنٹی اُٹھائے جا رہا ہے اس کو بجانے کے لیے ایک چھوٹی سی لکڑی بھی اس کے پاس ہے۔ انھوں نے اس کو کہا کہ یہ گھنٹی مجھے دے دو ہم لوگوں کو اس کے ذریعے نماز کے لیے بلائیں گے۔ اس نے کہا کہ میں تجھے اس سے اچھی چیز نہ بتلا دوں۔ وہ اصل میں فرشتہ تھا اَلْمَلَكُ الْمُنَزَّلُ مِنَ السَّمَآءِ جِبْرِیْلُ۔ پھر اس نے اذان کے کلمات بتلائے اللہ اکبر، اللہ اکبر آخر تک۔

صبح ہوئی تو یہ بھاگے بھاگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب سنایا۔ فرمایا اچھا بلال کو بلاؤ (رضی اللہ عنہ)۔ ان کی آواز بلند تھی اور اذان میں جتنی آواز بلند ہو اتنی مطلوب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موذن جب اذان دیتا ہے اس کی اذان کو انسان، جن سنتے ہیں، حیوانات سنتے ہیں، پتھر، روڑے، درخت سنتے ہیں۔ جہاں جہاں تک جو جو چیزیں بھی سنتی ہیں قیامت والے دن وہ تمام چیزیں اس کے حق میں گواہی دیں گی۔ اذان کے کلمات کا ثواب علیحدہ اور آواز بلند کرنے کی ساٹھ نیکیاں ہیں۔ اور تکبیر کے کلمات کی نیکیاں علیحدہ ہیں اور آواز بلند کرنے کی تیس نیکیاں علیحدہ ہیں۔ اسی واسطے حدیث پاک میں آیا ہے مَنْ اَذَّنَ

فَهُوَ يُقِيمُ "جواذان کہے تکبیر بھی وہی کہے۔" ہاں! اگر موذن کسی کو اجازت دے تو پھر کوئی دوسرا تکبیر کہہ سکتا ہے۔ اجازت زبان سے دے یا اشارے سے دونوں طریقے درست ہیں۔ موذن کی اجازت کے بغیر دوسرا تکبیر نہیں کہہ سکتا۔

جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینا شروع کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور کہنے لگے حضرت! جن الفاظ کے ساتھ یہ اذان دے رہے ہیں رات خواب میں مجھے بھی ایک آدمی نے بتلائے ہیں۔ ان کو بھی خواب میں فرشتہ ملا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ فَذَالِكَ اَثْبَتُ "اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے بات پختہ ہوگئی۔" (نمبر عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ لے گئے)۔

یہود اور مشرکین اہل اسلام سے عداوت میں پیش پیش :

اذان جب شروع ہوئی تو یہودیوں کو بڑی تکلیف ہوئی۔ مسجد کے اردگرد ان کے مکان تھے۔ قرآن پاک میں ہے: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا [المائدہ:۸۲] "ضرور پائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ عداوت کرنے والے یہود کو اور دوسرے نمبر پر مشرک ہیں۔" اہل ایمان کے ساتھ جتنی عداوت یہودیوں اور مشرکوں کو ہے اتنی دنیا میں کسی فرقے کو نہیں ہے۔ یہودیوں کو پہلے مسجد نبوی میں اکٹھا ہونا گوارا نہیں تھا۔ دیکھتے مسجد نبوی کے صحن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھیوں کو وعظ و نصیحت فرما رہے ہیں۔ لوگ جوق در جوق آ کر کلمہ پڑھتے ہیں۔ ان کو بڑی تکلیف ہوتی۔ پھر اذان اور تکبیر کی آواز ان کے کانوں میں پڑنا شروع ہوگئی۔ یہودی امیر لوگ تھے مدینہ طیبہ کے مختلف محلوں میں ان کے

مکان تھے بعض میں خود رہتے تھے اور بعض کرائے پر دیئے ہوئے تھے۔ کہنے لگے ہمیں کوئی مجبوری تو ہے نہیں کہ ہم ان کے قریب رہیں ان کی اذان اور تکبیر کے الفاظ سن کر ہمارے کلیجے جل گئے ہیں لہٰذا ہم ان مکانوں کو چھوڑ دیتے ہیں دوسرے محلوں میں چلے جاتے ہیں۔ نفرت اور عناد دیکھو! (میں کہتا ہوں اپنے مذہب اور مسلک میں ایسا ہی ہونا چاہیے تب مذہب و مسلک بچتا ہے۔ مرتب)

چنانچہ یہودیوں نے مسجد نبوی کے آس پاس جو مکانات تھے خالی کر دیے اور دوسرے محلوں میں چلے گئے قبیلہ بنو سلمہ اس علاقے میں رہتا تھا جہاں مسجد قبلتین ہے۔ یہ مسجد نبوی سے تقریباً ایک میل کی مسافت پر ہے۔ نشیب و فراز والی جگہ تھی۔

اس محلے میں جو صحابہ رہتے تھے وہ باہم مشورہ کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے حضرت! پتا چلا ہے کہ مسجد نبوی کے قریب مکان خالی ہو گئے ہیں ہمیں نماز پڑھنے کے لیے دور سے آنا پڑتا ہے ہمارا ارادہ ہے کہ ہم یہ مکان کرائے پر لے لیں تاکہ ہم آسانی سے حاضری دے سکیں۔ ہم نے آپ ﷺ کا کلمہ پڑھا ہے آپ ﷺ کی مرضی کے بغیر تو ہم کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو ہم یہاں آجائیں۔ اگر اجازت نہیں دیں گے ہم نہیں آئیں گے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اَلْمُسْتَشَارُ اَمِیْنٌ "جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔" اگر صحیح مشورہ نہیں دے گا تو خائن ہوگا۔ مجھ سے تم نے مشورہ طلب کیا ہے اگر صحیح مشورہ نہ دوں گا تو معاذ اللہ تعالیٰ پھر میں امین نہیں رہ سکتا۔ اس لیے میں تمھیں صحیح مشورہ دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ تم لوگ وہیں رہو اِدھر نہ آؤ۔ دو

وجہ سے۔ ان کو ذہن میں رکھنا۔

① ایک تو یہ کہ تم دور سے چل کر نماز کے لیے آتے ہو اس پر تمھیں ثواب زیادہ ملتا ہے۔ کیوں کہ ہر ہر قدم پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں، ایک درجہ بلند ہوگا، ایک صغیرہ گناہ خود بہ خود مٹتا جائے گا۔ جتنے قدم آنے کے ہیں ان کی بھی نیکیاں ہیں اور واپس جانے کے جتنے قدم ہیں ان کی بھی نیکیاں ہیں۔ اگر تم قریب آجاؤ گے تو تمھاری نیکیاں کم ہو جائیں گی۔ بخاری شریف کی روایت ہے دِیَارُکُمْ تُکْتَبُ اٰثَارُکُمْ دِیَارُکُمْ تُکْتَبُ اٰثَارُکُمْ۔ یہ تو عام نیکیوں کا بدلہ ہے اور فی سبیل اللہ کی مد میں ادنیٰ ترین سات سو نیکیاں ہیں۔ مثال کے طور پر تم قرآن کریم کا درس سننے کے لیے آتے ہو، حدیث شریف کا درس سننے کے لیے آتے ہو ارادے پر جو قدم ہے وہ فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ ہر ہر قدم پر ادنیٰ ترین سات سات سو نیکیاں ہیں وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ [البقرہ:۲۶۱]۔ علم دین حاصل کرنے کے لیے یا تبلیغ دین کی خاطر یا کافروں کے ساتھ جہاد کی خاطر جو قدم اُٹھاتے ہو یہ فی سبیل اللہ کی مد میں ہے جس کا ادنیٰ ترین بدلہ سات سو ہے۔ تو فرمایا تم زیادہ نیکیاں کماؤ اور وہیں رہو۔

② دوسری بات یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ تم اس محلے کو خالی کر دو۔ اس محلے میں مسلمان رہنے چاہئیں۔ اور یاد رکھنا! اس وقت کے مسلمان کا کردار، اس کی شکل و صورت، اس کا اُٹھنا بیٹھنا مستقل اسلام کی دعوت دیتا تھا۔ اس کا خاموش رہنا بھی دعوت الی اللہ تھی۔ بڑا بلند کردار تھا۔ آج معاف رکھنا ہمارے مسلمانوں کا کردار لوگوں کو اسلام سے روکنے کا سبب ہے۔

آج مسلمانوں کا کردار قبولِ اسلام میں رکاوٹ ہے :

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے پر تقریباً چھ لاکھ آدمی جمع ہوئے۔ ان لوگوں کی شکل وصورت دیکھ کر، میل ملاپ اور طرزِ گفتگو دیکھ کر، اخلاص دیکھ کر، بغیر کسی دعوت کے اَسۡلَمَ عِشرون الفا من الیھود والنصاری و المجوس "بیس ہزار یہودی، عیسائی، مجوسی مسلمان ہوئے۔"

یاد رکھنا! اٹلی کا ایک بہت بڑا مؤرخ، بڑا ادیب، منطقی، فلسفی جارج برنارڈ شا انگریز، جس کی کتابوں کو اُونچے طبقے کے لوگ بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ میں آج پیش گوئی کرتا ہوں کہ سو سال میں اسلام بڑے زور وشور سے دنیا میں پھیلے گا۔ اس لیے پھیلے گا کہ اسلام کے اصول بڑے سچے ہیں، ضابطے سچے ہیں، اسلام سچا مذہب ہے۔ تو اس کے دوستوں نے اس کو کہا کہ جب اسلام سچا مذہب ہے تو پھر تو مسلمان کیوں نہیں ہوتا۔ بڑی معقول بات تھی۔

برنارڈ شا کا جواب سن کر ہم مسلمانوں کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ کہنے لگا کہ میں اس لیے مسلمان نہیں ہوتا کہ ان مسلمانوں میں مجھے اُٹھنا بیٹھنا گوارا نہیں۔ (ان مسلمانوں کا کردار صحیح نہیں ہے)۔ اُونچے طبقے کا آدمی تھا وزیروں، مشیروں، سفیروں میں بیٹھتا ہوگا۔ جس قسم کے وزیر، مشیر، سفیر، مسلمان بے نمازی، شرابی اُسی قسم کے غیر مسلم۔ پھر فرق کیا ہوا؟ جیسے یہ جھوٹے ویسے وہ جھوٹے، جیسے یہ مکار ویسے وہ مکار۔ اکثریت کی بات ہو رہی ہے۔ تو آج کے مسلمانوں کا کردار اسلام سے روکنے کا سبب ہے۔ اُس وقت کے مسلمانوں کا کردار لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایمان افروز واقعہ :

بات سے بات نکلتی ہے۔ دیکھو! حضرت علی رضی اللہ عنہ سفر میں تھے۔ بیٹا حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور غلام قنبر ساتھ تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ سفر پر تھے رات کا وقت تھا زرہ (یعنی لوہے کا کوٹ) راستے میں گر گئی۔ پیچھے یہودی تھا اس کو مل گئی۔ یہودی کے پاس زرہ دیکھ کر فرمایا یہ زرہ میری ہے بیٹے اور غلام کی غفلت سے گر گئی تھی۔ یہودی نے کہا جاؤ کام کرو یہ تو میری ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ باوجود امیر المومنین ہونے کے خود کارروائی نہیں کرتے تھے۔ کوفے پہنچ کر شریح بن حارث رحمۃ اللہ علیہ جج تھے اور قدرتی طور پر اُونچا سنتے تھے، بہرے نہیں تھے۔ بڑے زیرک اور حق گو جج تھے۔

شریح بن حارث رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی عدالت میں پیش ہوئے اور فرمایا کہ میرا ایک مقدمہ ہے۔ وہ یہ کہ میری زرہ فلاں یہودی نے اُٹھائی ہے اور دیتا نہیں ہے دلوائی جائے۔ یہودی کو بھی بلایا گیا۔ جج نے کہا دیکھو! مسئلہ یہ ہے کہ اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ "گواہ مدعی کے ذمے ہوتے ہیں اور اگر مدعی گواہ نہ پیش کر سکے تو مدعیٰ علیہ قسم دے گا۔" ایسے نہیں جیسے ہمارے ہاں ہوتا ہے کہ یا تو قسم اُٹھا یا میں قسم اُٹھاتا ہوں۔ یا، یا کی بات کوئی نہیں ہے۔ جو مدعی ہے اس کے ذمے گواہ ہیں گواہ نہیں پیش کر سکتا تو مدعیٰ علیہ سے قسم لی جائے گی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے پاس دو گواہ ہیں۔ ایک میرا بیٹا حسن رضی اللہ عنہ ہے اور ایک میرا غلام قنبر ہے۔ دونوں عاقل، بالغ ہیں۔ جج نے کہا دونوں شہادتیں مردود ہیں۔ نہ حسن کی شہادت قبول اور نہ قنبر کی۔ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا ارشاد ہے کہ بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں شریعت قبول نہیں کرتی اور نہ غلام کی گواہی آقا کے حق میں۔ کوئی اور گواہ ہے تو لاؤ۔ فرمایا میرے پاس تو اور کوئی گواہ نہیں ہے۔

یاد رکھنا! حضرت علی رضی اللہ عنہ جج کا عدل دیکھنا چاہتے تھے مسئلے کا مغالطہ ان کو کوئی نہیں تھا۔ صرف یہودی کو بتلانا چاہتے تھے کہ اسلام میں امیر المومنین بھی فریق بن کر جج کے سامنے کھڑا ہے اور اسلامی اصول کے مطابق امیر المومنین کا بیٹا بھی ان کے حق میں گواہی نہیں دے سکتا اور ان کا غلام بھی ان کے حق میں گواہی نہیں دے سکتا۔ تو پھر یہودی سے کہا کہ تم قسم اُٹھانے کے لیے تیار ہو کہ یہ زرہ ان کی نہیں ہے تمھاری ہے۔ یہودی نے کہا کہ میں نے اسلام کا عدل دیکھنا تھا وہ دیکھ لیا ہے اب میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ چنانچہ عدالت ہی میں اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا اور زرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی۔

تو ایک وقت تھا لوگ مسلمانوں کا کردار دیکھ کر مسلمان ہو جاتے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اُسی محلے میں رہو۔ لوگ تمھیں دیکھیں گے، تمھارے کردار کو دیکھیں گے تم ان کو تبلیغ کرو گے اگر ایک آدمی بھی تمھاری وجہ سے ہدایت پر آ گیا تو یہ تمھارے لیے دنیا و مافیھا سے بہتر ہے۔

یاد رکھنا! اُس وقت کے مسلمان ہماری تمھاری طرح کے مسلمان نہیں تھے کہ نہ نماز پڑھیں، نہ روزہ رکھیں، نہ دین کی تبلیغ کریں، بات سچی نہ کریں، بس صرف کھانے پینے کے دھندے میں لگے رہیں۔ اس طرح کے مسلمانوں کا اس وقت تصور

بھی نہیں تھا۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعین میں سے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ آج اگر صحابی ہمیں دیکھ لیں تو وہ ہمارے بارے میں کہیں کہ یہ مرتد مخلوق کہاں سے پیدا ہوگئی ہے۔ اور اگر ہم صحابہ کو دیکھ لیں تو کہیں یہ مجنوں کہاں سے آگئے ہیں۔ یہ تو تبع تابعین کے دور کی بات ہے کہ اگر ہمیں دیکھ لیں تو یقیناً حیران ہوں گے کہ یہ کون سی مخلوق ہے۔ صرف ایک بات کر کے ختم کرتا ہوں۔

گورنر صحابی کا ننگے سر اور ننگے پاؤں ریت پر چلنا :

ابوداؤد شریف کی روایت ہے حضرت فُضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ یہ بصرہ کے گورنر تھے، دوپہر کا وقت تھا، گرمی کا زمانہ، سر ننگے، پاؤں ننگے، جنگل میں، ریت پر گورنر صاحب بھاگتے ہوئے جا رہے ہیں۔ لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے گورنر صاحب نے کیا انداز اختیار کیا ہوا ہے کہ دوپہر کے وقت ننگے سر، ننگے پاؤں ریت پر بھاگنے کا کیا مطلب ہے؟ قریب جا کر کہنے لگے حضرت! وَاَنْتَ اَمِيْرُنَا آپ ہمارے گورنر ہیں، دوپہر کو گرمی میں، ننگے سر، ننگے پاؤں ریت پر بھاگنے کا کیا معنٰی ہے؟ اور آپ کے ساتھ کوئی اور آدمی بھی نہیں ہے۔ لوگ کہیں گے پاگل ہے اس کے ہوش وحواس ٹھکانے نہیں ہیں۔

فرمایا پاگل کہتے ہیں تو کہتے پھریں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جب کوئی شخص تم میں سے حاکم بنے تو کسی وقت ننگے پاؤں بھی چلے تا کہ اُسے غریبوں کی غربت کا احساس ہو اور دھوپ میں چل کر پسینا بہائے تا کہ پتا چلے کہ غریبوں کو اس کی طرح تکلیف ہوتی ہے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل کر رہا ہوں۔ لوگ جو

کہتے ہیں کہیں۔ وہ لوگ کہاں سے تلاش کریں ہم؟

توفرمایا کہ تم اسی محلے میں رہو تمھارا وجود ان لوگوں کے لیے رحمت بنے گا، ہدایت کا ذریعہ بنے گا اس لیے وہ جگہ نہ چھوڑو۔

سیرتِ سرورِ عالم ﷺ

خطبہ جمعہ المبارک ۲۸ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ

سبق دیتا ہے ہم کو نقش اطہر ان کی سیرت کا
عدالت کا، صداقت کا، امانت کا، سخاوت کا
مٹی ظلمت، زمانہ حلقۂ انوار میں آیا
نظر آیا رخ رنگیں ہمیں صبح سعادت کا

خطبہ مسنونہ کے بعد۔۔۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَیُزَکِّیۡہِمۡ ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ

[سورۃ البقرہ، آیت:۱۲۹؛ پارہ:۱]

تمہید :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اُسوۂ حسنہ کا بیان چلا آرہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت واقعہ عام الفیل سے پچاس دن بعد ہوئی۔ (جس سال ابرہہ ہاتھیوں کی فوج لے کر آیا تھا کعبۃ اللہ پر حملہ کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں کے ذریعہ اس کا کچومر نکالا تھا اس سال کو عام الفیل کہتے ہیں)۔

عرب کی سرزمین پر کوئی سن اس طرح مقرر نہیں تھا جس کے ساتھ عمروں کا لحاظ وشمار کیا جاتا۔ جیسے: اب سن ہجری چودہ سو ایک (۱۴۰۱ھ) والا سال ہے یا سن عیسوی انیس سو اکیاسی (۱۹۸۱ء) ہوگئے ہیں۔ اس طرح کی ان کے ہاں تعیین نہیں ہوتی تھی۔ ایسے ہی لوگوں نے اپنی یادداشت کے لیے اپنے علاقے کے کسی بڑے واقعہ کی نسبت سے سالوں کی تعیین کی ہوتی تھی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت اس سال ہوئی جس سال ابرہہ ہاتھیوں کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہوا۔

ابرہہ کا واقعہ :

اور اس کا مختصر قصہ اس طرح ہے کہ یمن کے علاقے میں ایک بہت بڑا شہر ہے صنعاء۔ اس وقت بھی تھا اور اب بھی ہے۔ یہ علاقہ نجاشی بادشاہ حبشہ کے ماتحت ہوتا تھا۔ اس نے اپنا گورنر اس علاقے میں مقرر کیا ہوتا تھا۔ ابرہہ بن اشرم اس کے گورنر کا نام تھا اور وہ اپنے مذہبی خیالات میں بڑا پختہ اور کٹر تھا۔ نیا نیا گورنر بن کے آیا تھا۔ جب حج کے دن قریب ہوئے، لوگوں نے سفر کی تیاری شروع کی، جماعتوں کی جماعتیں بعض جگہوں پر اکٹھی ہونا شروع ہو گئیں۔ ابرہہ نے اپنے افسروں سے پوچھا کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ اس کو جواب ملا کہ مکہ مکرمہ میں کعبۃ اللہ ہے یہ لوگ وہاں حج کرنے کے لیے جاتے ہیں۔

ابرہہ چوں کہ بڑا کٹر قسم کا مذہبی آدمی تھا اس کو یہ بات گوارا نہ ہوئی کہ یہ لوگ اپنی مذہبی رسومات اس طرح جوش و خروش کے ساتھ منانے کے لیے وہاں جاتے رہیں۔ اس نے اپنے مشیروں سے مشورہ کرنے کے بعد صنعاء میں ایک مصنوعی کعبہ بنا دیا ایسا کہ بڑی وسیع عمارت اور اس کے ارد گرد رہائش کے لیے کمرے اور ان کمروں میں چارپائیاں اور بستر بچھا دیے، آنے جانے والوں کے لیے، کھانے پینے کا انتظام کیا۔ دنیا میں اکثر سطحی قسم کے لوگ رہتے ہیں معاملہ فہم اور بصیرت والے بھی ہیں لیکن اکثریت سطحی قسم کے لوگوں کی ہے۔ انھوں نے خیال کیا کہ یہاں سب کچھ ملتا ہے، چارپائیاں، بستر، عمدہ کھانے، دور کیوں جائیں یہیں ڈیرے لگا لیتے ہیں۔

دو تین سال گزرے مکے والوں کی آمدنی میں کمی آئی۔ کیوں کہ ان کی آمدنی

کا ذریعہ ہی حاجی تھے۔ حاجی آتے کچھ نذرانے دیتے، کعبۃ اللہ کے متولی ہونے کی وجہ سے ان کے آگے سودا سستا بیچ دیتے کچھ ان سے خرید لیتے۔ مکے والوں نے دیکھا کہ دو تین سال سے بڑی مار پڑ رہی ہے، آنے والے بھی تھوڑے ہیں، نذرانے بھی کم وصول ہوتے ہیں، خرید و فروخت بھی کم ہے۔ تحقیق کرو قصہ کیا ہے؟ تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ کعبۃ اللہ کے مد مقابل صنعاء کے مقام پر ایک مصنوعی کعبہ بنا دیا گیا ہے اور بڑی سہولتیں دی گئی ہیں۔ اس لیے کھانے پینے والے لوگ وہاں چلے جاتے ہیں۔ قبیلہ بنو خزاعہ کا ایک بہت ہوشیار قسم کا آدمی تیار کیا کہ اس مصنوعی کعبے کو جا کر جلائے، گرائے، توہین کرے۔ تاکہ اس کی حیثیت ختم ہو۔ اور جو مذہبی قسم کے لوگ تھے وہ چاہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حج کا جو طریقہ ہے وہ ختم نہ ہو۔ وہ شخص وہاں گیا چند دن وہاں ٹھہرا موقع پا کر اس نے مصنوعی کعبہ کو آگ لگا دی اور غلاظت وغیرہ مل دی۔ بہر حال تحقیق ہونے پر پتا چلا کہ مکے والوں کی کارروائی ہے۔

ابرہہ بڑا انتقامی ذہن کا آدمی تھا۔ اس کے پیچھے ایک طاقت ور حکومت تھی۔ اس نے وہ جعلی کعبہ بنایا تھا۔ مذہبی مسئلے میں بڑی قوت ہوتی ہے۔ اس نے ہاتھیوں کا لشکر تیار کیا، لوگ تیار کیے کہ مکے والے کعبہ کو گرانا ہے۔ اس وقت ہاتھی ٹینکوں کا کام دیتے تھے۔ بڑی عمارتوں کو گرانا، قلعوں کو گرا دینا، دروازے توڑ دینا۔ وہ لشکر لے کر چلا۔ مزدلفہ میں ایک جگہ ہے وادیٔ محسّر۔ اس وادی محسّر کے مقام پر جب پہنچا۔ آج کل سعودی حکومت نے کناروں پر جنگلے لگا دیے ہیں کہ ادھر کوئی نہ جائے اور شرطے کھڑے کیے ہوتے ہیں وہ ادھر نہیں جانے دیتے۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ مزدلفہ سارے کا سارا ٹھہرنے کی جگہ ہے مگر وادی محسّر میں نہیں ٹھہرنا۔

اگر کوئی شخص حج کے دوران میں وادی محسّر میں ٹھہرا تو اس کے حج پر زد پڑے گی حج نہیں ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں مجرم قوم اس ارادے سے پہنچی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے گھر کو گرائے (اور اللہ تعالیٰ نے ان کا وہاں کچومر نکالا تھا)۔ گویا ان کے ساتھ بائیکاٹ کا ایک جذبہ اسلام نے رکھا ہے کہ تم مجرموں کی جگہ نہ جاؤ۔ قرآن کریم میں آتا ہے وَلَا تَرْكَنُوٓا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ [ھود:۱۱۲] "مت جھکو تم ان لوگوں کی طرف جو ظالم ہیں پس چھوئے گی تم کو آگ۔" تمھیں بھی عذاب پہنچے گا۔

جب ابرہہ کا لشکر وادی محسّر میں پہنچا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب اس وقت بیت اللہ کے متولی تھے۔ اُونٹ، بکریاں چرانے والے چرواہے گھبرائے ہوئے آئے اور کہنے لگے بابا جی! حملہ ہونے والا ہے۔ عرب قبائل کا آپس میں اختلاف ہوتا تھا۔ مکے والوں کا قبیلہ بنو کنانہ اور قبیلہ بنو خزاعہ کا اور کبھی ثقیف والوں کے ساتھ اختلاف ہوتے رہے ہیں۔ انھوں نے سمجھا کہ شاید عرب قبائل میں سے کوئی قبیلہ حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ وہ علاقائی جنگ کے ڈھنگ جانتے تھے کہ اس قبیلے کا دفاع کس طرح اور کیسے ہوتا ہے، کتنی تعداد اور اسلحہ کتنا ہے۔ کیوں کہ وہ سب عرب تھے ایک دوسرے کے بھید سے واقف تھے۔ چرواہوں نے کہا کہ وہ یمن کے علاقہ صنعاء سے آئے ہیں (اس وقت وہ علاقہ عرب میں شامل نہیں تھا)۔ اور ہاتھیوں کا لشکر ہے بے پناہ۔

جس وقت عبد المطلب نے یہ بات سنی تو کچھ گھبرائے اور کہنے لگے ہاتھی عربیوں میں سے کسی کے پاس نہیں ہیں۔ ہاتھیوں کا لشکر آیا ہے تو لازمی طور پر صنعاء

کے گورنر کی کارروائی ہے۔ فوری طور پر منادی ہوئی کہ اکٹھے ہو جاؤ۔ اس وقت کعبۃ اللہ سے بلند کوئی عمارت نہیں تھی۔ آج تو اتنی بلند بلڈنگیں بن گئی ہیں کہ دور سے کعبہ نظر ہی نہیں آتا۔ آبادی محدود تھی لوگ جمع ہو گئے۔ عبد المطلب نے کہا تم اس طرح کرو کہ عورتیں، بچے اور ضروری سامان لے کر پہاڑوں پر چڑھ جاؤ شہر خالی کر دو کیوں کہ ابرہہ ہاتھیوں کا لشکر لے کر آیا ہے اس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تمھاری بے حرمتی اور توہین نہ ہو۔ نوجوان بولے بابا جی! ہم اپنا بچاؤ کریں اور کعبۃ اللہ کا تحفظ نہ کریں۔ یہ رب تعالیٰ کا گھر ہمیں اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ہے۔ ہمیں اپنی توہین برداشت ہے مگر اللہ تعالیٰ کے گھر کی بے حرمتی گوارا نہیں ہے۔ اچھا جذبہ، اچھی بات تھی۔ یہی کہنا چاہیے تھا۔

عبد المطلب بولے برخوردار! تم ناتجربہ کار ہو وہ ہاتھیوں کا لشکر لے کر آئے ہیں تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تم اپنا بچاؤ کرو۔ رہا مسئلہ کعبۃ اللہ کا تو کعبے کا مالک زندہ ہے وہ خود حفاظت کرے گا، وہ حی اور قیوم ہے۔ نوجوانوں کو بات سمجھ آ گئی۔ یہ لوگ اپنا سامان لے کر پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ جب ہاتھیوں کا لشکر وادی محسر پہنچا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کعبۃ اللہ کی بالکل سیدھ پر مشرق کی طرف تیس میل دور سمندر ہے۔ پہلے زمانے میں لوگ یہیں سے حبشہ جاتے تھے۔ جدہ اس وقت نہیں تھا۔ اب جدہ بندرگاہ بن گئی ہے جو مکہ مکرمہ سے پینتالیس میل دور ہے۔

اس سمندر کی طرف سے چھوٹے چھوٹے پرندوں کا ایک غول، ایک جماعت آئی جیسے بادل ہوتا ہے۔ ان پرندوں نے لشکر پر بم باری شروع کی۔ مسور کے دانے کے برابر تین تین کنکریاں ہر ایک کے پاس تھیں، دو، دو پنجوں میں اور ایک

ایک چونچ میں۔ لیکن یقین جانو! سچ کہا تھا عبدالمطلب نے کہ کعبے والا زندہ ہے۔ وہ کنکر سوار کے سر پر پڑتا اور اس کو چیر کر نیچے ہاتھی کو چیر کر نکل جاتا۔ ایسی جلن پیدا ہوتی کہ بندہ تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔ رب تعالیٰ کی قدرت دیکھو! پرندہ کیا ہے؟ پھر مسور کے دانے سے کون سا بندہ مرتا ہے؟ بندے بڑے بڑے مکے کھا کر نہیں مرتے۔ مگر رب تعالیٰ جو کام کرنا چاہے وہ کر گزرتا ہے، وہ قادر مطلق ہے اس پر یقین اور اعتماد چاہیے۔ وہ کمزور سے کمزور اور ضعیف سے ضعیف شے سے وہ کام لے لیتا ہے جو کام قلعے نہ دے سکیں، فوجیں نہ کر سکیں۔

یہ واقعہ قرآن پاک میں مذکور ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ﴿١﴾ ۔ یہ واقعات محض اس لیے پیش کیے گئے ہیں کہ ہمارے ایمان میں پختگی پیدا ہو۔

مشرک کی مثال تارِ عنکبوت کی :

اَلشَّيْءُ يذكر بِالشيء

"بات سے بات نکلتی ہے۔"

قرآن پاک میں رب تعالیٰ شرک کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں، مثال دیتے ہیں وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ [العنکبوت:۴۱] "اور بے شک تمام گھروں سے کمزور گھر مکڑی کا ہوتا ہے۔" آپ نے مکڑی کا جالا دیکھا ہوگا انگلی لگاؤ تو ختم ہو جاتا ہے، پھونک مارو تو ختم ہو جاتا ہے۔ رب تعالیٰ نے مشرکوں کو مثال سے سمجھایا ہے کہ غیر اللہ سے نفع کی اُمید رکھنے والو اور غیر اللہ کے ضرر سے ڈرنے والو تم

مکڑی کی طرح ہو جیسے وہ جالے سے پناہ لیتی ہے حالاں کہ وہ جالا اس کو نہ گرمی سے بچا سکتا ہے اور سردی سے۔ پھر دیکھا ہوگا کہ عموماً مکڑی یہ جالا کسی مکان کے کونے میں بُنتی ہے۔

اس مثال میں مشرک کی عقل کی دوسری خامی بیان فرمائی کہ اس کو اتنی بڑی عمارت کافی نہیں کہ نیچے جالا بُنتی ہے۔ مشرک رب کو مانتے ہوئے نیچے اپنے لیے جالے بنتے ہیں۔ پھر ایک چیز اور بھی ہے۔ مکڑی جالے کے لیے مواد باہر سے نہیں لاتی۔ جیسے: تم مکان بنانے کے لیے اینٹیں بھٹے سے لاتے ہو، ریت، بجری وغیرہ لاتے ہو۔ لیکن مکڑی کے جالے کا سارے کا سارا مواد اس کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ وہ اس کا لعاب ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مشرک کے پاس باہر سے کوئی دلیل نہیں (نہ قرآن سے، نہ حدیث سے) جو کچھ نکلتا ہے ظالم کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا [الکہف:۵]

مکڑی کا جالا سب سے کمزور ہے مگر رب چاہے تو اس سے قلعہ کا کام لے لے۔

دیکھو! ہجرت کی رات جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں غارِ ثور میں داخل ہوئے تو کافر تلاش کرتے کرتے غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔ بخاری شریف میں روایت ہے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضرت! اگر یہ جھانکیں تو ہمیں دیکھ لیں گے۔ فرمایا لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا [التوبہ:۴۰] "غم نہ کر بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔" گھبراؤ نہیں۔

رب تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کرشمہ ظاہر کیا مکڑی کو حکم دیا کہ فوراً غار کے منہ

پر جالا بن دو۔ مشرکوں کے آنے تک جالا بنا ہوا تھا۔ کھوجی بڑا سمجھ دار آدمی تھا۔ کہنے لگا اس غار تک ان کے قدموں کے نشانات ملتے ہیں۔ جو تلاش کے لیے کھوجی کے ساتھ آئے تھے وہ کھوجی کے پیچھے پڑ گئے اور کہنے لگے اُو بے وقوف! اس غار میں داخل ہوتے تو جالا اس طرح رہتا؟ خواہ مخواہ تو نے ہمیں دشوار گزار پہاڑ پر چڑھایا ہے اور اس کو خوب بے عزت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مکڑی کے جالے سے قلعہ کا کام لیا۔ پرندوں سے لڑا کے جہازوں کا کام لیا۔ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

ایمانِ صحابہ :

یہ سب باتیں ہیں رب تعالیٰ پر یقین کی۔ ایمان مضبوط ہو، عمل صالح ہو تو بڑا کچھ ہوگا۔ ایمان کمزور ہو، یقین کمزور ہو تو پھر کچھ نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چار ہزار کا لشکر بھیجا بحرین کی طرف جب کہ وہاں کے گورنر منذر بن ساویٰ نے غداری کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بحرین فتح ہو چکا تھا۔ مُنذر بن ساویٰ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا لیکن اس نے غداری کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چار ہزار کا لشکر بھیجا۔ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ اس لشکر کے سپہ سالار تھے۔ ان کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جہاد کے شوق میں اور یہ علم نہیں تھا کہ بحرین اور سعودی عرب کے درمیان سمندر ہے خشک راستہ کوئی نہیں۔ جب وہاں پہنچے تو حیران ہو گئے کہ کیا کریں؟ ہمارے خیال میں تو تھا کہ کوئی خشک کونہ ہوگا وہاں سے گزر جائیں گے۔

بہر حال سمندر کو پار کرنا ہے۔ کہنے لگے اپنے مرکز کو اطلاع بھیجو تاکہ مرکز ہمیں اس کے متعلق ہدایات دے۔ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ مرکز والوں کو پریشان کرنے کی ضرورت ہے دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھی۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب کوئی حاجت پیش آئے تو دو رکعت پڑھ کر دعا کرو۔ پھر دعا کی "اے پروردگار! ہم سارے عاجز ہیں اور آپ قادر ہیں۔ اے پروردگار! ہم اسباب کے محتاج ہیں اور آپ کسی سبب کے محتاج نہیں ہیں۔ اے پروردگار! تیرے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ آپ ہمارے لیے سطح سمندر کو خشکی کی طرح کر دیں۔" دعا کی اور چار ہزار کا لشکر اُونٹ، گھوڑے، خچر، گدھوں کو لے کر سمندر میں داخل ہو گئے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ سمندر پار کر گئے کسی کے پاؤں بھی تر نہیں ہوئے اور نہ کوئی شے ضائع ہوئی۔

مگر آج کل کے مادی دور میں ایسی روحانی باتیں سمجھنا بڑی مشکل ہیں۔ ہم ہر چیز کو مادی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔

خیر یہ میرا مضمون نہیں ہے۔ میں عرض کر رہا تھا کہ عام الفیل جس سال ابرہہ ہاتھی لے کر آیا تھا حملے کے پچاس دن بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت سے لے کر نبوت تک کے واقعات قدرے تفصیل کے ساتھ میں بیان کر چکا ہوں۔

آغازِ نبوت :

گزشتہ جمعہ یہاں تک سبق پہنچا تھا کہ جب آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوگئی سوموار کا دن تھا جبلِ نور پر غارِ حرا میں آپ ﷺ کو نبوت ملی۔ جبرئیل علیہ السلام نے آ کر رب تعالیٰ کا پیغام سنایا، وحی سنائی۔ آپ ﷺ وحی لے کر حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور ان کو بتلایا کہ اس طرح کا معاملہ پیش آیا ہے مجھے خدشہ ہے کہ کہیں میری جان نہ ضائع ہو جائے۔ کہنے لگیں اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں کرے گا۔ آپ مہمان نواز ہیں، مصیبت پر لوگوں کے کام آتے ہیں، غریبوں کی ہم دردی کرتے ہیں۔ اور یاد رکھنا! اچھے کام اور اچھے کاموں کا رب تعالیٰ ضرور صلہ دیتا ہے اور بہت ساری مصیبتوں سے نجات کا سبب بن جاتے ہیں۔ بندے کو یاد بھی نہیں ہوتا کہ کسی وقت اس نے نیکی کی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو صلہ دیتے ہیں۔ اور اگر برائی کی ہوتی ہے تو اس کا وبال بھی پڑتا ہے۔ (ہاں! اگر اللہ تعالیٰ کسی نیکی کی وجہ سے معاف کر دے تو اس کی شان ہے۔ مرتب)۔ اگر کوئی یہ خیال کرے کہ مجھے برائی پر فوراً سزا نہیں ہوئی، ہفتے، مہینے تک نہیں ہوئی تو وہ یہ نہ سمجھے کہ گرفت سے بچ گیا ہوں، مغالطے میں نہ رہے۔ خدا کسی وقت بھی پکڑ سکتا ہے اور جب پکڑے گا تو اِنَّ بَطۡشَ رَبِّكَ لَشَدِيۡدٌ [البروج: پارہ ۳۰] "آپ کے رب کی گرفت بڑی سخت ہے۔"

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں میں آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس

لے چلتی ہوں۔ یہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ ﷝ کے چچازاد بھائی تھے۔ کسی زمانے میں یہ مشرک تھے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی عیسائی ہو گئے اور آپ ﷺ کی نبوت سے پہلے عیسائی مذہب ہی نجات والا تھا۔ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد سارے ادیان ختم ہو گئے۔ منسوخ ہو گئے۔ اب ساری دنیا کے لیے نجات صرف آپ ﷺ کے کلمہ میں ہے۔ مشرق سے لے کر مغرب تک، شمال سے لے کر جنوب تک، آپ ﷺ کو نبوت ملنے سے لے کر اُس دن تک جب اسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے نجات آپ ﷺ کا کلمہ پڑھنے میں ہے۔

ورقہ بن نوفل نے پوچھا کہ آپ نے کیا دیکھا ہے؟ آپ ﷺ نے سارا واقعہ بیان فرمایا۔ کہنے لگے آپ نے فرشتے کو دیکھا ہے؟ فرمایا ہاں! میں نے دیکھا ہے۔ اس نے مجھے یہ کہا۔ کہنے لگے ذٰلِكَ النَّامُوْس "یہ وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اُترا اور جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات جیسی کتاب دی اور اللہ تعالیٰ کے احکام دیے۔"

ورقہ بن نوفل نے یہ بھی کہا کہ کاش! میں اس دن تک زندہ رہوں جس دن لوگ آپ کو یہاں سے نکالیں گے لَاَنْصُرَنَّكَ نَصْرًا مُّؤَزَّرًا "میں آپ ﷺ کی مدد کروں گا، پورے زور کے ساتھ ڈٹ کر آپ ﷺ کی تائید کروں گا۔" جب آپ ﷺ نے یہ الفاظ سنے تو فرمایا: اَوَ مُخْرِجِیَّ "کیا مکے والے مجھے نکالیں گے؟" آج تک تو مجھے صدوق کہتے ہیں، امین کہتے ہیں، ہر طریقے سے مجھ پر اعتماد کرتے ہیں مجھے نکالیں گے؟ ورقہ بن نوفل نے کہا ہاں! جو بات آپ ﷺ نے ان سے کہی ہے وہ جس پیغمبر نے بھی کہی ہے اس کو ضرور نکالا گیا ہے۔

ورقہ بن نوفل جنتی ہیں یا جہنمی؟

تھوڑے دن گزرے کہ ورقہ بن نوفل کی وفات ہو گئی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ ورقہ بن نوفل کس طرف گئے ہیں؟ جنت کی طرف یا دوسری طرف۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں دو باغ دیکھے ہیں۔ وہ ان باغوں میں مزے کرتے پھر رہے ہیں۔ اس وقت نماز روزے کا حکم تو نہیں آیا تھا صرف دل کی تصدیق کا نام تھا اور وہ دل سے مان گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے پیغمبر ہیں اور آنے والا فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ اور جب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نکالیں گے اس وقت میں زندہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری پوری مدد کروں گا۔ اسی تائید کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُسے جنت کا وارث بنا دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلمے کی تبلیغ شروع کی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے کلمہ پڑھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا، غلاموں میں سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا، بچوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی قربانی ہے۔ ہر طرح سے مدد کی۔ پیسوں سے، وقت سے۔ پیسوں سے اس طرح کہ جو غلام مسلمان ہوتے مثلاً: حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت خباب رضی اللہ عنہ، حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ، حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا، حضرت نہدیہ رضی اللہ عنہا، حضرت جاریہ رضی اللہ عنہا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت ام عمیر رضی اللہ عنہا۔ کچھ مرد تھے اور کچھ عورتیں تھیں۔ یقین جانو! کافروں نے ان پر بڑے ظلم ڈھائے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید کر آزاد کیا صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے۔

یہ تو انھوں نے پیسوں سے اسلام کی خدمت کی اور وقت کی قربانی اس طرح کہ جس کو ملے اس کو توحید کی دعوت دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی دعوت دی، اس کے سامنے کلمہ پیش کیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ، یہ پانچ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے مسلمان ہوئے ہیں۔ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے آپ تجارت کرتے تھے۔ جو وقت بچتا تھا وہ سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ کے لیے صرف کرتے تھے۔

مشرکین کی اسلام کے خلاف چالیں :

شروع شروع میں تو کافروں کو سمجھ نہ آئی کہ کیا ہو رہا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد سمجھے کہ ہمارے الٰہ تو ختم ہیں۔ قرآن پاک میں ہے کافروں نے کہا اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ [ص:۵] "کیا اس نے کر دیا ہے تمام معبودوں کو ایک معبود بے شک یہ تو عجیب چیز ہے۔" اس نے سارے خداؤں کا انکار کر کے یہ سبق شروع کر دیا ہے کہ ایک ہی الٰہ ہے۔ بڑی عجیب بات ہے، نہ لات باقی رہا، نہ منات، نہ عزّٰی، نہ ہبل، سارے ختم صرف ایک خدا رہ گیا ہے لا الٰہ الا اللہ۔ کہنے لگے اس کا مقابلہ کرو۔

مقابلے کی کئی صورتیں سامنے آئیں مگر ایک صورت پاس کی کہ جس جگہ یہ تبلیغ کرے، قرآن پڑھے شور مچاؤ تا کہ کسی کے کان میں کوئی بات نہ پڑے۔ چوبیسویں

پارے میں ہے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ [حم السجدہ:۲۶] "اور کہا کافروں نے نہ سنو اس قرآن کو اس میں شور وشر کرو تا کہ تم غالب آجاؤ۔" کافروں نے کہا جب یہ قرآن پڑھے تو شور مچاؤ کہ کسی کے کان میں نہ پڑے۔ لیکن آخر حق حق ہے کتنی دیر شور مچائیں گے مچاتے رہیں۔ ان حالات میں بھی اسلام اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پھیلا ہے آگے بڑھا ہے پیچھے نہیں ہٹا۔ یہ حربہ ان کا ناکام ہوا تو دوسرا شروع کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سوشل بائیکاٹ:

کہنے لگے ان کو نظر بند کرو اور ان کے ساتھ سوشل بائیکاٹ کرو۔ شعب ابی طالب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تین سال تک قید کیا۔ نہ کوئی آئے نہ کوئی جائے۔ حالات یہاں تک پیدا کر دیے گئے کہ ایک چھوٹی سی بچی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر اندر آئی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بچی حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی بھتیجی تھی۔ بعض کہتے ہیں ان کی بیٹی تھی، کوئی کہتا ہے بھانجی تھی اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھتیجے تھے اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ یہ بچی روتی ہوئی واپس گئی۔ پوچھا کیا بات ہے؟ تو کہنے لگی دادی جی میرے سامنے اُٹھی اور گر پڑی، پھر اُٹھی اور گر پڑی، پھر اُٹھی اور گر پڑی۔ جب ہوش میں آئی تو میں نے پوچھا دادی جی! کیا بات ہے؟ تو انھوں نے کہا بیٹی کچھ نہیں الجوع بھوک ہے۔ جب بچی نے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو یہ بات سنائی تو وہ پریشان ہو گئے کہ یہ کیا قصہ بن گیا ہے۔ کہنے لگے اگر کھلے طور پر جاتا ہوں تو سارا مکہ میرے مقابلے میں آجائے گا۔ کیوں کہ

میں بھی معاہدہ کرنے والوں میں سے ہوں۔ کیوں کہ ان کی مذہبی بات تھی۔ لہٰذا کھلے طور پر تو کچھ نہیں پہنچانا چاہیے کہ مجھ سے باز پُرس ہوگی کہ ان کو رسد کیوں پہنچاتے ہو؟ لہٰذا خفیہ طور پر کچھ چیزیں پہنچادو۔

چنانچہ اُنھوں نے سیانے آدمی کے ہاتھ نہیں بلکہ ایک ناسمجھ بچے کے ہاتھ بعض تاریخوں میں صبی کا لفظ بھی آتا ہے اور صبیہ کا لفظ بھی آتا ہے۔ بچہ تھا یا بچی تھی اس کے ہاتھ کچھ کھجوریں، کچھ ستو، کچھ آٹا، خشک دودھ کی گٹھڑی بنا کر بھیج دی۔ کافر نگرانی کرتے تھے۔ ان کو پتا چل گیا کہ حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی کے ساتھ رابطہ کرلیا ہے اور ان کی طرف سامان بھیجا ہے۔ فوری طور پر دار الندوہ میں ہنگامی اجلاس بلایا گیا اور حکیم بن حزام کو بلا کر پوچھا گیا بتلاؤ کیا بات ہے؟

اُنھوں نے کہا کہ میں جھوٹ تو نہیں بولوں گا عقیدہ جو تمھارا ہے میرا بھی وہی ہے تم بھی لات، منات، عزّٰی کے پجاری ہو میں بھی ان کا پجاری ہوں۔ کلمے میں مَیں ان کا ساتھ نہیں دیتا میرے سامنے یہ بات آئی کہ میری پھوپھی پر بھوک کی وجہ سے غشی طاری ہوگئی تھی وہ کبھی گرتی تھی، کبھی ہوش میں آتی تھی میں نے ان کو ضرور کھانے کی چیزیں بھیجی ہیں صرف انسانی ہم دردی کے تحت اور خونی رشتے کی وجہ سے حالت سن کر میں گوارا نہ کرسکا۔ ابوجہل نے کہا کہ اس کو سزا ملنی چاہیے اس نے معاہدے کی خلاف ورزی کیوں کی ہے؟ دو چار جذباتی بھی اس کے ساتھ کھڑے ہو گئے کہ ضرور سزا ملنی چاہیے۔ ایک آدمی تھا ابوالبختری۔ تھا تو وہ کافر لیکن بندہ سمجھ دار تھا۔ کہنے لگا دیکھو! انصاف اچھی چیز ہے اس نے صاف کہہ دیا ہے کہ عقیدہ میرا وہی ہے جو تمھارا ہے۔ اگر عقیدہ ان جیسا ہوتا تو پھر اعتراض بنتا تھا اور پھر یہ ان کے پاس

گیا بھی نہیں ہے۔ اس میں بھی وہ سچا ہے کہ ہم بھی نگرانی کرتے ہیں۔ اگر انسانی ہمدردی اور خونی رشتے کی وجہ سے اس نے کچھ چیزیں بھیج دی ہیں تو کوئی جرم نہیں کیا آخر اس کی پھوپھی تھی اور اس پر بھوک کی وجہ سے غشی پر غشی طاری تھی۔ ابوالبختری اثر ورسوخ والا آدمی تھا اور مکہ مکرمہ میں ابوجہل کے برابر کا آدمی سمجھا جاتا تھا۔ دو چار اسکے حواری اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے جی ہاں! ہم اس کے ساتھ ہیں۔ وہ جو زور تھا ٹوٹ گیا اور بات رفع دفع ہوگئی۔ اور اس زمانے میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسلام پھیلا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اسی زمانے میں مسلمان ہوئے ہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہجرت کرنا اور ابن دُغنہ کا واپس لانا :

مشرکوں نے مسلمانوں پر بڑے ظلم کیے مصائب کے پہاڑ ڈھائے کہ مسلمان ہجرت پر مجبور ہوگئے۔ نبوت کے پانچویں سال تقریباً تریاسی [۸۳] آدمی ہجرت کر کے حبشے چلے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ہجرت کے لیے نکلے۔ جب برک غماد کے مقام پر پہنچے تو ابن دُغنہ کافر جس کا نام ربیع بن کنانہ تھا ملا اور کہنے لگا ابوبکر! کہاں جارہے ہو؟ فرمایا مکے میں تیری قوم مجھے عبادت نہیں کرنے دیتی جہاں میں کھل کر اپنے رب کی عبادت کرسکوں وہاں جارہا ہوں۔ ابن دغنہ نے کہا کہ تیرے جیسا آدمی اگر مکہ سے چلا گیا تو یتیموں کی پرورش کون کرے گا؟ بیوہ عورتوں کا خیال کون کرے گا؟ مہمانوں کی خدمت کون کرے گا اور بے کسوں کا بوجھ کون اُٹھائے گا؟ میں تجھے اپنی ذمہ داری پر واپس لے جاتا ہوں۔ مکہ مکرمہ کے مشہور قبیلہ بنو قارہ کا

یہ سردار تھا۔

مکہ مکرمہ پہنچ کر اس نے کہا میں ابوبکر کو اپنی ذمہ داری پر لے آیا ہوں تم نے اس کو کچھ نہیں کہنا۔ کافر کہنے لگے یہ قرآن پڑھے گا تو ہماری طرف سے پابندی ہوگی۔ اپنے گھر سے باہر قرآن نہیں پڑھ سکتا۔ کیوں کہ ہمیں خدشہ ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے اس کی طرف مائل ہو جائیں گے اور گھر میں بھی پڑھے گا تو وَلَا يَسْتَأْذِن بِذٰلِك بخاری شریف کی روایت ہے کہ بلند آواز سے نہ پڑھے۔ کچھ دن تو اندر کمرے میں پڑھتے رہے جب سردی کا موسم تھا۔ پھر جب گرمی کے دن آئے تو اپنے گھر کے صحن میں پڑھنے لگے اور بخاری شریف کی روایت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب قرآن کریم پڑھتے تھے تو روتے تھے کیوں کہ رب تعالیٰ کے کلام کے مفہوم کو سمجھتے تھے۔

معاف رکھنا! ہماری تو طوطے والی رٹ ہے ہمیں نہیں پتا کہ اس میں کیا ہے اور کیا کہہ رہا ہے۔ اور یاد رکھنا! قرآن کریم پڑھنا رب تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونا ہے۔ تمام نفلی عبادتوں میں قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب زیادہ ہے اور اگر نماز میں پڑھا جائے تو نُوْرٌ عَلٰى نُوْر ہے۔ سلف صالحین حضرات رات کو نفلوں میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے اپنی اپنی توفیق کے مطابق جس کو جتنا وقت ملتا تھا۔

حارث بن ابی ھالہ رضی اللہ عنہ کی شہادت :

تو مکے والوں نے اتنے ظلم ڈھائے کہ مسلمان ہجرت کر کے حبشے چلے گئے لیکن مکے والوں کے ظلم کم نہ ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کی ایک گلی سے آہستہ

آہستہ قرآن شریف پڑھتے ہوئے گزر رہے تھے کہ عقبہ بن ابی مُعیط کافر نے جو بڑا ہتھ چھٹ تھا آپ ﷺ کی غفلت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے پیچھے سے دھکا دیا۔ آپ ﷺ گر پڑے تو آپ ﷺ کی چھاتی پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور گلے میں چادر ڈال کر اس کو بل دینے شروع کیے اور کہنے لگا کہ لات کی قسم ہے آج میں نے تجھے ختم کرنا ہے۔

کسی نے جا کر حارث بن ابی ہالہ جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند سے بیٹے تھے ان کو اطلاع دی تو یہ وہاں پہنچے۔ لیکن ان سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہنچے ہوئے تھے۔ فرمایا اُو ظالمو! اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ [المومن:٢٨] کیا اس واسطے اس کو شہید کرتے ہو کہ یہ کہتا ہے میرا رب صرف اللہ ہے۔ اس نے تمھارا کیا بگاڑا ہے؟ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ حارث بن ابی ہالہ بھی آ ملے۔ وہ ذرا گرم قسم کے نوجوان تھے۔ کہنے لگے ہمارے نبی کے گلے میں چادر کس نے ڈالی ہے؟ عقبہ بن ابی مُعیط بڑا موثر آدمی تھا۔ اس کے آدمیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ ان کو اتنا مارا کہ یہ شہید ہو گئے۔ تاریخ اُٹھا کر دیکھو مسلمانوں میں پہلا آدمی جس نے آنحضرت ﷺ کی عزت کی حفاظت کی خاطر اپنی جان دی وہ حارث بن ابی ہالہ ہیں، رضی اللہ عنہ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسلام کی خاطر مظالم برداشت کرنا :

اور عورتوں میں سمیہ رضی اللہ عنہا پہلی شہیدہ ہیں۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ اور حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ۔ مشرکوں نے ان پر بڑے ظلم ڈھائے۔ حضرت

یاسر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں گرم سلاخیں پھیر کران کواندھا کر دیا۔سلائی پھیرتے تھے اور کہتے تھے کلمہ چھوڑ دو۔فرماتے کلمہ چھوڑنے والی چیز نہیں ہے۔مشرک کہنے لگے ایک آنکھ ضائع ہوگئی ہے کلمہ چھوڑ دے ورنہ دوسری بھی جائے گی۔فرمایا اگر رب تعالیٰ کی رضا کے لیے جاتی ہے تو جائے۔دوسری آنکھ بھی گئی۔پھر کافر کہنے لگے اب بھی کلمہ چھوڑ دو جان تو بچ جائے گی۔فرمایا رب تعالیٰ کی رضا کے لیے جان بھی جاتی ہے تو جائے، اللہ راضی ہو جائے۔یقین جانو! اُس دور کے مسلمان اتنے پختہ ذہن کے مسلمان تھے کہ کسی تکلیف کو دیکھ کر اسلام سے نہیں پھرے۔نہ مرد، نہ عورتیں، نہ بچے، نہ بوڑھے، نہ جوان۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی قربانی :

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بڑے خوش پوش نوجوان تھے۔ایک دن میں تین تین سوٹ بدلتے تھے۔ایک صبح کے وقت، ایک دوپہر کے وقت، ایک عصر کے وقت۔عطر کی شیشی ان کی جیب میں رہتی تھی۔ساسانی اور غسانی بادشاہ جو جوتے پہنتے تھے وہ ان کے پاؤں میں ہوتے تھے۔پٹوں کو تیل لگا ہوا، کنگھی کی ہوئی، جب کسی گلی سے گزرتے تھے تو لوگ نظارہ کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے کلمے کی توفیق عطا فرمائی۔ان کا باپ عمیر بڑا سخت مزاج آدمی تھا پہلے ماں نے سمجھایا کہ کلمہ چھوڑ دے۔فرمانے لگے کلمہ نہیں چھوڑنا۔باپ نے سمجھایا کہا نہیں چھوڑنا۔باپ نے کپڑے اُتروا لیے، جوتے اور پگڑی بھی چھین لی۔بکریوں کے بالوں کا ٹاٹ پہن کر گلیوں میں چلتے تھے۔لوگ دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ یہ وہ نوجوان ہے بادشاہوں کے جوتے پہننے

والا مکے کی پتھریلی زمین پر ننگے پاؤں پھر رہا ہے محض اس لیے کہ کلمہ توحید پڑھ لیا ہے۔یقین جانو! دنیا کی کوئی ایسی تکلیف نہیں تھی جو کافروں نے نہ دی ہو۔وقت ختم ہو چکا ہے ان شاء اللہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

اُسوۂ کامل

خطبہ جمعۃ المبارک ۱۳ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

حسنِ اَتم ہو، پیکرِ لطف تمام ہو
محبوبِ کبریا ہو، رسولِ امام ہو
نازاں تمھاری ذات پہ صورت گرِ ازل
جملہ صفاتِ حسن کا اظہار تمام ہو
(صلی اللہ علیہ وسلم)

خطبہ مسنونہ کے بعد۔۔۔امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡھِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡھُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡھِمۡ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَیُزَکِّیۡھِمۡ ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ [سورۃ البقرہ، آیت:۱۲۹؛ پارہ:۱]

وَاِذۡ یَمۡکُرُ بِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِیُثۡبِتُوۡکَ اَوۡ یَقۡتُلُوۡکَ اَوۡ یُخۡرِجُوۡکَ ؕ وَیَمۡکُرُوۡنَ وَیَمۡکُرُ اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ [سورۃ الانفال، آیت:۳۰؛ پارہ:۹]

تمہید:

اللہ تعالیٰ جس عمل کو پسند کرتے ہیں اس پسندیدہ عمل کا نمونہ بنا کر انبیائے کرام کو بھیجتے ہیں (تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو)۔ بغیر نمونے اور بغیر مثال کے بات آسانی کے ساتھ سمجھ نہیں آتی۔ اگر ہم نے نماز پڑھنے والوں کو نہ دیکھا ہوتا اور ہمیں حکم ہوتا کہ اقیموا الصلوٰۃ نماز قائم کرو۔ تو ہم نہ سمجھ سکتے کہ نماز کس طرح قائم کرنی ہے؟ ستون کی طرح کھڑی کرنی ہے، دیوار کی طرح کھڑی کرنی ہے۔ ہم نے چوں کہ دوسروں کو (یعنی اپنے بڑوں کو) پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اس لیے ہمیں نماز کا قائم کرنا سمجھ آ گیا ہے۔ یہ تو میں نے صرف ایک مثال دی ہے بات سمجھانے کی خاطر۔

آپ ﷺ کی ساری زندگی دین ہے:

دین کے کام بہت سارے ہیں۔ کچھ کام کرنے کے ہیں اور کچھ کام نہ

کرنے کے ہیں۔ یقین جانو! جس طرح کرنے والے کام سنت ہیں نہ کرنے والے کام بھی سنت ہیں۔ (یعنی ان کا نہ کرنا سنت ہے)۔

آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے زیادہ مقام، مرتبہ اور شان عطا فرمائی ہے۔ اور نیک اعمال کا سب سے بہترین نمونہ بنا کر بھیجا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی سیرت بیان کرنا، سننا کارِ ثواب ہے۔ اس پر چلنا کارِ ثواب ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کی ساری زندگی دین ہے۔ اگر آپ ﷺ نے کسی وقت آرام کیا ہے تو وہ بھی دین ہے۔

مومن کا ہر فعل نیکی ہے :

اور مسئلہ یاد رکھنا! اگر کوئی شخص کھانا کھاتا ہے پانی پیتا ہے اپنے وقت پہ سوتا ہے اور ارادہ یہ کرتا ہے کہ میں اس لیے کھانا کھاتا ہوں، پانی پیتا ہوں کہ میرے بدن میں قوت پیدا ہو، میرا بدن برقرار رہے کہ میں رب کی عبادت کرسکوں تو اس کا کھانا بھی ثواب، پینا بھی ثواب، اپنے وقت پر سونا بھی عبادت۔ صحت ہی نہیں ہوگی تو نماز کیا پڑھے گا، روزہ کیا رکھے گا؟ وہ علم دین کیا حاصل کرے گا، تبلیغ دین کیا کرے گا؟ ماں باپ کو کما کر کیسے کھلائے گا، بیوی بچوں کا خرچہ کس طرح اُٹھائے گا؟ یہ ساری چیزیں اس کے ذمے فرض ہیں۔ یہ عبادت ہیں۔ مسلمان کا ہر کام عبادت ہے اگر خدا رسول کے حکم کے مطابق ہو۔ مسلمان تو آخر بندہ ہے بندے کا عمل تو اپنی جگہ رہا بات سمجھانے کے لیے میں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

جہادِ فی سبیل اللہ کی فضیلت :

صحیح حدیث ہے جو بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایک آدمی گھوڑا خریدتا ہے اس ارادے سے کہ اس گھوڑے پر سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کروں گا۔ مومن جہاد کی نیت سے گھوڑا خریدتا ہے۔ اس گھوڑے کو چارا ڈالے گا، پانی پلائے گا۔ یہ چارہ پانی اس کی نیکیوں میں لکھا جائے گا۔ بلکہ اگر گھوڑا رسی تُڑوا کر نہر سے پانی پینے کے لیے چلا گیا یا کسی چراگاہ میں چرنے کے لیے چلا گیا۔ یہ مالک کی مرضی کے خلاف گھوڑے نے جو قدم اُٹھائے ہیں وہ بھی اس کی نیکیوں میں لکھے جائیں گے۔ فرمایا کیا پوچھتے ہو گھوڑا جو لید کرتا ہے وہ بھی قیامت والے دن نیکیوں کے پلڑے میں تولی جائے گی۔ مجاہد کا گھوڑا جو پیشاب کرتا ہے وہ بھی نیکیوں کے پلڑے میں تولا جائے گا کہ اس گھوڑے پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اس نے جہاد کرنا ہے۔ بندہ تو آخر بندہ ہے۔

تو مومن کا ہر فعل جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو وہ اس کے لیے نیکی ہے۔ ایمان شرط ہے ساتھ اخلاص بھی۔ کیوں کہ ایمان کے بغیر، اخلاص کے بغیر کچھ نہیں ہے۔ اور اتباعِ سنت بھی ہو۔ جو کام کرتا ہے وہ سنت کے مطابق ہو تو پھر نُوْرٌ عَلٰی نُوْر ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر رحم کرتے ہوئے سب سے بہترین نمونہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو کائنات کے لیے مبعوث فرمایا۔ جو نمونہ رب تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے ایسا نمونہ اور کسی کو نہیں دیا۔ فارسی کے ایک شاعر نے کہا ہے:

؎ شراب خوش گوارم است یار مہرباں ساقی
ندارد ہیچ کس یار چنیں یار کہ من دارم

"شراب میری بہت عمدہ ہے مہربان یار پلانے والا ہے۔
ایسا دوست کوئی نہیں رکھتا جیسا کہ میں رکھتا ہوں۔"

فرماتے ہیں کہ جو شراب طہور ہم کو ملی ہے اسلامی نظام کی شکل میں اور جو پیغمبر ہمیں ملا ہے اور کسی کو نہیں ملا۔ نہ ایسا دین کسی کے پاس ہے نہ ایسی شریعت کسی کے پاس ہے۔ یقین جانو! ہم جیسے گناہ گاروں پر رب تعالیٰ کا بے پناہ احسان ہے کہ ہمیں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا کلمہ نصیب ہوا۔ آپ ﷺ کی ساری سیرت ہمارے لیے دین ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کی سیرت بیان کرنا بھی کارِ ثواب اور سننا بھی کارِ ثواب، اس کو سمجھنا بھی کارِ ثواب اور اس پر عمل کرنا بھی کارِ ثواب ہے۔

دین کا ایک مسئلہ بیان کرنا ہزار درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے :

اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا! صحاح ستہ کی کتاب ہے ابن ماجہ۔ اس میں روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ دین کا ایک ایسا مسئلہ حاصل کرنا جس کی ابھی اس کو ضرورت نہیں ہے اور اس کے خیال کے مطابق دوسروں کو بھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً: اس وقت میں قربانی کا مسئلہ بیان کروں تو فی الوقت نہ مجھے کوئی فائدہ ہے نہ تمھیں۔ اس لیے کہ قربانی کے دن نہیں ہیں۔ مگر ہے تو دین کا مسئلہ۔ حج کا مسئلہ بیان کروں تو نہ یہ حج کے دن ہیں نہ سارے حج پر جا رہے ہیں۔ تو ایسا مسئلہ سمجھنا جس کی فی الحال ضرورت بھی نہیں مگر دین کا مسئلہ ہے اس کی ضرورت

پیش آسکتی ہے ایک ہزار درہم کے صدقے سے بہتر ہے۔ ایک درہم ساڑھے تین ماشے چاندی کا ہوتا ہے حساب کھرجا کے کرلینا کہ کتنی رقم بنتی ہے؟ تو اس سے تم اندازہ کرلو کہ جس مسئلے کی فی الحال ضرورت نہیں ہے اس کے سمجھنے اور حاصل کرنے کا اتنا ثواب ہے تو جس مسئلے کی ہر وقت ضرورت ہو اور سب کو ضرورت ہو تو اس کو حاصل کرنے کا کتنا اجر ہوگا۔ ع

قیاس کن زگلستان من بہار ما

یہی وجہ ہے کہ جو شخص گھر سے اس ارادے کے ساتھ چلتا ہے کہ میں قرآن کا درس سنوں گا، حدیث کا درس سنوں گا، وعظ سنوں گا، دینی مجلس میں شرکت کروں گا اس کے ایک ایک قدم کی ادنیٰ ترین نیکی سات سو ہے وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ پھر واپسی کے قدموں پر بھی اتنا ثواب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم دیکھو! چاہیے تو یہ تھا کہ جب مسئلہ ختم ہوجاتا کہ اب فارغ ہو چکا ہے واپس جاتے ہوئے ثواب نہ ملتا۔ لیکن حدیث پاک میں ہے. قُفْلَةٌ كَغَزْوَةٍ واپسی کے قدموں پر بھی اسی طرح نیکیاں ہیں جس طرح آنے کے قدموں پر تھیں۔ لہٰذا جب آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کا ذکر ہو، اسوۂ حسنہ کا ذکر ہو، قرآن پاک کا درس ہو، حدیث کا درس ہو، دینی مجلس ہو تو بندہ ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھے اور سنے تاکہ مقصد حاصل ہو۔ اگر خیالات اِدھر اُدھر ہوں گے اور بیٹھا ہوا اُونگھتا رہے تو پھر آنا نہ آنا برابر ہوگا۔

تو آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ ہمارا دین ہے، ہمارا ایمان ہے۔ ہجرت تک کے اہم واقعات، واقعہ معراج کے علاوہ جس کی تفصیل آئے گی إن شاء اللہ تعالیٰ، آپ حضرات سن چکے ہیں جب آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک

ترپن سال کی ہو گئی اور دورِ نبوت کے تیرہ [۱۳] سال گزر چکے، اسلام کو مٹانے کے لیے کافروں نے جو حربے استعمال کیے تھے سب ناکام ہو گئے۔

ایک حربہ یہ تھا کہ جب یہ قرآن پڑھے وَالْغَوْا فِیْهِ شور مچاؤ کہ کسی کے کان میں کوئی لفظ نہ پڑے لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ تاکہ تم غالب آجاؤ۔ اس میں بھی ناکامی ہوئی۔ آپ ﷺ کے صحابہ پر بڑے بڑے ظلم کیے کہ وہ کلمہ چھوڑ دیں اور دوسرے ڈر کے مارے اسلام میں داخل نہ ہوں۔ لیکن وہ ایسے نہیں تھے کہ کلمہ چھوڑ دیتے۔ میں نے تاریخ میں بڑا تلاش کیا اور الحمد للہ! اپنے حلقے میں جتنا میں نے مطالعہ کیا ہے شاید کسی دوسرے مولوی نے کیا ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ تو میں نے اس سلسلے میں بڑا تلاش کیا کہ مکے میں جن پر ظلم ہوئے ان مظلوموں میں سے کوئی اسلام سے پھرا ہو، کوئی نظیر مل جائے، تاریخ کی کتابیں چھان ماری ہیں ایک نمونہ، ایک نظیر نہیں ملتی کہ کافروں کے مظالم سے تنگ آکر، مجبور ہو کر معاذ اللہ تعالیٰ کسی نے کلمہ چھوڑا ہو۔ ایک نظیر بھی نہیں ہے۔ مدینہ طیبہ میں منافق تھے مگر وہ تو پہلے دن ہی سے اسلام میں داخل نہیں ہوئے۔ مکی زندگی میں جو داخل ہوئے صحیح داخل ہوئے اور جنھوں نے کلمہ نہیں پڑھا وہ ڈٹ کر کفر پر جمے رہے۔

مشرکوں نے یہ حربہ بھی استعمال کیا کہ آپ ﷺ کی تقریروں کی تردید کی مگر اسلام سے نہ روک سکے اور اس سلسلے میں وہ کافی پریشان ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مختلف خاندانوں کے لوگ اسلام میں داخل ہوئے، مسلمان ہوئے۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا واقعہ :

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جن کا نام جندب بن جنادہ تھا، نے اپنے بھائی انیس رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اس وقت دونوں مسلمان نہیں تھے۔ فرمایا میں نے سنا ہے مکہ مکرمہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کے متعلق متضاد خبریں آرہی ہیں۔ کچھ لوگ اچھا کہتے ہیں اور کچھ برا کہتے ہیں۔ جاؤ تحقیق کر کے آؤ اگر اچھا بندہ ہے اچھی باتیں کرتا ہے تو ہم پیچھے کیوں رہیں۔ اور اگر معاذ اللہ تعالیٰ اس کے خیالات اچھے نہیں ہیں تو پھر ہم بھی ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ ان کا علاقہ مکہ مکرمہ سے تقریباً پانچ یا چھ منزلیں دور تھا۔ یعنی پانچ یا چھ دن کا سفر تھا۔ اس زمانے میں نقل و حرکت کافی مشکل ہوتی تھی۔

انیس کوئی زیادہ سمجھ دار نہیں تھے۔ سطحی باتیں پوچھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق باتیں بھی ملیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں، سچے ہیں، نیک سیرت ہیں، اچھی باتیں بتلاتے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھی باتیں سنیں کہ صابی ہے، باپ دادا کا دین چھوڑ گیا ہے، مجنون ہے، مفتری ہے، کذّاب ہے، جادوگر ہے، کاہن ہے، معاذ اللہ تعالیٰ۔ یہ سارے لفظ قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ واپس جا کر بتایا کہ بھائی جان! ان کے بارے میں دورنگی باتیں ہیں اچھا کہنے والے بھی ہیں اور برا کہنے والے بھی ہیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا مَا شَفَيْتَنِي "تو نے مجھے مطمئن نہیں کیا۔" اتنی باتیں تو میں یہاں بھی سن چکا تھا میں نے مزید تحقیق کے لیے بھیجا تھا کہ ملاقات کر کے آؤ۔ کہنے لگے ملاقات ناممکن ہے۔ اس لیے کہ لوگوں نے اس کو

نظر بند کیا ہوا ہے۔ نہ کوئی بندہ وہاں جا سکتا ہے اور نہ وہ باہر آ سکتے ہیں میں ان کو کیسے ملتا ملنے کا موقع ہی نہیں تھا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اپنا تھیلا اُٹھایا، لاٹھی پکڑی، پانی کی کپی پیچھے لٹکائی اور چل پڑے۔ منزل بہ منزل مکہ مکرمہ جا پہنچے اور مسجد حرام میں جا کر ڈیرا لگایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد حرام میں آتے جاتے رہتے تھے۔ دیکھا مسجد میں ایک اجنبی سا بندہ کئی دنوں سے بیٹھا ہے۔ کہنے لگے بزرگو! كَأَنَّكَ غَرِيْب "آپ مسافر ہیں؟" انھوں نے جواب دیا ہاں! کہنے لگے کئی دنوں سے میں آپ کو دیکھ رہا ہوں ابھی گئے نہیں۔ کہا نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو؟ کوئی خاص کام ہے، بات کیا ہے؟

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہنے لگے مجھے نہیں معلوم کہ میری بات تمھیں اچھی لگے یا بُری لگے اگر میری راز والی بات کو اپنے تک رکھ سکیں تو پھر میں بتلاتا ہوں کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں۔ یہ وعدہ کرو میرے ساتھ کہ جو بات میں تمھارے سامنے کروں گا وہ میرے اور تمھارے درمیان رہے گی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وعدہ ہے جو پوچھو گے وہ میرا اور آپ کا راز ہوگا۔ کہنے لگے میں بنو غفار قبیلہ سے تعلق رکھتا ہوں جندب بن جنادہ میرا نام ہے اور ابوذر میری کنیت ہے۔ میں نے سنا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک آدمی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اپنے بھائی کو تحقیق حال کے لیے بھیجا تھا مگر اس نے میری تشفی نہیں کی اب میں خود آیا ہوں تحقیق کرنے کے لیے۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عَلَى الْخَيْرِ رُشِدْتَ "اللہ تعالیٰ نے تمھیں اچھے کام کی توفیق دی ہے۔" میں بھی ان کی طرف کا آدمی ہوں۔ بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے اب ملاقات کی کیا صورت ہوگی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر فرمایا کہ ملاقات کا مسئلہ بڑا مشکل ہے لیکن اس کی ایک صورت ہے کہ دوپہر کے وقت گرمی زیادہ ہوتی ہے لوگ گھروں سے باہر نہیں نکلتے۔ میرے اُوپر بھی زیادہ آنے جانے پر پابندی ہے۔ میں آؤں گا تم میرے پیچھے چند قدم کے فاصلے پر پیچھے پیچھے رہنا۔ اگر کوئی دیکھ لے تو یہ نہ سمجھے کہ تم میرے ساتھ ہو اگر میں نے راستے میں کسی خطرناک آدمی کو دیکھا تو میں اپنا جوتا اُتار کر اس کو ٹھونکنے لگ جاؤں گا تم تیر کی طرح مجھ سے آگے نکل جانا میرے پاس کھڑے نہ ہونا یا میں اس طرح کروں گا کہ كَأَنِّيْ أُرِيْقُ الْمَآءَ پیشاب کرنے والے کی طرح بیٹھ جاؤں گا کہ میں پیشاب کر رہا ہوں یعنی پیشاب کا بہانا بناؤں گا تو میرے پاس کھڑے نہ ہونا آگے چلے جانا۔ یہ بخاری شریف کی روایت کا خلاصہ عرض کر رہا ہوں۔

اگر کوئی خطرناک بندہ نظر نہ آیا تو میں جس مکان میں داخل ہوں فوراً میرے پیچھے داخل ہو جانا۔ یہ پٹی پڑھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو۔ چنانچہ قیلولے کا وقت تھا لوگ آرام کر رہے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو لے کر چل پڑے۔ راستے میں ایک آدھ آدمی ملا اس نے اشارے سے پوچھا یہ بندہ کون ہے؟ انھوں نے اشارے سے بتلا دیا کہ خیر ہے چوں کہ وہ ہم مذہب تھے اس لیے ان سے کوئی خطرے والی بات نہیں تھی۔ شعب ابی طالب میں لے گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت جس مکان میں ہوئی ہے یہ بھی وہیں ہے۔اب وہاں مکتبہ (لائبریری) بنا ہوا ہے۔وہاں سعودی حکومت کا دفتر ہے۔ اس دفتر سے آگے مسجد علی ہے، رضی اللہ عنہ۔ یہاں مکان ہوتا تھا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین سال تک نظر بند رہے ہیں۔ یہ سارا علاقہ شعب ابی طالب کہلاتا تھا۔یعنی ابوطالب کا محلہ، ابی طالب کی گھاٹی۔

طلب حق نہ ہوتو کچھ حاصل نہیں ہوتا :

حضرت علی رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے یہ بھی پیچھے چلے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ اقدس دیکھا خوش ہو گئے اور فوراً ہی ایمان سے مالا مال ہو گئے۔ چوں کہ حق کے طلب گار تھے اور بندے میں ضد نہ ہو، حق کا طلب گار ہو، حق سامنے آئے تو فوراً قبول کر لیتا ہے۔ جیسے: لوہے کو مقناطیس فوراً کھینچ لیتا ہے چاہے وہ ریت میں، مٹی میں ہو۔یہی حال ہے کہ جب انسان میں طلب ہو، طلب کے بغیر رب نہیں دیتا۔

اس کی مثال اس طرح سمجھو کہ برتن چھوٹا ہو یا بڑا گلاس ہو یا لوٹا ہو نلکے کے نیچے سیدھا رکھ دو تو پانی اس میں جائے گا یہ بھر جائے گا۔ سیدھا رکھنے کا مطلب ہے کہ طلب ہے اور اگر برتن نلکے اور ٹونٹی کے نیچے اُلٹا رکھ دو تو نلکا اور ٹونٹی تو درکنار ٹیوب ویل کا سارا پانی بھی اس پر بہہ جائے تو اس میں کچھ نہیں آئے گا۔ کیوں؟ اس لیے کہ طلب نہیں ہے، حق کی طلب نہ ہو تو اس کے اُوپر سے سارے معجزات گزر جائیں، تمام نشانیاں دیکھ لے حق کو قبول نہیں کرے گا۔

یہی قرآن پاک آنحضرت ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر پیش کیا یقین جانو! جہاں دایاں پاؤں تھا وہاں سے دایاں نہیں اُٹھا اور جہاں بایاں پاؤں تھا وہاں سے بایاں نہیں اُٹھا اور کہا: اٰمَنْتُ وَ صَدَّقْتُ۔ اور یہی قرآن ابوجہل، ابولہب نے بھی سنا، عتبہ، شیبہ نے سنا، بڑے بڑے موذی کافروں نے سنا، ٹھٹھا کر کے تالیاں بجا کر ایک دوسرے کو اشارہ کرتے ہوئے نکل گئے کہ حق کی طلب نہیں تھی۔ جب تک طلب نہ ہو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اکبر الہ آبادی مرحوم نے بڑی اچھی بات کہی ہے: ؎

سرور و نور وجد و حال ہو جائے گا سب پیدا
مگر لازم ہے پہلے ہو تجھ میں طلب پیدا
نہ گھبرا کفر کی ظلمت سے اے نور کے طالب!
وہی کرے گا دن بھی جس نے کی ہے شب پیدا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ حق کے طالب تھے، برتن کھلا تھا دیکھتے ہی فوراً ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ کلمہ پڑھنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا ابوذر! عرض کی حضرت! لَبَّيْكَ حاضر ہوں۔ اس وقت نہ نماز تھی، نہ روزہ تھا، نہ حج، نہ زکوٰۃ، کلمہ ہی کلمہ تھا۔ فرمایا کسی کے سامنے کلمے کے اظہار کی ضرورت نہیں ہے۔ حالات کا جائزہ لو جب مناسب وقت آ جائے گا پھر اظہار کرنا۔ کہنے لگے حضرت! یہ فرمائیں کہ اگر میں کلمے کا ظہار کروں تو گناہ گار تو نہیں ہوں گا؟ فرمایا نہیں گناہ گار نہیں ہو گے مگر تکالیف اُٹھانی پڑیں گی۔ اس میں کافی تکلیفیں ہیں۔ کہنے لگے حضرت! تکالیف کی بات رہنے دو ظاہر کرنے میں گناہ تو نہیں ہے؟ فرمایا نہیں۔ کہا پھر مجھے

میرے حال پر چھوڑ دو۔ مسجد حرام میں جا پہنچے وہاں جو لوگ موجود تھے ان کو سنا کر کہا: يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اَسْلَمْتُ "اے قریش کے لوگو! میں مسلمان ہو چکا ہوں۔" اور کلمہ پڑھا: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُه ۔ یقین جانو! یہ کلمہ ان لوگوں کے لیے گولی سے بھی سخت تھا۔ سب ان پر ٹوٹ پڑے۔ بندوق کی گولی سہل تھی کلمہ مشکل تھا۔

ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ :

بات سے بات نکلتی ہے۔ یہ بات بھی سمجھ لو۔ ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ پہلی دفعہ اذان کی آواز بلند ہوئی۔ کیوں کہ اذان مدینہ طیبہ میں شروع ہوئی تھی۔ مکے والے لوگ اذان کی آواز سے مانوس نہیں تھے۔ اذان ہوئی بڑوں نے سنی، بچوں نے بھی سنی۔ بچے ویسے ہی شریر ہوتے ہیں۔ کافروں کے بچوں نے نقل شروع کر دی۔ کوئی اِدھر نقل اُتار رہا ہے کوئی اُدھر نقل اُتار رہا ہے، بچے نقال ہوتے ہیں ان کو کوئی کچھ کہہ بھی نہیں سکتا کہ بچے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ٹولے کے پاس سے گزرے ان میں ایک بچہ تھا جس کا نام سلمہ بن مِعْیَر تھا اور کنیت ابومحذورہ تھی، رضی اللہ عنہ۔ یہ دوسروں سے ذرا سمجھ دار تھا، بالغ تھا یا بالغ ہونے کے قریب تھا اور آواز اس کی بڑی سریلی تھی۔ یہ بھی اذان کی نقل اُتار رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کو پکڑ کر قابو کر لیا اور فرمایا کہو بیٹا کیا کہہ رہے تھے۔ اس نے اللہ اکبر اللہ اکبر تو زور زور سے پڑھا اس لیے کہ اس کو کافر بھی

مانتے تھے کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه آہستہ آہستہ کہا۔ کیوں کہ وہ سمجھتا تھا کہ ان کلمات سے ہمارے عقیدے پر زد پڑتی ہے۔ پکڑا ہوا تھا کلماتِ اذان پڑھنے تھے۔ دو دفعہ اس نے آہستہ کہا آپ ﷺ نے فرمایا: اِرْجِعْ فَامْدُدْ مِنْ صَوْتِكَ بیٹا پھر کہو، اُونچا کہو۔ دو دفعہ اس سے بلند آواز سے کہلوایا۔ بعد میں اس کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی آواز اس کی بڑی سریلی تھی۔

جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے فاتحانہ انداز میں مدینہ طیبہ واپس جانے لگے تو ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! میں اذان کہہ دیا کروں؟ فرمایا ہاں تم اذان کہا کرو۔ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ اذان کہا کرتے تھے اور شہادتین کو دو دفعہ آہستہ اور دو دفعہ بلند آواز سے، اُونچی آواز سے پڑھتے تھے۔ مگر یہ اذان کا طریقہ نہیں ہے۔ مدینہ طیبہ میں آپ ﷺ کے پانچ موذن تھے۔ حضرت بلال، حضرت عبداللہ بن اُمِ مکتوم، حضرت زیاد بن حارث صدائی، حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ، حضرت سعد رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے کوئی بھی شہادتین کو چار مرتبہ نہیں پڑھتا تھا۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ ترجیع کرتے تھے مگر یہ ان کی غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔ کیوں کہ انھوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ایک دفعہ میں نے آپ ﷺ کے سامنے آہستہ کہا اور ایک دفعہ آپ ﷺ نے بلند کہلوایا۔ حالاں کہ یہاں تعلیمِ اذان نہ تھی بلکہ اس (بچے) کے دل میں شہادتین سے جو نفرت تھی اس کو دور کرنا تھا۔

اظہارِ ایمان پر مار برداشت کرنا:

تو خیر چھوٹے بچے بھی اس بات کو بہ خوبی سمجھتے تھے کہ لا الٰہ الا اللہ کا کیا مطلب ہے۔ تو جس وقت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے سامنے کلمہ شہادت پڑھا تو مشرک ان پر ٹوٹ پڑے اور اتنا مارا کہ بخاری شریف میں لَاَمُوْتُ کے لفظ ہیں کہ میں مرنے ہی والا تھا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا گھر قریب تھا شور مچا کہ کوئی آدمی مکا مارتا ہے، کوئی لات مارتا ہے، کوئی جوتا مارتا ہے۔ اس قدر مارا کہ بے ہوش ہو گئے۔ وہ شور سن کر آئے پوچھا کیا بات ہے؟ کیوں مار رہے ہو؟ کہنے لگے یہ بنو غفار کا آدمی ہے اس نے کلمہ پڑھ کر ہمارے کلیجے جلا دیے ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے کہنے لگے احمقو! عقل سے کام لو کلمہ کی وجہ سے عداوت اپنی جگہ پر مگر تم لوگ شام جاتے ہو، خیبر جاتے ہو، مدینہ طیبہ جاتے ہو تو بنو غفار کی بستیوں سے گزر کر جاتے ہو اگر تم نے ان کا بندہ مار دیا تو بتاؤ اور کون سا راستہ ہے، کیسے جاؤں گے؟ کیوں اپنی روزی پر لات مارتے ہو۔ یہ تمھارے لیے بڑا مسئلہ بن جائے گا۔ تمھاری معاش اور روزی کا سوال ہے۔ تم تاجر پیشہ لوگ ہو ایک سفر سردی میں کرتے ہو ایک گرمی میں کرتے ہو۔ سردی کے موسم میں یمن کا سفر کیوں کہ یہ گرم علاقہ تھا اور گرمیوں میں شام کا سفر کہ یہ ٹھنڈا علاقہ تھا۔ یہ سفر کر کے تم سال کی روزی کماتے ہو۔ فرمایا چھوڑ دو ایک طرف ہو جاؤ۔ لوگوں کو بھی سمجھ آئی۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں نے اس قدر مارا کہ سیدھے ہونے کے قابل نہ رہے تھے۔ مگر وہ بھی ضد کے پکے تھے جس بات پر کھڑے ہو جاتے تھے ہار نہیں مانتے تھے۔ رات مشکل سے گزاری۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی مسئلہ بن گیا کہ کھانا کس طرح پہنچائیں کہ پہلے تو معاملہ مخفی تھا کہ ایک مسافر کی حیثیت تھی اب تو وہ مشرکوں کے دشمن بن چکے تھے۔

دوسرے دن پھر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے پکا کر کلمہ سنایا۔ کافر دوڑ کے آئے۔ بخاری شریف کی روایت ہے اتنا مارا کہ قریب المرگ ہو گئے۔ اتفاقاً پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مداخلت کر کے جان چھڑائی۔ دو تین دن یونہی گزرے پھر اپنے وطن کی طرف چل دیے۔ راستے میں جو بھی ملتا اُسے پہلے کلمہ سناتے اور کہتے بھائی! کلمہ پڑھو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، کلمہ شہادت سناتے۔ آخر دم تک اپنی بات پر ڈٹے رہے۔

دارالندوہ میں کفار کی میٹنگ :

جالات یہاں تک پہنچ گئے تو پھر کافر متفکر ہوئے اور کہنے لگے اب پانی ہمارے سروں سے گزر گیا ہے مار پیٹ کے تو ہم ان کو نہیں روک سکے اس کے بارے میں کچھ سوچو۔ زم زم کے چشمے سے شمال مشرق کی طرف تقریباً ستر قدم کے فاصلے پر ایک مقام تھا جس کو "دار الندوہ" کہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں ایک شخص تھا قصی بن کلاب اس نے یہ مکان بنایا تھا۔ اس وقت مسجد حرام سے باہر تھا اب

وہ جگہ مسجد حرام میں آ گئی ہے۔ یہاں وہ لوگ بیٹھ کر گپیں مارتے تھے اور اسی مقام پر مشورے بھی کرتے تھے۔ اس کے قریب ہی ارقم بن ارقم کا گھر تھا جس کو دارارقم کہتے تھے۔ دار الندوہ میں کافروں نے میٹنگ بلائی۔ ہر قبیلے کا ایک یا دو معتمد علیہ آدمی بلایا۔ فہرست بنائی، ایجنڈا تیار کیا اور ضابطہ بنایا کہ جو مطلوب اور مدعو ہو گا وہی آئے گا اور کوئی نہیں آئے گا۔

آج مسلمان نے دین کے سب اُصول چھوڑ دیے ہیں۔ یہ مسئلہ شرعی بھی یاد رکھنا! اگر تمھیں کسی طرف سے دعوت ولیمہ آئے اور اس میں ایک آدمی لکھا ہو تو تم اپنے ساتھ بچہ بھی نہیں لے جا سکتے۔ ایک ہی جائے گا دوسرا جائے گا تو گناہ گار ہو گے۔ دو لکھے ہوئے ہوں تو تیسرا نہیں لے جا سکتے اور یہاں تو یہ حالت ہے کہ دعوت نامہ ایک کا آتا ہے اور یہ پانچ پہنچے ہوتے ہیں۔ یہ شرعاً مذموم اور گناہ ہے۔

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "غنیۃ الطالبین" میں لکھتے ہیں اور یہ فقہ کی کتابوں میں بھی لکھا ہوا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مہمان کے سامنے میزبان نے کھانا رکھا ہے اُسے جتنی طلب ہو کھائے لیکن اس کو شرعاً یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس میں سے کتے، بلی کو ڈالے۔ چاہے وہ کتا، بلی مکان والے ہی کا کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ وہ کھانا اس کے لیے امانت ہے اور امانت ہے اپنے پیٹ کے لیے۔ وہ کتے، بلی کو ڈالنے کا مجاز نہیں ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھنا! کہ اگر تم کسی کی دعوت میں جاؤ تو نہ سالن ضائع کرو، نہ چاول گراؤ اور نہ بوٹیاں پھینکو۔ رب تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہو گی۔ ہاں! جو چیز

کھانے کی نہیں ہے اس کو پھینک سکتے ہو۔ جیسے: ہڈی ہے۔ لیکن اگر اس کے ساتھ گوشت لگا ہوا ہو گا تو قیامت والے دن حساب دینا پڑے گا۔ رب تعالیٰ پوچھیں گے کہ اس ہڈی کے ساتھ گوشت تھا تمھارے دانت بھی تھے تم نے محض اس لیے پھینک دی کہ کسی کا گھر ہے اپنا گھر ہوتا تو ہڈی بھی کھا جاتے۔ افسوس ہے کہ مسلمان آج ان چیزوں سے بالکل غافل ہو گیا ہے۔

تو خیر بات ہو رہی تھی مشرکوں کے مشورے کی کہ جو مدعو ہو گا وہی آئے گا دوسرا کوئی نہیں آئے گا۔ چنانچہ دروازے پر دو آدمی معتمد علیہ بٹھا دیے کہ چیک کر کے آدمیوں کو اندر آنے دیں اور وہ جانتے بھی تھے کیوں کہ مکہ مکرمہ کی آبادی زیادہ نہیں تھی۔ وہ جانتے تھے کہ یہ فلاں خاندان کا سردار ہے یہ فلاں قبیلے کا سردار ہے۔ جب سارے مدعو بندے اندر آ گئے تو دیکھا کہ کوئی اجنبی بندہ نہیں ہے۔ کہنے لگے دروازہ بند کر دو۔ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ سنتری نے کہا کہ ایک بوڑھا سا بابا ہے اندر آنا چاہتا ہے۔ بابا کون ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے علم نہیں ہے۔ کہا جا کر پوچھو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ بابا کہنے لگا میں نجد کا رہنے والا ہوں۔ مشرکین مکہ نے کہا کہ نجد ہم سے بہت دور ہے اس کا ہمارے درمیان ہونا کچھ مضر نہیں ہے بلا لو۔ وہ بابا ابلیس لعین تھا انسانی شکل میں آیا تھا آ کر بڑے اطمینان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

تقریریں شروع ہوئیں۔ مثلاً: ابوجہل نے کھڑے ہو کر کہا قریشیو! مختلف خاندانوں کے ساتھیو! آج کوئی نہ کوئی فیصلہ کر کے جانا ہے۔ تمھیں پتا ہے محمد (ﷺ) کے معاملے کا۔ پانی ہمارے سروں سے گزر گیا ہے اور اس کے دین کو

مٹانے کے لیے ہم نے ہر حربہ استعمال کیا ہے لیکن ہم ناکام رہے ہیں۔ آخری بات سوچنی ہے اس لیے تمھیں تکلیف دی ہے۔ وہ بابا اُٹھ کر کہنے لگا اس آدمی کے متعلق جتنی دشمنی تمھارے دلوں میں ہے میرے دل میں اس سے کہیں زیادہ ہے ضرور کوئی فیصلہ کر کے اُٹھنا۔ کہنے لگے بابا تو ہم سے بھی زیادہ تیز ہے۔ ایک آدمی نے اُٹھ کر کہا کہ میرا خیال ہے يَثْبُتُوكَ اس کو نظر بند کر دو کسی مکان میں تاکہ نہ اس کے پاس کوئی آئے اور نہ یہ کسی کے پاس جائے۔ اس طرح یہ اندر ہی ختم ہو جائے گا۔ دو تین آدمیوں نے اُٹھ کر اس کی تائید کی کہ ہمارے سردار نے جو بات کہی ہے بالکل ٹھیک ہے۔

ابو جہل نے اُٹھ کر کہا کہ میں نے تمھاری رائے سنی ہے میں تمھاری رائے کی قدر کرتا ہوں لیکن تمھیں علم ہے کہ ہم یہ آزما چکے ہیں۔ تین سال تک ہم نے اس کو شعب ابی طالب میں بند رکھا ہے لیکن اس وقت بھی اس کا کلمہ جاری رہا ہے۔ ابوذر غفاری انھی دنوں میں مسلمان ہوئے ہیں۔ آزمائی ہو بات کو دوبارہ آزمانا نادانوں کا کام ہے۔ پانچ، سات آدمیوں نے اُٹھ کر کہا کہ ہاں! سمجھ آگئی ہے ایسا نہ کرو۔ نظر بند کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کچھ اور سوچو۔

دوسرے نے اُٹھ کر کہا کہ اس کو جلاوطن کر دو اپنے علاقے سے نکال دو جہاں جاتا ہے جائے۔ دو تین نے اس کے حواری اُٹھے اور اُنھوں نے اس کی تائید کی کہ جی بالکل ٹھیک ہے اس کو جلاوطن کر دینا چاہیے ہم اس کی تائید کرتے ہیں۔ نہ وہ ہمیں کلمہ سنائے نہ ہم سنیں، نہ وہ ہمیں دیکھے نہ ہم اُسے دیکھیں، ہماری نظروں سے

اوجھل رہے۔ ابوجہل نے پھر اُٹھ کر کہا کہ جو بات تم نے کہی ہے ایک حد تک ٹھیک ہے لیکن میں اس کی تائید نہیں کرتا۔ تمھیں معلوم ہے کہ لِسَانُ مُحَمَّدٍ (ﷺ) اَحْلٰی مِنَ الْعَسَلِ "محمد کی زبان شہد سے بھی زیادہ میٹھی ہے۔" تم نے تیرہ سال ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے مگر اس کے دین کو نہیں مٹا سکے۔ یہ جہاں جائے گا لوگ اس کا کلمہ پڑھ لیں گے، لوگ اس کے گرویدہ ہو جائیں گے تمھاری طرح اس کا مقابلہ کسی نے نہیں کرنا۔ لوگ مسلمان ہو جائیں گے اس کی طاقت بڑھ جائے گی نتیجہ یہ ہوگا کہ تم پر حملہ کر کے تمھیں یہ لوگ کچل دیں گے۔ لوگوں نے کہا جی آپ کی بات بالکل صحیح ہے ہمیں تو اب سمجھ آئی ہے۔ لہٰذا یہ رائے کہ جلاوطن کر دیں صحیح نہیں ہے۔

تیسرا اُٹھا اور کہنے لگا پھر ایک ہی صورت رہ گئی ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ مجدی بابے نے اُٹھ کر کہا کہ یہی بات صحیح ہے۔ مگر قتل کیسے کیا جائے؟ کہنے لگے کہ قتل کی صورت اس طرح ہو کہ ہر خاندان کا ایک آدمی قتل میں ضرور شریک ہو کہ اگر بنو ہاشم بدلہ لینا چاہیں تو سب کے ساتھ نہ لڑ سکیں اور دیت کا مطالبہ کریں۔

اس وقت سو اُونٹ دیت ہوتی تھی اور یہ دیت آج بھی اسلام میں ہے۔ اگر کسی شخص کا کسی نے بازو کاٹ دیا تو اس کی دیت بھی سو اُونٹ ہے، ٹانگ کاٹ دی سو اُونٹ آئیں گے، آنکھ نکال دی سو اُونٹ دینے پڑیں گے، اگر انگلی کاٹ دی تو دس اُونٹ دینے پڑیں گے۔ اگر اسلامی قانون نافذ ہو جائے تو کوئی کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ فرمایا ھٰذِہٖ وَھٰذِہٖ سَوَآءٌ یہ جو انگوٹھا ہے اور یہ چھوٹی انگلی ہے دونوں برابر ہیں۔ اگر کسی نے کسی کی چھوٹی انگلی کاٹ دی تو دس اُونٹ ہیں۔ انگوٹھا

کاٹ دیا پھر دس اُونٹ ہیں۔

تو اس وقت بھی دیت سو اُونٹ ہوتی تھی۔ کہنے لگے کہ اگر دیت کا مسئلہ آیا تو سہل ہو جائے گا۔ چنانچہ ان کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ہر خاندان سے بندے چنے گئے، ان کے نام درج ہوئے، رات جتلائی گئی، وقت متعین کیا گیا کہ سحری کے وقت تم نے حملہ کرنا ہے اور محمد رسول اللہ (ﷺ) کو قتل کرنا ہے، العیاذ باللہ۔ مشہور محاورہ ہے:

جسے رب رکھے اُسے کون چکھے

جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کرے اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ آپس میں ایک دوسرے سے عہد لیا گیا کہ بات راز میں رکھنی ہے کسی کو اطلاع نہ ہو۔ اس بابے کی طرف متوجہ ہوئے کہ بابا جی! تم سے بھی کوئی بات نہ نکلے۔ اس نے کہا توبہ توبہ میں تو بڑا پکا ہوں مجھ سے بات نہیں نکلے گی۔ میں تو بڑا خوش ہوا ہوں کہ تم نے جو منصوبہ بنایا ہے اس کے لیے یہی منصوبہ ہونا چاہیے تھا۔ سلام کیا اور چل پڑا۔ بالآخر وہ رات آ گئی اس زمین پر کہ ان ظالموں نے امام الانبیاء، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی تیاری کی۔ کیوں؟ محض اس لیے کہ حق کے داعی ہیں، خدا کے دین کی طرف بلا رہے ہیں، قرآن کریم سنا رہے ہیں۔ اس لیے کہ شرک کی تردید کرتے ہیں، رسم و رواج کی تردید کرتے ہیں، حق کی آواز بلند کرتے ہیں اور اس کے علاوہ ان کا کوئی حربہ کامیاب نہ ہوا اور آپ ﷺ کی آواز کو روک نہ سکے۔

مولانا حالی نے کیا خوب فرمایا ہے: ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

نہ پہاڑ روک سکے، نہ ندیاں روک سکیں، نہ سمندر روک سکے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آخری کونے تک اس کی آواز پہنچی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا سچا دین ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ [سورۃ الصف:۸] رب تعالیٰ اس نور ایمان کو، نورِ اسلام کو، نور توحید کو، نورِ رسالت کو، نورِ نبوت کو، نورِ ہدایت کو چمکائے گا اگرچہ کافر اس کو ناپسند کریں۔ آج دنیا میں کم و بیش ایک ارب کی تعداد میں مسلمان ہیں مگر کاش! کہ صحیح معنٰی میں مسلمان بن جائیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں آنکھوں سے اُترتی نظر آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ کے معصوم فرشتے اُترتے ہوئے نظر آئیں گے۔ رب تعالیٰ کی رحمت میں کوئی کمی نہیں آتی کمی ہمارے اندر ہے۔ کافروں نے آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ باقی واقعہ آگے چلے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مدنی زندگی اور آغازِ جہاد

خطبہ جمعۃ المبارک ۴ رجمادی الثانی ۱۴۰۱ھ

اے رسولِ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم، اے راحتِ جاں
ہے تجھ سے آبروئے دین وایماں
تری سیرت متاعِ بے بہا ہے
ترے اخلاق پہ شاہد ہے قرآں

خطبہ مسنونہ کے بعد---اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُ ۙ

[سورۃ الحج، آیت:۳۹؛ پارہ:۱۰]

تمہید :

آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ اور اُسوۂ حسنہ کا ذکر پہلے سے چلا آرہا ہے۔ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے لے کر نبوت ملنے تک اور نبوت کے بعد تیرہ سالہ مکی زندگی پھر ہجرت کا واقعہ، ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لے جانا، مسجد قبا کی تعمیر اور مسجد نبوی کی تعمیر تک کے اہم واقعات آپ حضرات قرآن پاک، حدیث شریف اور اسلامی تاریخ کی روشنی میں مفصل سن چکے ہیں۔

یہود کا مدینہ پر تسلط :

مدینہ طیبہ میں یہود کی اکثریت تھی اور مدینہ طیبہ کی تجارت، سیاست، ثقافت پر ان کا قبضہ تھا۔ یہودیوں کے تین خاندان تھے، بنونضیر، بنو قریظہ، بنوقینقاع۔ یہ پڑھے لکھے لوگ تھے۔ علم جس رنگ کا بھی ہو جاہل کی نسبت اس کی قدر ہوتی ہے۔ ان کے مقابلے میں اُوس، خزرج کے قبیلے اُمیّین کہلاتے تھے یعنی اَن پڑھ لوگ۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ان میں کوئی پڑھا ہوا نہیں تھا پڑھے لکھے لوگ

تھے مگر بہت کم۔ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے مہینے کے متعلق تعیین فرمائی۔ فرمایا: نَحْنُ أُمَّةٌ أُمِّيُّوْنَ "ہم اَن پڑھ لوگ ہیں اَشْهُرُ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا (دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے ساتھ تین مرتبہ اشارہ فرمایا)۔ یعنی مہینہ دس[۱۰] اور دس[۱۰] اور دس[۱۰]، یعنی تیس[۳۰] کا بھی ہوتا ہے۔ پھر دوسری دفعہ اشارہ کیا، فرمایا: هٰكَذَا وَ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا (دو مرتبہ دس، دس انگلیاں اور تیسری دفعہ نو انگلیاں)۔ یعنی مہینہ انتیس[۲۹] کا بھی ہوتا ہے۔

تو مدینہ طیبہ میں یہود کا تسلط تھا۔ تجارت پر ان کا کنٹرول تھا، کالج اُن کے تھے، مدارس اُن کے تھے۔ مشرکین کے دونوں گروہ اُوس اور خزرج ان کے مقابلے کے نہیں تھے۔ یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے آپس میں لڑتے تھے۔ (حالاں کہ دونوں ایک باپ کے بیٹے تھے۔ بحوالہ: فتوح البلدان، ص ۳۸۔ ازمرتب)

ایک لڑائی ان کی آپس میں ایک سو بیس سال تک رہی۔ ایک لڑائی ان میں ترانوے سال رہی، ایک لڑائی ان میں ترسٹھ سال رہی۔ ایک دوسرے کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہو جاتی تو خون ریزی شروع ہو جاتی تھی۔ یوں سمجھو کہ مدینہ طیبہ میں پانچ برادریاں تھیں۔ تین یہود کی اور دو مشرکین کی۔

آپ ﷺ کا تقویٰ دیکھ کر اوس وخزرج کا ایمان لانا:

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور شان کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے ان لوگوں نے آپ ﷺ کا علم دیکھا، تقویٰ دیکھا، پرہیزگاری دیکھی تو اوس و

خزرج کی آنکھیں کھل گئیں۔جس نے اصل نہ دیکھی ہو نقل ہی دیکھی ہو وہ مغالطے میں رہتا ہے۔ان لوگوں نے جب آپ ﷺ کے علم اور تقویٰ کا تقابل یہود کے ساتھ کیا تو انھوں نے محسوس کیا کہ ایک حقیقت ہے اور دوسرا نرا دکھاوا ہے۔ایک حقیقت ہے اور دوسری طرف محض ریا کاری ہے۔آپ ﷺ کی مجالس دیکھیں، علم کی باتیں سنیں، آخرت کی فکر سنی، آپ ﷺ کی صورت دیکھی، اخلاق دیکھا تو جن کو رب تعالیٰ نے توفیق دی وہ دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہو گئے۔یہود میں بھی جن کی فطرت صحیح تھی وہ فوراً اسلام لائے۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام :

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پہلے یہودی تھے۔ایک آدمی نے ان کے پاس بارہ اوقیہ سونا امانت رکھا۔ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم ساڑھے تین ماشے کا ہوتا ہے۔بارہ اوقیہ اس وقت کی قیمت کے اعتبار سے تقریباً پانچ لاکھ رقم بنتی ہے۔یہ کوئی معمولی رقم نہیں ہے۔کوئی گواہ نہیں، کوئی تحریر نہیں۔ناواقف آدمی آکر کہتا ہے کہ یہ میری امانت ہے آپ اپنے پاس رکھ لیں وہ رکھ لیتے ہیں۔کافی عرصہ کے بعد مالک آتا ہے کہ میری امانت دے دو۔فرمایا ہاں لا کر دیتا ہوں۔جس شکل میں امانت رکھی تھی بعینہ اسی شکل میں لا کر پکڑا دی۔تو جس آدمی میں اتنی دیانت ہو کہ گواہ کوئی نہیں، تحریر کوئی نہیں ہے لیکن نیت خراب نہیں ہوئی، دل نہیں پھرا بڑی بات ہے۔ایسے آدمی کو اللہ تعالیٰ اسلام کی دولت سے کیوں نہ نوازے۔

جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو عبداللہ بن سلام نے پہلی مجلس

میں دیکھ کر کہا اِنَّ هٰذَا الْوَجْهَ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ۔ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

فحاص بن عازورہ کی بددیانتی :

اور اس کے مقابلے میں فحّاص بن عازورہ یہودیوں کا بڑا قدآور پیر تھا۔ بڑی وضع قطع والا، بڑے چیلے، چانٹے، نوکر چاکر، مرید آگے پیچھے پھرنے والے۔ ایک مسافر نے ایک دینار جو دس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم ساڑھے تین ماشے چاندی کا ہوتا ہے۔موٹا تخمینہ تم یوں سمجھو کہ تقریباً دوسو روپے کا تھا ہماری موجودہ رقم کے اعتبار سے۔تو ایک دینار ایک مسافر نے اس کے پاس اس کے مریدوں کی موجودگی میں امانت رکھا کہ مسافر ہوں یہاں محنت مزدوری کرنے کے لیے آیا ہوں کہیں یہ گر نہ جائے گھر جاؤں گا تو لے لوں گا۔

کچھ دن گزرنے کے بعد وہ مسافر آیا کہ حضرت! میں گھر جانا چاہتا ہوں بیوی بچوں کی ملاقات کے لیے وہ میرا دینار دے دیں۔پیر صاحب کہنے لگے وہ کون سا دینار؟ اُس نے کہا جو میں نے تمھارے پاس امانت رکھا تھا۔کہنے لگا کب رکھا تھا؟ کوئی تحریر، کوئی گواہ ہے؟ جاؤ بھاگ جاؤ خواہ مخواہ دعویٰ کرتے ہو۔جھڑک کر اس کو نکال دیا۔شاگردوں نے، مریدوں نے کہا حضرت! اس نے آپ کو دینار دیا تھا آپ بھول گئے ہیں۔کہنے لگا تم بڑے بے وقوف ہو لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ [آل عمران:۷۵] "ہمارے اُوپر اُمی لوگوں کے حق میں کوئی گناہ نہیں ہے۔" ہم نے تعلیم حاصل کی ہے، محنتیں کی ہیں، بڑی تکلیفیں اُٹھائی ہیں ان کا مال کھانا ہمارے لیے

جائز ہے۔ایک دینار پیچھے اپنا ایمان گنوا دیا۔

مریدوں میں سے ایک نے مسافر کو جا کر کہا کہ ہمارا پیر اتنا سیدھا نہیں ہے کہ آرام سے تجھے دینار دے دے گا اگر لینا ہے تو طریقہ میں بتلا دیتا ہوں اس طرح پیر صاحب تجھے دینار دے دیں گے۔ میں چوں کہ مرید ہوں لہٰذا سامنے کوئی بات نہیں کر سکتا۔اس نے کہا تیری مہربانی طریقہ بتلا دے۔اُس مرید نے کہا کہ تو اس طرح کر کہ پیر صاحب کو جا کر کہہ میرا دینار دے دو ورنہ میں بازاروں میں، گلیوں میں، محلوں میں اعلان کروں گا کہ رب کی قسم ہے فنحاص بن عازورہ میرا دینار کھا گیا ہے جو میں نے اس کے پاس بہ طور امانت رکھا تھا۔اُس مسافر نے ایسا ہی کیا۔ تو فنحاص بن عازورہ سمجھ گیا کہ دینار مہنگا پڑے گا۔جیب سے دینار نکال کر اس کی طرف پھینکا اور کہا لے کر نکل جا یہاں سے خواہ مخواہ بزرگوں پر الزام لگاتا ہے یہ میں اپنی طرف سے دے رہا ہوں۔اس کا ذکر قرآن پاک میں ہے وَمِنْهُمْ مَّنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا [آل عمران:۷۵] "اور بعض ان میں سے وہ ہیں اگر تو ان کے پاس ایک دینار امانت رکھے تو نہیں دے گا تجھے مگر یہ کہ تو اس پر قائم رہے۔"

انصاف سے بتائیں کہ جو بندہ ایک دینار کے واسطے امانت، دیانت چھوڑ دے اس کو ایمان جیسی دولت کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔

تو یہودی بڑے ضدی لوگ تھے۔قرآن پاک میں آتا ہے: لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا [المائدہ:۸۲] "البتہ پاؤ گے

تم زیادہ سخت عداوۃ میں مومنوں کے لیے یہود کو اور ان لوگوں کو جو مشرک ہیں۔"
اہل ایمان کے سب سے زیادہ دشمن یہودی ہیں۔ دوسرے نمبر پر رب تعالیٰ نے مشرکوں کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلے نمبر پر یہودی ہیں۔ اتنی خبیث قوم ہے کہ جنھوں نے کبھی کسی مسلمان کے متعلق اچھی بات نہیں سوچی اور نہ سوچ سکتے ہیں۔ کسی مرحلے پر اور نصاریٰ بھی کم نہیں۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے فرمایا ہے اے ایمان والو! یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ [المائدہ:۵۱] "نہ بناؤ تم یہود و نصاریٰ کو دوست۔" اور اگلے رکوع میں فرمایا وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ [المائدہ:۵۷] "اور کافروں کو بھی دوست نہ بناؤ۔" اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ۔ یہ بات اچھی طرح یاد رکھنا! اپنا کام جتنا نکلتا ہے نکالو، فائدہ جتنا حاصل کر سکتے ہو کر لو لیکن یہود و نصاریٰ، مشرکین اور دیگر کفار تمھارے دوست کبھی نہیں ہو سکتے۔

یہود کے ساتھ معاہدہ :

خیر میں دور چلا گیا عرض یہ کرنا چاہتا تھا کہ جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے وہاں یہودیوں کے تین خاندان تھے۔ ان کے ساتھ آپ ﷺ نے معاہدہ کیا تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں معاہدے کے الفاظ بھی موجود ہیں جیسا کہ امام طبری رحمہ اللہ نے نقل کیے ہیں کہ اَنْتُمْ وَنَحْنُ قَوْمٌ عَلٰی مَنْ سِوَانَا "اگر بیرونی حملہ ہوا تو ہم اور تم ایک قوم ہو کر اُن کے ساتھ لڑیں گے۔" اتفاق کی بات ہے کہ اس موقع پر انصار مدینہ کے دونوں خاندان اوس، خزرج نے تحریر تو نہیں دی لیکن زبانی کلامی بات ہوئی تھی کہ اگر کسی نے مدینہ طیبہ پر حملہ کیا تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے

اور اگر باہر جا کر لڑنا پڑا تو اس کے متعلق اس وقت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے کیا کرنا ہے۔

مشرکینِ مکہ کا رئیس المنافقین کے نام خط :

مشرکین مکہ نے خط لکھا۔ وہ خط صحاح ستہ کی مرکزی کتاب ابوداؤد شریف میں موجود ہے۔ مشرکوں نے یہ خط عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے نام لکھا جو مدینہ طیبہ کا بڑا چودھری اور سردار سمجھا جاتا تھا۔ انھوں نے لکھا کہ دیکھو! اٰوَيْتُمْ صَاحِبَنَا تم نے ہمارے ساتھی کو ٹھکانا دیا ہے جو بھاگ کر گیا ہے وَصُبَاةَ صابی کی جمع ہے۔ اس وقت کافر لوگ اہل حق کو صابی کہتے تھے۔ اور صابیوں کو تم نے اپنے پاس جگہ دی ہے ہم تمھارے سامنے اعلان کرتے ہیں کہ یا تو ان کو مدینہ طیبہ سے نکال دو، دوسری شق، یا تم خود ان کے ساتھ لڑو۔ اگر تم نکالنے کے لیے بھی تیار نہیں اور ان کے ساتھ لڑنے کے لیے بھی تیار نہیں پھر ہم حملہ کریں گے اور تم میں سے جو لڑنے کے قابل ہوگا اس کو قتل کریں گے اور تمھاری عورتوں کو اور بچوں کو قیدی بنائیں گے اور دوسری طرف یہود کو اُکسایا۔ مشرکین مکہ نے اپنی پوری کوشش کی یہود کو کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم نے ان کے ساتھ معاہدہ کیا ہے۔ تم وہاں کے باشندے ہو صدیوں سے چلے آرہے ہو مکانات تمھارے، باغات تمھارے، دُکانیں تمھاریں، تجارت تمھاری، سیاست تمھاری تم نے ان کے ساتھ کیوں معاہدہ کیا ہے؟

یہود نے آپس میں مشورہ کیا۔ کہنے لگے ہوا تو غلط ہے ہمیں یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اُس وقت جلدی میں کچھ سمجھ نہیں آیا ہم واقعی اپنی غلطی محسوس کرتے ہیں

مسلمانوں کے ساتھ ہمیں معاہدہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس قسم کی باتیں بڑی قوت کے ساتھ شروع ہوئیں۔

لڑائی کی بنیاد :

مدینہ طیبہ شہر کے قریب کچھ چراگاہیں تھیں ان چراگاہوں میں بیت المال کے اُونٹ، بکریاں جو تھوڑے بہت تھے وہ چرا کرتے تھے۔ کُرز بن جابر فہری جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا اس نے چھاپا مار فوج لے کر حملہ کیا۔ آنحضرت ﷺ کے خادم کو شہید کر دیا اور اُونٹ بھگا کر لے گیا۔ یوں سمجھو کہ گویا اُس نے جنگ کا آغاز کر دیا۔

ابھی تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو جہاد کا حکم نہیں ملا تھا کُفُّوْٓا اَیْدِیَکُمْ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ [النساء:۷۷] "ہاتھ روکے رکھو اور نماز پڑھتے رہو" لڑنا نہیں۔ بار بار مسلمانوں کے دلوں میں خیال آتا تھا کہ ہمیں بھی لڑنے کا حکم مل جائے ہم بھی ان ظالموں کے ساتھ لڑیں لیکن رب تعالیٰ علیم اور خبیر ہے جو حکمتیں وہ جانتا ہے دوسرا کوئی نہیں جانتا۔

اہل مکہ کے دورانِ سال دو تجارتی سفر :

مکے کی زمین پتھریلی ہے وہاں کوئی چیز کاشت نہیں ہوتی تھی، نہ فصلیں، نہ باغات۔ مکے والوں کی روزی صرف تجارت پر تھی۔ وہ دو سفر کرتے تھے رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ایک گرمی کا اور ایک سردی کا۔ گرمی کے موسم میں شام جاتے تھے کہ وہ ٹھنڈا علاقہ تھا اور سردیوں کے موسم میں یمن جاتے تھے کہ وہ گرم علاقہ تھا۔ اس

طرح ان کا وقت گزرتا تھا۔ کعبۃ اللہ کے متولی ہونے کی وجہ سے راستے میں لوگ ان کو مفت کھانے بھی کھلاتے تھے خادم کعبہ ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے۔ ان دو سفروں میں سال کی روزی کما لیتے تھے۔

یمن کے سفر کے بعد شام کے سفر کی تیاری شروع ہوئی۔ مکے والے دارالندوہ میں جمع ہوئے اور کہنے لگے بارہا ہم نے سامانِ تجارت سے فائدہ اُٹھایا ہے اس دفعہ قربانی دو اور عہد کرو کہ جو نفع ہوگا اس کو مسلمانوں کے خلاف لڑائی کے لیے ہتھیاروں پر خرچ کرنا ہے۔ راس المال یعنی اصل رقم تمھاری ہوگی نفع مسلمانوں کے خلاف خرچ کرنے کے لیے ہوگا۔ سب وعدہ کرو۔ چوں کہ مسلمانوں کے خلاف ان کے جذبات بہت زیادہ تھے اس لیے بلا قیل وقال مردوں نے، عورتوں نے، بوڑھوں اور جوانوں نے اس پروگرام کی کھلی تائید کی اور آمادگی کا اظہار کیا۔ اپنی خوشی سے لوگوں نے رقم دی۔

ایک ہزار اُونٹ، ساٹھ آدمیوں کا قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں پچاس ہزار دینار کا سامان لے کر شام کے لیے چل پڑا۔ راستے میں بھی چیزیں خریدتے، بیچتے گئے۔ اس مرتبہ ان کو توقع سے زیادہ نفع حاصل ہوا۔ یہ سارا نفع انھوں نے اسلام کے خلاف، حق کے خلاف، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کرنا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف خرچ کرنا تھا۔ لڑائی کی بنیاد تو پڑ گئی تھی کہ کرز بن جابر فہری نے اپنے چھاپا مار ساتھی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم کو شہید کر دیا تھا۔

اذنِ جہاد :

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو بھی اجازت مل گئی۔ حکم نازل ہوا اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ [الحج:۳۹] یہ پہلی آیتِ کریمہ ہے جو جہاد کے سلسلے میں نازل ہوئی۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں اُذِنَ لِلَّذِيْنَ "اجازت دی گئی ان لوگوں کو يُقٰتَلُوْنَ جن سے لڑائی کی جاتی ہے۔" لڑائی کی بنیاد تو رکھی جا چکی تھی، آغاز ہو چکا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیسے لڑیں؟ ایک طرف تھوڑے سے آدمی ہیں اور دوسری طرف سارا عرب ہے۔ ایک طرف ظاہری اسباب تھوڑے ہیں۔ نہ دولت ہے، نہ اسلحہ ہے ضرورت کے مطابق۔ دوسری طرف دولت بھی ہے اور اسلحہ بھی وافر مقدار میں ہے۔ ایک طرف سب قبیلے ہیں اور دوسری طرف چند نفوس ہیں۔ ان کے پاس صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کی مدد ہے اور کچھ نہیں۔ اسی واسطے فرمایا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ "بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔"

قلت، کثرت کا سوال غیر اسلامی ہے :

یاد رکھنا! اسلام میں قلت، کثرت کا کوئی سوال نہیں۔ مسلمان اپنے ذہن میں کبھی قلت، کثرت کا خیال نہ لائے۔ اگر یہ سوال لائے گا تو غیر اسلامی تصور ہوگا، غیر اسلامی نظریہ ہوگا۔ قرآن پاک میں ہے كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ [البقرہ:۲۴۹] "بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں

بڑی جماعتوں پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔" اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کو فتح و نصرت ہوئی ہے۔ دنیا کی تاریخ اور حالات بتاتے ہیں۔ ایک موقع پر نہیں بے شمار موقعوں پر۔

کیپٹن ایس۔اے زبیری کا ایمان افروز واقعہ :

تمہیں یاد ہوگا اور اخبارات آج بھی ہمارے پاس موجود ہیں۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں چونڈے کا محاذ تمہارے قریب ہے جہاں کی ٹھاہ ٹھاہ کی آواز تم سنتے تھے۔ کیپٹن ایس۔اے زبیری یہاں کے انچارج تھے۔ اس کے پاس تین چھوٹے ٹینک اور سو نوجوان تھے اور مقابلے میں تیس بڑے بڑے ٹینک اور تین ہزار فوج ان کو نظر آرہی تھی، پیچھے کا علم نہیں کہ کتنی فوج تھی۔ کیپٹن نے اپنے مرکز سے رابطہ کیا کہ میرے پاس سو جوان ہیں اور تین ٹینک ہیں اور مقابلے میں جو ہمیں معلومات ہوئی ہیں تین ہزار فوج اور تیس ٹینک نظر آرہے ہیں اس کے علاوہ کا علم نہیں ہے میرے متعلق کیا حکم ہے میں کیا کروں؟ مرکز نے کہا جوانوں کو ضائع نہ کرو پیچھے ہٹ جاؤ۔ اچھا مشورہ تھا شرعاً مذموم نہیں تھا۔

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کافر دوگنا سے زیادہ ہوں تو پیچھے ہٹنا جائز ہے۔ قانون اور فوجی نقطۂ نظر سے بھی جائز ہے۔ کیپٹن زبیری نے کہا میں نے قرآن کریم میں یہ آیت کریمہ پڑھی ہے کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ۔ لہٰذا آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ وہ ایک دن اور ایک رات تین ٹینکوں کے ساتھ

لڑے۔ پھر پیچھے سے اور ٹینک بھی پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا فرمائی۔ دنیا کی تاریخ میں جرمنی کے مقام عالمین کے بعد ٹینکوں کی سب سے بڑی جنگ یہاں ہوئی ہے۔

تو یاد رکھو! مسلمان مسلمان ہوں اور مسلمانوں والے جذبات ہوں تو یقین جانو! اللہ تعالیٰ کی رحمت آج بھی بے تاب ہے اُترنے کے لیے اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ [محمد:۷] "تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کرے گا۔" اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کا مطلب ہے کہ تم دین دار بن جاؤ، مومن بن جاؤ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ [آل عمران:۱۳۹] "اور تم ہی غالب ہو اگر ہو تم مومن۔" قلت کثرت کوئی شے نہیں ہے۔

ساٹھ مسلمانوں کا ساٹھ ہزار کو شکست دینا :

تاریخ بتلاتی ہے کہ قادسیہ کے مقام پر ساٹھ مسلمانوں نے ساٹھ ہزار کا مقابلہ کیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تاریخ کا سنہری واقعہ ہے کہ ایک مسلمان نے ایک ہزار کا مقابلہ کیا اور صرف مقابلہ ہی نہیں کیا فتح پائی۔ ساٹھ میں سے دس شہید ہوئے اور ساٹھ ہزار میں سے دس ہزار مارے گئے اور باقی بھاگ گئے۔ تو قلت، کثرت اور اسلحہ کوئی شے نہیں ہے سب سے بڑی چیز ایمان ہے۔ اگر ایمان ہوگا اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ ہوگا تو اُوپر سے فرشتے اتریں گے۔

ابودجانہ رضی اللہ عنہ کا تن تنہا چالیس ہزار سے مقابلہ :

اور ہماری تاریخ یہ بھی بتلاتی ہے کہ ایک مسلمان حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار کا مقابلہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یمامہ کے مقام پر مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں۔ اس جگہ کا نام حدیقۃ الموت ہے یعنی موت کا باغ۔ اس جگہ تنہا حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے تین گھنٹے تک چالیس ہزار فوج کا مقابلہ کیا پھر شہید ہوئے مگر فوج میں افراتفری پھیلا دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انصار و مہاجرین سے رائے لینا :

تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصۡرِهِمۡ لَقَدِیۡرُ ۙ "مظلوموں کو اجازت ہے کافروں کے ساتھ لڑیں اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر قادر ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑے سے متفکر ہوئے اس واسطے کہ مہاجرین کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور انصارِ مدینہ نے اس وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تھے یہ بات کہی تھی کہ حضرت! اگر باہر جا کر لڑنا پڑا تو ہم مجبور نہیں ہوں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات یاد تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم متفکر ہوئے کہ اگر انصارِ مدینہ سے کہتا ہوں کہ ہمارے ساتھ چل کر لڑو اور وہ خدانخواستہ یہ کہہ دیں کہ حضرت! ہم وعدے کے مطابق پابند نہیں ہیں تو پھر کیا ہوگا؟ مہاجرین کی تعداد تو بہت تھوڑی ہے۔ تاریخ اُٹھا کر دیکھو! بدر میں شریک مہاجرین کی تعداد چوہتر [۷۴] تھی باقی سب انصار تھے۔ خاصہ اہم مسئلہ تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے براہِ راست تو انصار مدینہ کو کچھ نہ کہا حکمتِ عملی سے کام لیا اور اعلان کروایا کہ فلاں وقت مسجد نبوی میں اہم بیان ہے سارے اکٹھے ہو گئے۔ آج کا دور تو یہ ہے کہ دینی اجتماع کے لیے دس آوازیں لگائیں تو ایک آدمی نکلتا ہے۔ دس اشتہار لگاؤ تو دو آدمی مشکل سے آتے ہیں۔ کیوں کہ ہمارا زمانہ قول کا ہے عمل کا نہیں ہے۔ وہ زمانہ عمل کا تھا قول کا نہیں تھا۔ کرتے زیادہ تھے کہتے کم تھے۔ آج قوال زیادہ ہیں فعّال نہیں ہیں۔ تو مسجد نبوی میں سارے اکٹھے ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہجرت کا حکم دیا ہم یہاں آ گئے اور ہجرت اس واسطے کی کہ وہاں ہمارے لیے دین پر رہنا مشکل ہو گیا تھا اور جہاں ایمان محفوظ نہ رہے وہاں سے ہجرت کر جانی چاہیے۔ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ لوگ ہمارا پیچھا چھوڑ دیتے کہ ہمارے علاقے سے باہر چلے گئے ہیں ان کا تعاقب چھوڑ دو لیکن انھوں نے ہمارا تعاقب نہیں چھوڑا۔ یہ انھوں نے عبداللہ بن اُبی کے نام خط بھیجا ہے اور یہود کو بھی ہمارے خلاف اُکسایا ہے (تفصیل ابوداؤد شریف میں موجود ہے)۔ یہ چیزیں ہماری معلومات میں آئی ہیں اور کرز بن جابر کے لشکر نے ہمارا آدمی بھی شہید کر دیا ہے۔ اب ہمارے خلاف اسلحہ خریدا جا رہا ہے اور لڑائی کی تیاری ہو رہی ہے۔ اس سلسلے میں سب کو اکٹھا کیا ہے بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی تقریر:

انصارِ مدینہ بڑے ذہین لوگ تھے، نکتہ رس، رمز شناس، بصیرت والے، بات کی تہہ تک پہنچنے والے۔ وہ سمجھ گئے کہ ابتدا میں ہم نے جو بات کہی تھی اس کو

سامنے رکھتے ہوئے ہمارا نظریہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ قبیلہ اوس کے سردار اُٹھ کر کھڑے ہوئے اور کہنے لگے حضرت! ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان سنا ہے ہم اس کا مطلب سمجھ گئے ہیں۔ حضرت! جس وقت ہم نے وہ بات کہی تھی وہ وقت، وہ دور اور تھا، وہ حالات کچھ اور تھے اب حالات کچھ اور ہیں۔ حضرت! آپ ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح نہیں پائیں گے کہ جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ إِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ [المائدہ:۲۴] "اے موسیٰ (علیہ السلام) آپ جائیں اور آپ کا رب جائے دونوں جا کر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے۔" کتنا گستاخانہ حملہ ہے اور کتنا طوطا چشمی والا جواب ہے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا۔ وہ قوم جس نے سارے کرشمے دیکھے۔ عصا کا معجزہ دیکھا، ید بیضا دیکھا، من وسلوٰی دیکھا، دریا پھٹتے ہوئے دیکھا، اپنے اُوپر بادلوں کا سایہ دیکھا، پتھر سے چشمے جاری ہوتے ہوئے دیکھتے لیکن کیسا کورا جواب دیا۔ فرعون کی غلامی میں رہ کر ذہن غلاموں والا بن چکا تھا۔

تو حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح نہیں ہوں گے وَ لٰكِنْ نُقَاتِلُ عَنْ يَمِيْنِكَ وَعَنْ شِمَالِكَ۔ حضرت! ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں لڑیں گے، بائیں لڑیں گے، پیچھے لڑیں گے، آگے ہو کر لڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ ہمیں اپنا وفادار پائیں گے۔ احادیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خوش ہوتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس منور ہو جاتا تھا فَتَهَلَّلَ وجه رسول الله ﷺ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے خوش ہوئے۔

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی تقریر :

خزرج کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ کہنے لگے اگر آپ ہمیں حکم دیں گے تو ہم پہاڑوں کے ساتھ ٹکرا جائیں گے۔ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نُخِيْضَهَا الْبَحْرَ لَاَخَضْنَاهَا [مسلم، رقم: 83-1779] "اگر حکم دیں گے تو ہم اپنے گھوڑوں کو سمندر میں ڈال دیں گے۔" خشکی کا سفر تو در کنار سمندروں میں گھوڑے دوڑا دیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے خوش ہوئے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کا حکم نازل ہو چکا ہے اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ اب ہم نے جہاد کے لیے جانا ہے۔

جہاد کی تیاری کی۔ تین سو بارہ آدمی تھے تیرھویں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھے عجیب نقشہ تھا۔ قرآن پاک میں بعض اشارات موجود ہیں۔ احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں تفصیل موجود ہے تین سو تیرہ کے پاس صرف آٹھ تلواریں، چھ زرہیں، دو گھوڑے اور ستر اُونٹ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ، ان تین بزرگوں کے حصے میں ایک سواری تھی۔ مدینہ منورہ سے بدر اسی [۸۰] میل انگریزی کے حساب سے دور ہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا، سخت گرمی کا زمانہ تھا اور اسی میل کا سفر طے کرنا ہے۔ یہ سارا نقشہ ذہن میں لاؤ۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدل چلنے کا وقت آتا یہ دونوں بزرگ کہتے حضرت! آپ سوار رہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باری ہم پیدل چلیں گے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قدرت اور طاقت دی ہے اس کو میں کیوں نہ اللہ تعالیٰ کے راستے

میں خرچ کروں۔ میں اپنی باری پر سوار ہوں گا اور اپنی باری پر چلوں گا۔ اور فرمایا فی سبیل اللہ جو پاؤں پر غبار پڑتا ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ جہنم کی آگ اور یہ گردوغبار اکٹھے ہوجائیں۔ یہ دو چیزیں جمع نہیں ہوسکتیں۔

جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے علم دین حاصل کرتا ہے اس کے لیے جو قدم رکھتا ہے یہ بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ دوسرا تبلیغ دین کے لیے جو قدم رکھتا ہے وہ بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ کافروں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے جو قدم رکھتا ہے وہ بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ حج کا سفر کرنے کے لیے جو قدم رکھتا ہے وہ بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ اور فی سبیل اللہ کی مد یہ ہے کہ ایک قدم کی ادنیٰ ترین نیکیاں سات سو ہیں وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ ایک روپیہ کوئی خرچ کرے ادنیٰ ترین بدلہ سات سو ہے۔

تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں میرے قدموں پر بھی غبار پڑے، میں بھی نیکیاں کماؤں۔ جس وقت یہ حضرات مدینہ طیبہ سے باہر نکلے اور یہودیوں اور منافقوں کو پتا چلا کہ یہ کافروں کے ساتھ لڑنے کے لیے جا رہے ہیں اس وقت انھوں نے جو کچھ کہا اس کا ذکر قرآن پاک میں ہے اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ [الانفال:۴۹] "جب کہہ رہے تھے منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے دھوکا دیا ان لوگوں کو ان کے دین نے۔" یہ بھولے لوگ تین سو تیرہ، آٹھ تلواریں، چھ زرہیں اور دو گھوڑے لے کر قریش مکہ پر غالب آنے کے لیے جا رہے ہیں۔ ان کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈالا ہے۔

مذاق کے طور پر انھوں نے یہ کہا کہ ان بہادروں نے ان کے سر اُتارنے ہیں، ان کو قید کر کے لانا ہے۔ کسی کے تصور میں تھا؟ جو انھوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے پورا کر کے دکھا دیا۔ منزل بہ منزل بدر کے مقام پر پہنچے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ [آل عمران: ۱۲۳] "اور البتہ تحقیق تمھاری مدد کی اللہ تعالیٰ نے بدر کے مقام پر اور تم انتہائی کمزور تھے۔" افراد، اسلحہ اور سواریوں کا نقشہ تو تم نے دیکھ لیا تاریخ میں اس کا بھی ذکر ہے کہ ہرے درختوں کی ٹہنیاں لے کر تیر کمان بنائے ہوئے تھے محض اس لیے کہ کافر دیکھیں تو یہ نہ سمجھیں کہ نہتے ہیں۔

مشرک پہلے پہنچ چکے تھے۔ ابو جہل کی قیادت میں عمرو بن ہشام اس کا نام ابو حکم اس کا منصب تھا یعنی چیئر مین۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ ایک ہزار آدمی پورے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ ہر طرح کے اسلحہ سے لیس شاذ و نادر ہی کوئی ہوگا کہ جس کے پاس تین ہتھیار نہ ہوں۔ تیر کمان، نیزہ اور تلوار۔ ان کا طریقہ جنگ یہ تھا کہ دور ہوتے تو تیر مارتے کوئی قریب آ جاتا تھا تو نیزے کے ساتھ لڑتے اور بالکل قریب آ جاتا تو تلوار استعمال کرتے۔ ضرورت سے زیادہ اُونٹ لے کر آئے۔ کھانے کے لیے روزانہ دس اُونٹ ذبح کرتے۔ گانے والی عورتیں اور شراب کی بوتلیں ساتھ لے کر آئے تھے کہ مسلمانوں کو ختم کر کے عورتیں گیت گائیں گی، شرابیں پئیں گے، اردگرد کے قبائل کی دعوت کریں گے، جشن منائیں گے۔

خباب بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ کی رائے :

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر بدر کے مقام پر پہنچے تو

ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ حضرت خباب بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ بڑے ذی رائے صحابی تھے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے حضرت! یہ فرمائیں کہ اس جگہ کا پڑاؤ کیا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے یا حضرت! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صواب دیدی رائے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا حکم اتنا ہی ہے کہ جہاد کرو ٹھہرنا ہماری صواب دید پر ہے۔ کہنے لگے حضرت! پھر میرے خیال کے مطابق یہ جگہ ہمارے لیے موزوں نہیں ہے۔ جنگی نقطۂ نظر سے اگلی جگہ بہتر ہے۔

اس جگہ پہنچے تو وہ ریت کے ٹیلے تھے۔ ریت ہی ریت تھی، پاؤں اس میں دھنستے تھے۔ گھوڑے اس میں دھنستے تھے۔ پانی کا بھی فقدان تھا نہ پینے کے لیے، نہ وضو کے لیے۔ شیطان بڑا دشمن ہے اس نے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ اگر تم سچے ہوتے تو تمھیں یہ مسائل پیش نہ آتے کہ پینے کے لیے پانی بھی نہیں ملتا۔ شیطان انسان کا بڑا دشمن ہے۔

ابلیس انسان کا کھلا دشمن ہے :

ایک بزرگ کا واقعہ آتا ہے کہ دوپہر کے وقت ایک دیوار کے سائے میں سوئے ہوئے تھے کہ دوپہر کو تھوڑا سا آرام کریں گے تو تہجد کے لیے اُٹھنا آسان ہو جائے گا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ دوپہر کو سونا مِنْ دَابِ الصّٰلِحِيْنَ "نیک لوگوں کی عادت میں سے ہے۔" اچانک ایک آدمی نے آ کر پاؤں ہلایا کہ جلدی اُٹھو دیوار گرنے والی ہے۔ وہ اُٹھ کر پیچھے ہوئے ہی تھے کہ دیوار گر گئی۔ کہنے لگے میرے لیے تم فرشتہ بن کر آئے ہو تم کون ہو؟ اس نے کہا یہ نہ پوچھو۔ بزرگ نے کہا نہیں بتلاؤ

تم کون ہو؟ اس نے کہا میں ابلیس ہوں۔ بزرگ کہنے لگے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، ابلیس لعین میرے ساتھ تیری کیا ہمدردی ہے؟ میں نے ہمیشہ تیری مخالفت کی ہے۔ ابلیس کہنے لگا تم بچ تو گئے ہو نا اگلی بات کو چھوڑو۔ بزرگ کہنے لگے نہیں مجھے بتلاؤ تم نے میرے ساتھ یہ نیکی کیوں کی ہے؟ تو ابلیس لعین نے کہا اگر تم وہاں سوئے رہتے دیوار گرتی شہید ہو جاتے میرا دشمن شہادت کی موت کیوں مرے۔ میں نے تیری مخالفت کی ہے کہ تو شہید نہ بنے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو دیوار یا مکان کے نیچے آ کر مر جائے تو وہ شہید ہے۔ مسلمان ہو، صحیح العقیدہ ہو پانی میں ڈوب کر مر جائے، آگ میں جل کر مر جائے وہ شہید ہے، کسی حادثے میں مر جائے وہ شہید ہے۔

تو شیطان نے وسوسے ڈالے۔ سورۃ الانفال کے دوسرے رکوع میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کی بارش برسائی جس سے ریت جم گئی ایسے جیسے سڑک ہوتی ہے۔ پینے کے لیے پانی بھی مل گیا اور وضو کے لیے بھی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت جہاں مشرک تھے وہ پست جگہ تھی پانی وہاں جا کر کھڑا ہو گیا اور کیچڑ بن گئی۔ عالم اسباب میں ان کی شکست کا ایک سبب یہ بھی تھا۔ جو مقام حضرت خباب بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا بڑا موزوں ثابت ہوا۔ اب چوں کہ وقت ختم ہو چکا ہے ابھی بدر کی لڑائی شروع نہیں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ "البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمھاری مدد کی بدر میں جب تم کمزور تھے فَاتَّقُوا اللّٰهَ اللہ تعالیٰ سے ڈرو

دین پر قائم رہو لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔" رب تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سب کو پرہیزگار بنائے، صحیح معنیٰ میں دین دار بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ [آمین!]

غزوۂ بدر

خطبہ جمعۃ المبارک ۱۱؍جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ ، ۱۹۸۱ء

ہوں بزمِ دوستاں میں تو حرفِ سبک ہیں آپ (ﷺ)
اور رزمِ دشمناں ہو تو کوہِ گراں ہیں آپ (ﷺ)

خطبہ مسنونہ کے بعد۔۔۔امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ۔

[سورۃ الحج، آیت: ۳۹؛ پارہ: ۱۰]

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

[آل عمران: ۱۲۳، پارہ: ۴]

تمہید:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا سلسلہ آدم علیہ السلام سے جاری فرمایا اور امام الانبیاء، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کیا۔ عمل کا جو نمونہ اللہ تعالیٰ کو پسند تھا پیغمبروں کو عملی نمونہ بنا کر بتلایا کہ ان کے مطابق تم عمل کرو۔ سارے پیغمبر اپنی اپنی قوم اور اُمت کے لیے نمونہ تھے۔ سب سے آخر میں سب سے بلند مرتبہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ ایسا عملی نمونہ دنیا میں نہ کبھی پہلے آیا اور نہ بعد میں آسکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے نمونہ ہیں۔

جو کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیے ان کے مختلف درجات:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ سوائے ان چیزوں کے جو منسوخ ہو چکی ہیں جو میں تفصیلاً عرض کر چکا ہوں یا وہ چیزیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے

ساتھ مخصوص تھیں، آپ ﷺ کی نبوت کی پوری زندگی ہمارے لیے دین ہے، ہمارا ایمان ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان چیزوں کے درجے ہیں۔ بعض چیزیں فرض ہیں، بعض واجب ہیں، بعض سنت مؤکدہ ہیں، بعض مستحب ہیں اور بعض صرف مباح کے درجے میں ہیں۔ یہ قسمیں دین ہیں۔ فرض بھی دین ہے، واجب بھی دین ہے، سنت مؤکدہ بھی دین ہے، مستحب بھی دین ہے، جائز اور مباح بھی دین ہے۔

یہ ضروری نہیں ہوتا جو کام آپ ﷺ نے کیا ہے وہ فرض ہی ہو جائے۔ الگ الگ درجے ہیں۔ نفلی نماز پڑھے گا، نفلی روزہ رکھے گا ثواب کا مستحق ہے نہیں پڑھے گا، نہیں رکھے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت نہیں ہوگی کہ تم نے نفلی نماز کیوں نہیں پڑھی؟ نفلی روزہ کیوں نہیں رکھا؟ نفلی صدقہ کیوں نہیں کیا؟ بہ خلاف سنتِ مؤکدہ کے کہ اگر سنتِ مؤکدہ کی پابندی کرے گا تو اجر و ثواب کا مستحق ہوگا نہیں کرے گا تو باز پرس ہوگی۔

اور واجب ادا کرے گا تو ثواب ملے گا نہیں کرے گا تو مجرم اور گناہ گار ہوگا۔ فرض کو ادا نہ کرنے والا اپنی کوتاہی سمجھتا ہے تو گناہ گار ہے لیکن اگر معاذ اللہ تعالیٰ فرض کو فرض ہی نہیں سمجھتا تو یقین جانو! وہ مسلمان ہی نہیں رہے گا۔ اور فرض تو در کنار جو مسئلہ شریعت سے ثابت ہے چاہے وہ ادنیٰ مسئلہ ہی کیوں نہ ہو اس کو معمولی سمجھتا ہے یا اس کا استہزاء کرتا ہے تو کافر ہو جائے گا۔ دونوں باتوں کا فرق سمجھ لیں۔

انکار اور استہزاء کا فرق :

ایک ہے انکار اور ایک ہے استہزاء۔ انکار کا مطلب یہ ہے کہ میں نہیں مانتا

اور استہزاء کا مطلب ہے ٹھٹھا کرنا۔ اگر کوئی چیز قطعی دلیل سے ثابت ہے، قرآن سے ثابت ہے، خبر متواتر سے ثابت ہے، اجماع امت سے ثابت ہے تو اس کا منکر کافر ہے۔ اگر خبر واحد سے ثابت ہے جس کا راوی ایک ہے تو ایسی چیز کا انکار کرنا گناہ ہے کفر نہیں ہے۔ کفر بڑا سنگین جرم ہے اس سنگین جرم کے لیے دلیل بھی بڑی چاہیے۔ تو قطعی چیز کا منکر کافر ہے اور ظنی چیز کا منکر کافر نہیں گناہ گار ہے۔ لیکن اگر خبر واحد سے ثابت شدہ چیز کا استہزاء کرتا ہے تو سب کے نزدیک کافر ہے۔

مثال کے طور پر یہ موچھیں ہیں۔ ان کے بارے میں احادیث بھی مختلف ہیں اور ائمہ کا بھی اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قینچی کے ساتھ مونچھیں صاف کرنی چاہئیں۔ اس کو وہ افضل فرماتے ہیں اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں ہے قَصُّوا الشَّوَارِبَ "مونچھوں کو کاٹو" امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُسترے کے ساتھ صاف کرنا افضل ہے اور بخاری، مسلم کی حدیث پیش کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِعْفُوا اللُّحٰی وَاعفوا الشَّوَارِبَ اور ایک روایت میں ہے انھکوا الشَّوَارِبَ۔ دونوں لفظ بخاری، مسلم میں موجود ہیں۔ ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھوں کو صاف کرو کہ نظر نہ آئیں۔ اب ظاہر بات ہے کہ قینچی کے ساتھ کاٹیں تو نظر آئیں گی صاف تو تب ہوں گی جب استرا پھرے گا۔ تو اُسترے کے ساتھ مونچھیں مونڈنا افضل ہے۔ یاد رکھنا! فرض واجب نہیں ہے۔ ائمہ کرام کا اختلاف مستحب غیر مستحب میں ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مونچھیں اُسترے سے منڈوانی افضل ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قینچی سے کٹوانی بہتر ہیں۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ قاضی القضاۃ یعنی اسلامی حکومت کے چیف جسٹس تھے۔ ان کے سامنے مقدمہ پیش ہوا کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کی مونچھوں کا مذاق اُڑایا ہے۔ وہ مونچھیں منڈوا کر آیا ہوگا دوسرے آدمی نے اس کو کہا کہ آج تو بھائی بڑا عمدہ پھاٹک بنا ہوا ہے۔ اتنی بات پر مقدمہ درج ہوا۔ آج تو اسلام کے خلاف جو کچھ کہتے جاؤ کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ حکومت کے خلاف نہ ہو، گورنروں کے خلاف نہ ہو، افسروں کے خلاف نہ ہو، برسر اقتدار طبقے کے خلاف نہ ہو، اسلام کے خلاف کہو کوئی بات نہیں۔ اُس وقت ایسا نہیں تھا۔ اُس وقت دین کے خلاف معمولی بات پر بھی مقدمہ دائر ہوتا تھا۔ تو یہ مقدمہ دائر ہوا فَحَكَمَ بِارْتِدَادِهٖ "قاضی القضاۃ نے فیصلہ دیا کہ یہ ٹھٹھا کرنے والا مرتد ہو گیا ہے۔" کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ایک پہلو کے ساتھ استہزاء کیا ہے مسلمان نہیں رہا۔ خبر واحد کا منکر کافر نہیں ہے لیکن خبر واحد کے ساتھ استہزاء کرنے والا کافر ہے۔ دین کی باتوں کے ساتھ استہزاء کرنا اللہ کی پناہ!

یاد رکھنا! اگر کوئی کسی کی ٹنڈ کا مذاق اُڑاتا ہے، مونچھوں کے ساتھ استہزاء کرتا ہے، ڈاڑھی کا مذاق اُڑاتا ہے، مسواک کے ساتھ استہزاء کرتا ہے، ٹخنوں سے اُوپر لنگی یا شلوار کی وجہ سے استہزاء کرتا ہے تو یوں سمجھو کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ایسا انداز اختیار نہ کرو کہ جس سے بندہ ایمان سے محروم ہو جائے۔

اور بخاری شریف کی روایت ہے فرمایا بعض اوقات آدمی ساٹھ سال تک بندگی کرتا ہے سِتِّيْنَ سَنَةً وہ ساٹھ سال کی عبادت ایک کلمے سے برباد ہو جاتی ہے اور کلمہ بھی ایسا کہ لَا يُلْقِيْ لَهَا بَالًا دل میں ارادہ بھی نہیں کہ میں نے یہ بات

کرنی ہے اور بات کفر کی، ارتداد کی ہوتی ہے۔ زبان سے نکال دی ساٹھ سال کی عبادت برباد ہوگئی۔ اس مسئلے پر بھی غور کرنا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے علمائے کرام کو جنھوں نے سمجھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

مالابدّ منہ کتاب کی اہمیت :

ہمارے ہندوستان کے مشہور بزرگ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑی شخصیت ہیں۔ انھوں نے بہت ساری کتابیں لکھی ہیں۔ تفسیر مظہری بھی لکھی ہے۔ ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے اس کا نام ہے "مالا بد منہ" یعنی وہ کتاب کہ جس کے بغیر مسلمان کو چارہ نہیں (یعنی جو مسلمان کے لیے ضروری ہے)۔ اس کے آخر میں حضرت نے کلماتِ کفر بھی بتلائے ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ یہ کتاب ہر مسلمان مرد عورت کو پڑھنی چاہیے کہ کس کلمے سے بندہ کافر ہوجاتا ہے اور کس سے نہیں ہوتا۔ اس کا اُردو ترجمہ بھی ہوچکا ہے اس کا نام ہے "ضروری مسائل"۔ اس کو پڑھ کر تم حیران ہوگے اور توبہ توبہ کروگے کہ ان لفظوں سے بندہ کافر ہوجاتا ہے اور ہمارے ہاں تو یہ الفاظ روزمرہ کے مشغلے ہیں۔ اس کو ضرور ایک دفعہ پڑھو۔ تو خیر:

اَلشَّیْءُ یُذْکَرُ بِالشَّیْءِ

"بات سے بات نکلتی ہے۔"

تو میں عرض کررہا تھا کہ مستحب کا منکر کافر نہیں ہے لیکن مستحب کا استہزاء کرنے والا کافر ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اعمال کیے ہیں وہ سب درجہ بہ درجہ دین ہیں۔ اور آپ جیسا نمونہ اور کوئی نہیں ہے اور یقین جانو! ہم جیسے گناہ گاروں کے

لیے اللہ تعالیٰ کا بے انتہا فضل ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ رب تعالیٰ کا کرم ولطف ہے، اس کی مہربانی ہے کہ ہم جیسے گناہ گاروں کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اُمتی بننے کا شرف نصیب ہوا ہے، آپ کا کلمہ ملا، آپ ﷺ کی شریعت ملی۔ یقین جانو! اتنا فخر اور کسی چیز پر نہیں ہے اس کا تو پتا چلے گا جب آنکھیں بند ہوں گی قبر میں پہنچے گا، میدانِ محشر میں پہنچے گا سب سے پہلے اس اُمت کا حساب ہوگا سب سے پہلے جنت میں آپ ﷺ قدم رکھیں گے اور غیر انبیائے کرام میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قدم ہوگا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس اُمت کا حساب آخر میں ہوتا کیوں کہ آخر میں آئی ہے لیکن سب سے پہلے آپ ﷺ کی اُمت کا حساب ہوگا۔

غزوہ کی تعریف:

سیرت کے سلسلہ میں غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ یاد رکھنا! غزوہ اُس جہاد کو کہتے ہیں جس میں آپ ﷺ خود شریک ہوئے ہوں یا جس لشکر کے سپاہی اور فوجی افسر آپ ﷺ نے منتخب فرمائے ہوں۔ اِسی غزا سے غازی کا لفظ ہے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والا۔ آج بھی اگر کوئی غازی ہے تو اس لیے کہ آپ ﷺ نے حکم دیا اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ "جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔" آپ ﷺ کے حکم ہی سے جہاد چل رہا ہے۔ فرمایا فرض کرو اگر کسی وقت بادشاہ

ظالم ہے تو اس کا ظلم بھی جہاد کو نہیں روک سکتا۔اس ظالم کے ساتھ مل کر بھی کافروں کے ساتھ جہاد کرو۔اگر عادل ہے پھر بھی جہاد ہے مَعَ بَرٍّ وَفَاجِرٍ بادشاہ نیک ہے یا بد ہے اس کے جھنڈے تلے کافروں کے ساتھ جہاد کرو۔

غزوۂ بدر :

اسلام میں سب سے پہلا غزوہ، غزوۂ بدر ہے۔اس کا ابتدائی حصہ کافی تفصیل کے ساتھ آپ حضرات سن چکے ہیں میں اس کو دُہراتا نہیں ہوں صرف اتنی بات عرض کرتا ہوں کہ ہجرت کا دوسرا سال تھا رمضان المبارک کا مہینہ تھا آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھوڑا سا لشکر تھا، تین سو تیرہ، تیرھویں آپ ﷺ خود تھے۔ان میں سے ایسے بھی تھے کہ پاؤں میں جوتا کوئی نہیں، سر پر ٹوپی کوئی نہیں۔ ایسے بھی تھے جن کے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں تھا۔تین تین آدمیوں کے لیے ایک سواری تھی۔ خود آنحضرت ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے حصے میں ایک اُونٹنی سواری تھی۔باری باری چلتے تھے۔

بدر مدینہ منورہ سے بہ سوئے مکہ مکرمہ [۸۰] میل دور تھا۔یہ جب گھروں سے نکلے تو کافروں نے مذاق اُڑایا، یہودیوں نے، منافقوں نے۔یہ لفظ قرآن پاک میں منقول ہیں غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ۔ان کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈالا ہے۔دین نے غفلت میں ڈال دیا ہے۔یہ ساری دنیا کے ساتھ لڑنے کے لیے جا رہے ہیں۔ استہزاءً یہ جملے بھی کہے کہ بھئی! یہ بہادر ہیں ان بہادروں نے اپنے مخالفوں کے سر اُتارنے ہیں اُن کو اِنھوں نے رسیوں سے باندھ کر لانا ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان

چیزوں کی کوئی پروانہ کی۔ ان مذاق اُڑانے والوں کی زبانوں سے جو الفاظ نکلے تھے اللہ تعالیٰ نے پورے کر کے دکھائے۔ سر بھی کاٹے اور ہتھ کڑیوں، زنجیروں میں جکڑ کر بھی لائے۔

بدر پہنچ کر عشاء کی نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرخ رنگ کے چمڑے کے خیمے میں داخل ہوئے اور رو رو کر دعائیں کیں اے پروردگار! یہ میری پونے پندرہ سال کی کمائی ہے۔ تیرہ سال مکی زندگی اور پونے دو سال مدینہ منورہ کے۔ موٹا تخمینہ پندرہ سال کی کمائی ہے۔ اے پروردگار! عِصَابَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پروردگار! قیامت تک تیری سچی توحید کا نام لینے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اتنے روئے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دل دہل گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مداخلت کرنی پڑی۔ اندر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بازو سے پکڑ کر کہا: لَقَدْ اَلْحَحْتَ عَلٰى رَبِّكَ "حضرت! آپ نے بڑی آہ وزاری کی ہے بڑی عاجزی کی ہے حضرت! اب بس کر دیں اللہ تعالیٰ آپ کی آہ وزاری سنے گا۔"

خدائی اختیارات صرف اللہ کے پاس ہیں :

اب یہاں سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خدائی اختیارات ہوتے تو رب تعالیٰ کے سامنے سر جھکانے اور دعا کرنے کی کیا ضرورت تھی خود ہی ان کا بیڑا غرق کر دیتے۔ میں کہتا ہوں بدر میں آنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی جیسے مبارک مقام میں مصلّے پر بیٹھ کر اشارے کے ساتھ سب کافروں کو ہلاک کر دیتے۔ یاد رکھنا! خدائی اختیارات صرف خدا کے

پاس ہیں۔ پیغمبروں کے پاس دعائیں ہیں، اخلاص ہے، ایمان ہے، اللہ تعالیٰ کے احکامات کا اتباع ہے، اس کی تبلیغ اور تلقین ہے۔ اس کے نتیجے میں رب تعالیٰ کی مدد ہے۔ اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا [المومن: ۵۱]

اللہ، رسول کی اطاعت میں کمی آنے سے نصرت کا پیچھے ہٹ جانا:

یاد رکھنا! اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی اطاعت میں عین میدانِ جنگ میں کوئی تھوڑی سی کمی آجائے تو اللہ تعالیٰ کی نصرت پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ یہ فرضی بات نہیں تفصیل آگے آئے گی میں یہاں صرف اشارہ کرتا ہوں۔ اُحد کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی کمان میں پچاس آدمیوں کی ڈیوٹی لگائی۔ فرمایا تم نے اس پہاڑی پر ٹھہرنا ہے جس کو آج کل جبلِ رُماۃ کہتے ہیں چاہے ہمیں فتح ہو یا شکست تم نے یہاں سے نہیں ہلنا۔ ان سے غلطی ہوگئی۔

جب مسلمانوں کو فتح ہوئی کافر جوتیاں چھوڑ کر، پگڑیاں چھوڑ کر بھاگے، اپنی چادریں پھینک گئے، تیر کمان پھینکے، بعض نے تلواریں پھینکیں ہلکا پھلکا ہونے کے لیے۔ مسلمان مالِ غنیمت اکٹھا کرنے لگ گئے۔ پہاڑی والوں نے سوچا کہ اب ہمارا پلہ بھاری ہے ہمیں یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ بعض ساتھیوں نے کہا اور امیر لشکر نے بھی کہا کہ تمھیں یاد نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہمیں فتح ہو یا شکست تم نے مورچا نہیں چھوڑنا۔ دوسروں نے کہا فرمایا تھا، یاد ہے، لیکن اس کا مطلب یہ تھا کہ ہماری ضرورت پیش آئے گی۔ اب میدان ہمارے ہاتھ میں ہے۔ یعنی قصداً نافرمانی نہیں کی رائے کی غلطی کے ساتھ ہوئی۔

یہ نیچے اُترے خالد بن ولید اس وقت تک رضی اللہ عنہ نہیں ہوئے تھے اُنھوں نے پیچھے سے حملہ کر دیا۔ ستر آدمی شہید ہو گئے۔ میدان میں جو مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا نقصان اُٹھانا پڑا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس زخمی ہوا۔ عتبہ بن ابی وقاص جو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا اس نے پتھر مارا جس سے دانت کا ایک حصہ شہید ہوا۔ عبداللہ بن اُمیہ نے تلوار ماری جس سے خود کٹا اور چہرہ اقدس زخمی ہوا اور خون کے فوارے جاری ہو گئے، جان خطرے میں پڑ گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی لائے تاکہ ٹھنڈا پانی ڈال کر خون روکیں لیکن خون پھر بھی نہ رُکا۔ خبر مشہور ہو گئی اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ آپ شہید ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی دلیر اور بہادر شخصیت چلنے کے قابل نہ رہی۔ چٹان کے ساتھ کمر لگا کر کھڑے ہو گئے۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے ایک پُرانی چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخموں پر رکھی تو خون رک گیا۔ مومنوں نے کہا اَنّٰی هٰذَا [آل عمران:۱۶۵] "یہ ہمیں کیا ہو گیا۔" قرآن پاک میں ہے رب تعالیٰ نے فرمایا تم نے اللہ کے پیغمبر کے حکم پر عمل نہیں کیا اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اور یاد رکھنا! صرف انھی لوگوں کو تکلیف نہیں پہنچی جن سے اجتہادی لغزش ہوئی تھی بلکہ دوسرے بھی رگڑے گئے۔ اس لیے یہ نہ سمجھنا کہ جی ہم نے تو غلطی نہیں کی لہٰذا ہم بچ جائیں گے۔ غلطی کا وبال سب پر پڑتا ہے۔

باپ بیٹے میں حصولِ شہادت کے لیے جھگڑا :

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہمارے لیے جہاد کے مواقع پر بھی

نمونہ ہے۔ بدر کے موقع پر ایک عجیب بات سامنے آئی۔ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب لکھی ہے "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات پر ہے۔ اس میں واقعہ لکھا ہے کہ سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ باپ بیٹے کا جھگڑا ہو رہا ہے۔ دونوں صحابی ہیں۔ گھر سے اُونچی اُونچی آوازیں باہر آ رہی ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ اس گھر سے تو کبھی آواز بلند نہیں ہوئی تھی بات کیا ہے؟ کس کے ساتھ جھگڑا ہے؟ کس بات پر جھگڑا ہے؟ پتا چلا کہ سعد کا اپنے باپ کے ساتھ جھگڑا ہے۔

بھئی! عجیب بات ہے کہ جس بیٹے نے باپ کے سامنے کبھی ہونٹ نہیں ہلائے تھے۔ جس باپ کی شفقت محلے میں ایک نمونہ تھی وہ باپ بیٹا کس وجہ سے لڑ رہے ہیں؟ محلے کے سمجھدار لوگ درمیان میں آئے تو پتا چلا کہ لڑائی اس بات پر ہو رہی ہے کہ باپ کہتا ہے کہ گھر میں عورتیں زیادہ ہیں، تمھاری ماں ہے، بہنیں ہیں، پھوپھیاں ہیں، ہم دونوں نہ جائیں ہم میں سے ایک جائے اور ایک رہ جائے۔ باپ کہتا ہے کہ میں جاتا ہوں بیٹا کہتا ہے کہ میں نے جانا ہے۔ محلے داروں نے کہا سعد! تم نے تو کبھی باپ کے سامنے بات نہیں کی تھی اور آج جھگڑے پر اُتر آئے ہو والد کی بات کیوں نہیں مانتے؟

بیٹے کا جواب سنو! کہنے لگا کوئی اور بات ہوتی تو میں باپ کی اطاعت کرتا یہ تو شہید ہونے کا موقع ہے مجھے باپ شہید کیوں نہیں ہونے دیتا؟ باپ اپنی جگہ مصر ہے بیٹا اپنی جگہ مصر ہے۔ باپ کہتا ہے کہ میں نے شہید ہونا ہے بیٹا کہتا ہے میں نے شہید ہونا ہے کوئی بھی پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ساتھیوں نے کہا کہ چلو

قرعہ اندازی کرلو۔ قرعہ اندازی میں بیٹے کا نام نکلا۔ بدر میں چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ آٹھ انصار میں سے اور چھ مہاجرین میں سے۔ ان انصار میں سعد بن خثیمہ بھی ہیں، رضی اللہ عنہ۔

اور آج تو باپ بیٹے کا جھگڑا ہوتا ہے جائیداد پر۔ بیٹا کہتا ہے کہ میرا جو حصہ بنتا ہے مجھے ابھی دے دو ورنہ میں تمھارا تیا پانچا کرتا ہوں۔ آج جھگڑے ہوتے ہیں وراثت پر، زمینوں پر، مکانوں پر، دولت پر اور اُس وقت جھگڑا ہوتا تھا شہادت پر۔ افسوس کہ ان بزرگوں کا مقام کسی نے سمجھا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نبیوں کے بعد عَلٰی جَمِیْعِهِمْ وَ عَلٰی نَبِیِّنَا الصَّلٰوت و التسلیمات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بہت بلند مقام ہے۔

تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خیمے میں گئے اور کہا حضرت! آپ نے بڑی آہ و زاری کی ہے اب بس کریں۔ ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ [القمر:۴۵] "ان کو شکست ہوگی پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔" جمعہ کا دن تھا، رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی جب بدر کا معرکہ پیش آیا۔ آس پاس کے لوگ جو وہاں رہتے تھے بڑے حیران تھے کہ ایک طرف چند نفوس ہیں آٹھ تلواریں ہیں اور دوسری طرف ہزار آدمی ہے اور ہر آدمی تلوار کے ساتھ مسلح ہے۔

جنگ کا آغاز :

صبح کی نماز پڑھی گئی دن چڑھا کافروں کا چیف کمانڈر ابوجہل تھا۔ اس نے

کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اپنے نوجوانوں کو میدان میں اُتارو۔ اس نے اپنے تین جوان عتبہ، شیبہ، ولید، باپ، بیٹا اور ایک بھائی میدان میں کھڑے کیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تین ساتھی نکالے۔ حضرت معاذ، حضرت عوف، عبداللہ بن رواحہ۔ یہ تینوں انصار میں سے تھے۔ پہلے زمانے میں لڑائیوں کا اصول یہ تھا کہ پہلے دونوں طرف سے بڑے بڑے میدان میں آ کر مقابلہ کرتے جس سے دونوں طرف اشتعال پیدا ہوتا تھا پھر گھمسان کی جنگ شروع ہو جاتی تھی۔ آج بھی اگر یہ طریقہ ہو جائے کہ روس کا صدر، امریکہ کا صدر پہلے آپس میں لڑیں پھر وزیر خارجہ کا وزیر خارجہ سے مقابلہ ہو پھر وزیر دفاع کا وزیر دفاع سے مقابلہ ہو تو ان کی نانی مر جائے اور کوئی لڑائی کا نام بھی نہیں لے گا۔ ان کو پتا ہے کہ ہم نے اپنے کمروں میں بیٹھنا ہے اور دستخط کرنے ہیں پبلک مرتی ہے تو مرتی رہے۔ اُس زمانے میں سرکردہ لوگ پہلے لڑتے تھے پھر دوسروں کی باری آتی تھی۔

طالوت اور جالوت کا تذکرہ :

قرآن پاک میں طالوت اور جالوت کا ذکر ہے۔ طالوت رحمۃ اللہ علیہ مومنوں کے کمانڈر تھے اگرچہ غریب آدمی تھے۔ مقابلے میں جالوت کافروں کا کمانڈر بڑا قدآور اور بڑی فوجوں والا تھا۔ حضرت طالوت رحمۃ اللہ علیہ کی فوج میں داؤد علیہ السلام بھی تھے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً اٹھارہ سال تھی ابھی نبوت نہیں ملی تھی۔ اس زمانے میں لڑائیاں کیسے ہوتی تھیں؟ میری اس بات کو دیہاتی لوگ آسانی سے سمجھیں گے کہ یہ لوگ گھبانی میں روڑے ڈال کر کھیتوں سے پرندے اُڑاتے ہیں۔ ایک رسّی ہوتی تھی

اس کے آگے روڑا رکھنے کے لیے چمڑا وغیرہ لگا ہوتا تھا رسی کو گھما کر پھینکتے تھے۔ آج کل اُردو میں اس کو گوپی کہتے ہیں پنجابی میں گھبانی کہتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو راستے میں ایک اچھا سا پتھر نظر آیا اس کو اُنھوں نے اُٹھالیا گھبانی میں پتھر رکھ کر گھما کر مارا وہ جالوت کی آنکھ میں جا کر لگا اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔ باقیوں کی ہمت پست ہو گئی۔ حضرت طالوت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی تین سو تیرہ آدمی تھے جنھوں نے ہزاروں پر غلبہ پایا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے۔ اس موقع پر ارشاد ہے كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ۔ [البقرة:۲۴۹]

جس وقت میدان میں نکلے تو عتبہ نے سوال کیا کہ ہمارے مقابلے میں آنے والو اپنا تعارف کراؤ تم کون ہو؟ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنا نام بتلایا، حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے اپنا نام بتلایا کہ میرا نام عوف بن مالک ہے، حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا نام بتلایا۔ عتبہ کے پیچھے ابو جہل کھڑا تھا مشورہ کیا کہنے لگے ان کے ساتھ نہیں لڑنا۔ ابو جہل نے آواز دی یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ ہمارے برابر کے لوگ نہیں ہیں انصار مدینہ میں سے ہیں ہم ان کو نہیں جانتے ہمارے برابر کے قریش نکالو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قُمْ يَا حَمْزَة، قُمْ يَا عَلِي، قُمْ يَا أَبَا عبيدة بن حارث۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ، یہ تینوں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر مقابلے کے لیے نکلے۔ حضرت ابو عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور تینوں کافر مارے گئے۔

اس کے بعد ایک کافر تھا سعید بن العاص حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح

مصر کا سگا بھائی ابوکرش اس کی کنیت تھی۔ یہ میدان میں آ کر کہنے لگا میرا نام ابوکرش ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ابوکرش کا معنٰی ہے بہت سی جماعتوں کا سردار۔ یعنی میں بڑے جوانوں کی جگہ ہوں، بڑا بہادر، بڑا دلیر تھا۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ پیچھے کھڑے سن رہے تھے کہنے لگے حضرت! اجازت دیں۔ فرمایا اجازت ہے نکلو میدان میں۔ سعید بن العاص سر سے لے کر پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا تھا صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بڑی حکمت سے اپنا نیزہ اس کی آنکھ میں مارا گھوڑے پر سوار تھا نیچے جا گرا اور نیزہ آگے سے ٹیڑھا ہو گیا تھا بڑے زور سے اس کو وہاں سے نکالا۔

پھر عام لڑائی شروع ہوئی۔ یقین جانو! ان میں اخلاص تھا، تقویٰ تھا، سب کے دل اطاعت کے جذبے سے لبریز تھے۔ قرآن پاک میں ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اطمینان کے لیے پہلے ایک ہزار فرشتوں کا وعدہ کیا بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ [الانفال:۹] کیوں کہ یہ وہ بھی ہزار تھے۔ پھر اس کے بعد مزید تسلی کے لیے کہ کافر تم سے تین گنا زیادہ ہیں تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے ہو اللہ تعالیٰ کافروں سے بھی تین گنا زیادہ فوج اُتار رہا ہے تین ہزار۔

طبعی خوف ایمان کے خلاف نہیں :

لڑائی شروع تھی عین میدان جنگ میں خبر پہنچی کہ کرز بن جابر فہری بڑا عظیم لشکر لے کر میدان میں آ رہا ہے مشرکوں کی امداد کے لیے۔ کچھ مسلمان طبعی طور پر پریشان ہوئے اور یاد رکھنا! طبعی طور پر خوف ایمان کے خلاف نہیں ہے۔ سمجھانے کے

لیے عرض کرتا ہوں موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى [طٰہٰ:۱۷] "اے موسیٰ (علیہ السلام)! تمھارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟" رب کو تو معلوم تھا رات کا وقت تھا، اندھیرے سے آئے تھے اللہ تعالیٰ نے حفظ ماتقدم کے طور پر فرمایا کہ جب سانپ بنے گا تو ان کو غلط فہمی نہ ہو کہ میں سانپ اُٹھا کر لایا ہوں۔ فرمایا لاٹھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھینکو اس کو۔ لاٹھی پھینکی ادھر اللہ تعالیٰ کے نور کی چمک تھی سانپ دیکھا وَلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ [القصص:۳۱] "موسیٰ علیہ السلام نے پشت پھیر کر بھاگنا شروع کیا اور مڑ کر بھی نہ دیکھا۔" یاد رکھنا! پیغمبر نبوت ملنے سے پہلے بھی پیغمبر کا وجود ہوتا ہے اور زندگی بڑے ولیوں سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے نبوت ملنے کے بعد تو ہے ہی نبی۔ سانپ چوں کہ دشمن ہے اور دشمن سے خوف طبعی ہے اس لیے بھاگنا شروع کیا اور مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا لَا تَخَفْ "خوف نہ کریں اس کی طرف مڑیں سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولٰى [طٰہٰ:۲۱] ہم اس کو پہلی حالت میں بدل دیں گے۔" اس سے یہ سبق ملا کہ موذی چیزوں سے بھاگنا ایمان کے خلاف نہیں ہے۔

تو جس وقت یہ خبر پہنچی کہ کرز بن جار فہری تازہ دم بڑا لشکر لے کر آ رہا ہے تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم طبعی طور پر پریشان ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وعدہ فرمایا وَيَأْتُوكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا [آل عمران:۱۲۵] اگر ان کافروں کا لشکر آئے گا تو اللہ تعالیٰ پانچ ہزار فرشتے اُتارے گا۔ لیکن نہ کافروں کا لشکر آیا اور نہ پانچ ہزار فرشتے اُترے، تین ہزار آئے۔ البتہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا فرشتے

لڑے ہیں یا ویسے ہی آئے تھے۔ ایک طبقہ کہتا ہے کہ فرشتے نہیں لڑے ان کا نزول صرف مسلمانوں کے اطمینان کے لیے تھا لڑائی صرف صحابہ نے کی ہے۔ علمائے کرام کا دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ اِکا دُکا فرشتے لڑے بھی ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بدر کے موقع پر دو آدمی دیکھے جنھوں نے سفید پگڑیاں پہنی ہوئی تھیں اور گھوڑوں پر سوار تھے۔ ایک کہہ رہا تھا اَقْدِمْ حَیْزُوْم "حیزوم آگے بڑھو" اس کے ہاتھ میں چابک تھا جو کافر کی پشت پر مارتا وہ نیچے گر کر مر جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ دو جو تم نے دیکھے ایک جبرئیل علیہ السلام تھے اور دوسرے میکائیل علیہ السلام تھے۔ جس گھوڑے پر جبرئیل علیہ السلام سوار تھے اس کا نام حیزوم تھا۔

بدر کے موقع پر فرشتوں کی سبز پگڑیاں تھیں۔ دیگر موقعوں پر سبز پگڑی بھی ثابت ہے اور فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کالی پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ تو فرشتے لڑے ہیں۔

معوذ اور معاذ رضی اللہ عنہما کا ابوجہل کو قتل کرنا :

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے تو میری توجہ نہیں تھی پھر میں نے دیکھا تو میری دائیں جانب ایک بالکل کچی عمر کا لڑکا کھڑا ہے بائیں جانب دھیان کیا تو اس طرف بھی کچی عمر کا لڑکا کھڑا تھا۔ بخاری شریف کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں کچھ پریشان سا ہوا کہ یہ بچے تو ناتجربہ کار ہیں کہیں بھاگ نہ جائیں اور میں قابو آجاؤں یہ بات دل میں سوچ ہی رہا تھا کہ دائیں طرف والا لڑکا جس کا نام

معوذ تھا اور بائیں طرف والے کا نام معاذ تھا دونوں بھائی تھے والدہ کا نام عفراء تھا اور والد کا نام بعض کہتے ہین عمرو بن جموع تھا اور بعض کہتے ہیں باپ الگ الگ تھے ماں دونوں کی عفراء تھی۔ دائیں طرف والا حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگا: یَا عَمِّی اَتَعْرِفُ اَبَا جَھْلٍ "چاچا جی! کیا آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں؟" فرمایا ہاں! کیوں کہ یہ بچے انصار کے تھے نام سنا تھا (اور اس کی کمینگیاں بھی سنی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کی گئی زیادتیاں بھی سنی تھیں۔ مرتب) شکل منحوس نہیں دیکھی تھی اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مکی مہاجر تھے یہ جانتے تھے۔ فرمایا ہاں! جانتا ہوں تم کیا کہتے ہو؟ اس بچے نے کہا کہ میں نے سنا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف شرارتیں کرنے میں پیش پیش ہے۔ میں نے عہد کیا ہے کہ آج اگر مجھے وہ نظر آجائے تو یا وہ نہیں یا میں نہیں۔ میں نے کہا بچہ تو بڑا جذباتی ہے ماشاء اللہ۔ فرمایا کھڑے رہو جب سامنے آئے گا میں اشارہ کر دوں گا۔

اتنے میں بائیں طرف والے نے کہا: یَا عَمِّی اَتَعْرِفُ اَبَا جَھْلٍ "اے چاچا جی! کیا آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں؟" میں نے کہا ہاں پہچانتا ہوں تم کیا کہتے ہو؟ کہنے لگا میں نے سنا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا مخالف ہے میں نے آج عہد کیا ہے اگر وہ مجھے نظر آجائے تو یا وہ نہیں یا میں نہیں۔ دونوں بھائیوں نے آپس میں مشورہ کیا تھا، عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں نظر آیا تو ہم نے چھوڑنا نہیں ہے۔ تھوڑی دیر گزری دیکھا ابو جہل گھوڑے پر سوار ٹہل رہا ہے اور اپنی فوج کی نگرانی کر رہا ہے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا کہ یہ جو سوار پھر رہا ہے یہ ابو جہل

ہے۔ کہتے ہیں اشارہ کرنے کی دیر تھی بخاری میں ہے مثل الصقرین دونوں اس پر شکرے کی طرح جھپٹے دونوں نے اس کو زخمی کر کے گرا دیا اور بھاگتے بھاگتے آنحضرت ﷺ کے پاس آگئے۔

ایک کا دعویٰ تھا میں نے قتل کیا ہے دوسرے کا دعویٰ تھا میں نے قتل کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اَمَسَحْتُمَا سَيْفَكُمَا "کیا تم دونوں نے اپنی تلوار صاف کر لی ہے؟" کہنے لگے حضرت نہیں! ابھی تک اس کے خون کے ساتھ ہماری تلواریں آلودہ ہیں۔ فرمایا مجھے اپنی تلواریں دکھاؤ۔ انھوں نے اپنی تلواریں دکھائیں۔ معوذ کی تلوار زیادہ خون آلود تھی اور معاذ کی تلوار تھوڑی کم خون آلود تھی۔ خون آلود دونوں تھیں۔ فرمایا ابوجہل کا جو سامان ہوگا وہ تمھاری بہادری کی وجہ سے تمھیں ملے گا لیکن انعام معوذ کو ملے گا کیوں کہ اس کی تلوار زیادہ خون آلود ہے۔ کہنے لگے حضرت! ہمیں انعام سے کوئی غرض نہیں ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا بچے ہیں خدا جانے کس کو زخمی کر کے آئے ہیں زخمی ہونے کے بعد وہ مرا بھی ہے یا نہیں۔ آپ ﷺ نے تحقیق حال کے لیے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھیجا جو مہاجر تھے اور ابوجہل کو پہچانتے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ گئے اور زخمیوں میں، لاشوں میں تلاش کرتے رہے۔ ایک کونے میں ابوجہل پڑا تھا بخاری کی روایت ہے وَبِهِ رَمَقٌ ابھی سانس لے رہا تھا۔ ایک موقع پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کعبۃ اللہ کے پاس مسجد حرام میں سورۃ الرحمٰن پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل نے آ کر انھیں تھپڑ مارا تھا کمزور تھے بدلہ لینے کی ہمت نہیں تھی یہ کہہ کر خاموش

ہو گئے تھے کہ رب ہی بدلہ لے گا۔ اب جب قریب ہوئے تو اس کی گردن پر پاؤں رکھا اور کہا ءَ اَنْتَ ابو جھل "کیا تو ابو جہل ہے؟" کیا حال ہے؟ ابو جہل نے کہا ایک آدمی کو مار کر اتنی خوشی مناتے ہو۔ آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی کہ بچوں کا بیان درست اور صحیح ہے ابو جہل ہی زخمی پڑا ہے اور ضرب کاری ہے بچ نہیں سکتا۔

ابو داؤد طیالسی کی روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا دوبارہ جا کر دیکھو۔ دوبارہ جا کر دیکھا تو مر چکا تھا واپس آ کر بتایا کہ حضرت! مر چکا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا وَاللہ! قسم اُٹھا کر کہتے ہو؟ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: وَاللہ! حضرت! اللہ کی قسم ہے ابو جہل مر گیا ہے۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا خدا کی قسم اُٹھا کر کہتے ہو کہ ابو جہل مر گیا ہے۔ کہنے لگے رب کی قسم اُٹھا کر کہتا ہوں مر گیا ہے۔ پھر فرمایا رب کی قسم اُٹھا کر کہتے ہو ابو جہل مر گیا ہے کہنے لگے ہاں حضرت! مر گیا ہے۔ فرمایا: كَانَ فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ "اس امت کا فرعون تھا۔" بڑا ظالم تھا اس نے مسلمانوں پر بے انتہا ظلم کیے۔ یاد رکھنا! کتنی عجیب بات ہے کہ غزوۂ بدر شروع ہونے سے ایک دن پہلے رب تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی اور آپ ﷺ نے فرمایا: هٰذَا مَصْرَعُ فلاں فلاں کافر یہاں گرے گا هٰذَا مَصْرَعُ فلاں فلاں کافر یہاں مرے گا۔ جتنی بات آئی تھی اتنی بتلائی وقت کی تعیین کہ جان کس وقت نکلے گی تحقیق حال سے پہلے معلوم نہیں تھا اس لیے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بار بار بھیجتے رہے۔

کافروں میں صفتِ ماتم :

جس وقت ابو جہل مر گیا، عتبہ قتل ہو چکا کافروں کے ہاتھ پاؤں کٹ گئے۔

یہ دو اُن کے بڑے گرو تھے۔ ستر مارے گئے، ستر گرفتار ہو گئے تو ماتم کی صفیں بچھ گئیں۔ یہ لوگ اپنے ساتھ شراب کی بوتلیں لے کر آئے تھے کہ مسلمانوں کو ختم کر کے پئیں گے، گانے والی عورتیں لے کر آئے تھے کہ یہ خوشی کے گیت گائیں گی، زائد اُونٹ لے کر آئے تھے کہ اردگرد کے قبیلوں کی مہمانی (دعوت) کریں گے مگر قادرِ مطلق، قادرِ مطلق ہے۔ وہ چاہے تو ابابیل جیسے پرندوں سے ہاتھیوں کے لشکر کو ختم کرا دے۔ مسلمانو یقین جانو! آج بھی اگر تم صحیح معنیٰ میں مسلمان بن جاؤ تو دنیا کی کوئی طاقت تمھیں ختم نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں آج بھی اُترنے کے لیے بے تاب ہیں۔ اُتریں گی، یقین جانو اُتریں گے۔

۱۹۶۵ء کی جنگ میں صرف ضلع سرگودھا میں بھارت نے دو سو اٹھاسی [۲۸۸] بم گرائے تھے کہ ہمارا فوجی اڈا وہاں ہے صرف تین بم پھٹے۔ میں کہتا ہوں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مدد تھی۔ اگر دو سو بم پھٹ جاتے تو سرگودھے کی مٹی بھی نہ ملتی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے مختلف طریقے ہیں۔

قصور سیکٹر میں ہندوؤں کے کمانڈر نے جب اپنے فوجیوں کو مارچ کا حکم دیا تو فوجیوں نے کہا کہ ہمارے ناشتے اور دوپہر کی روٹی کا کیا بنے گا؟ اس نے کہا جھلیو (بیوقوفو)! ناشتہ قصور میں جا کر کرنا ہے جو مسلمانوں نے پکایا ہو گا اور دوپہر کی روٹی تم نے لاہور کے ہوٹلوں میں کھانی ہے۔ جو مسلمانوں نے کھانے پکائے ہوں گے وہ تم نے کھانے ہیں ہمیں پکانے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر اُسی کا بیان ہے کہ جب لڑائی شروع ہوئی تو ہمارے ساتھ بندے نہیں جنات لڑ رہے تھے۔

ایمان بہت بڑی قوت ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاکستان کا

مسلمان بڑا بہادر مسلمان ہے۔ اس کی بہادری میں کوئی شک نہیں ہے۔ (یہ تو گاڑی کے نیچے آنے سے نہیں ڈرتے ٹریفک قوانین کی دھجیاں اُڑاتے پھرتے ہیں، زندگی سے بے پرواہیں، کسی چیز کا خوف ان کے قریب سے نہیں گزرا۔ مرتب) ان میں کمی صرف یہ ہے کہ دین سے ذرادور ہیں۔ کاش! کہ یہ چیز ہمارے اندر آجائے دین کے تقاضے ہم پورے کرلیں تو دنیا کی کوئی طاقت مسلمان کے مقابلے میں کھڑی نہیں ہو سکتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مردم شماری کروانا:

یہ تو سات آٹھ کروڑ کی تعداد ہے (یہ تعداد حضرت کے بیان کے وقت تھی اب تو اس سے تین گنا زیادہ ہو چکے ہیں۔ مرتب) ایک زمانہ وہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُكْتُبُوْا لِيْ مَنْ يَّلْفَظُ بِالْاِسْلَامِ "مجھے مردم شماری کر کے بتاؤ کہ مسلمان کتنے ہیں؟" مردم شماری کی گئی ابوعوانہ حدیث کی کتاب ہے، مسند احمد بھی حدیث کی کتاب ہے اس میں یہ الفاظ ہیں مردم شماری افسر نے کہا: نحن مابین ستمائة الی سَبْعِمائة "اس وقت مسلمانوں کی تعداد چھ سو سے اُوپر ہے سات سو پورے نہیں ہیں۔" مردم شماری کر کے بتائی اور کہنے لگے حضرت! اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کوئی ڈر، خدشے کی بات تو نہیں ہے؟ اگر کوئی ایسی بات ہے تو اس وقت ہم چھ سو سے اُوپر ہیں ساری دنیا کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سچ فرمایا اس لیے کہ صحابی تھا۔ اسلام کی تاریخ اُٹھا کر دیکھو! چین اور خاقان

کے حالات پڑھ کر دیکھو! مصرح بن ہبیرہ رحمۃ اللہ علیہ اور نو آدمی ان کے ساتھ تھے۔ چین کے علاقے میں گئے وہاں کے تاجروں نے پکڑ کر ان کو خاقانِ چین کے سامنے پیش کیا کہ یہ عجیب مخلوق ہے کبھی کانوں میں انگلیاں دے کر کچھ پڑھتے ہیں، کبھی زمین کی طرف جھکتے ہیں، کبھی زمین پر لیٹ جاتے ہیں اور کبھی بیٹھ جاتے ہیں (نماز کی شکل کی نقل کی)۔ خاقانِ چین نے مصرح بن ہبیرہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کون ہو؟ کہا ہم مسلمان ہیں، تاجر ہیں، اس علاقے میں آئے ہیں، اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ بھی کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ یہ قوم تمہارے مخالف ہے۔ کہنے لگے ہم مخالفت تو نہیں کرتے ہم تو ہمدردی کرتے ہیں۔ اگر یہ مخالفت کریں گے تو ہم بھی کریں گے۔ خاقانِ چین نے کہا تم کتنے آدمی ہو؟ فرمایا ہم دس آدمی ہیں اور ان کو کافی ہیں۔ تاریخ اُٹھا کر دیکھو! ہنستے ہوئے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دس ہی کافی ہیں۔ خاقانِ چین کہنے لگا تم دس کیسے کافی ہو؟ کہنے لگے جس وقت ہم دس لڑیں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے، آسمان سے فوجیں آئیں گی اور دنیا آنکھوں سے دیکھے گی۔ یہ تھے ان لوگوں کے ارادے اور عزائم۔ آج افسوس ہے کہ ہم ایمان کے تقاضوں سے بہت دور ہیں۔

بہر حال یہاں تک تم نے بدر کا واقعہ سنا کہ کافروں کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قیدی بنائے گئے۔

غزوۂ بدر اور کافروں کا انجام

خطبہ جمعہ المبارک ۱۸ رجمادی الثانی ۱۴۰۱ھ

آؤ کریں اے دوستو، پھر زندگی کی بات
پھر سیرت نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پھر عہد نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات

خطبہ مسنونہ کے بعد۔۔۔امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔

[سورۃ الانفال:۶۷، پارہ:۱۰]

اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے :

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اپنے بندوں پر انعام اور احسان کرتے ہوئے ان کی اصلاح کے لیے پیغمبر بھیجا۔ نہ بھیجتا تو اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ ہمارا یعنی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی شے لازم، واجب نہیں ہے۔ کیوں کہ اگر اللہ تعالیٰ پر کوئی شے لازم، واجب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فاعل مختار نہیں رہتا۔ واجب ہو جانے کے بعد اختیار سلب ہو جاتا ہے۔

اُس نے یہ جہان پیدا کیا ہے اپنی مرضی سے، نہ پیدا کرتا تو اس کو کوئی پوچھ نہیں سکتا تھا، پیغمبر بھیجے اپنی مرضی سے، نہ بھیجتا اس کو کوئی پوچھ نہیں سکتا تھا، کتابیں نازل فرمائیں اپنی مرضی سے، نہ نازل کرتا اس سے کوئی سوال نہیں کر سکتا تھا، قیامت قائم کرے گا اپنی مرضی سے لیکن اگر قیامت قائم نہ کرنا چاہے تو اس کو کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ حساب کتاب برحق ہے، ہوگا چوں کہ اس نے وعدہ فرمایا ہے لہٰذا وعدے کی

خلاف ورزی نہیں کرے گا لیکن اگر حساب کتاب نہ لینا چاہے تو اس کو کوئی پوچھ نہیں سکتا لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ [الانبیاء: ۲۳] "اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں ہوسکتا جو کچھ وہ کرتا ہے اور ساری مخلوق سے سوال ہوسکتا ہے۔" وہ مالک ہے۔

حلال وحرام کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے :

دیکھو! اس نے بے شمار چیزیں حلال کی ہیں اور بے شمار چیزیں حرام کی ہیں اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ اس کو حلال کیوں کیا ہے اور اس کو حرام کیوں کیا ہے؟ کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ چھوٹے سے بٹیرے کو حلال کیا ہے جو ایک لقمہ بنتا ہے اور اتنا بڑا ہاتھی جس کو سارا محلہ کھا سکتا ہے حرام کر دیا ہے۔ اگر حلال ہوتا تو کوئی پوچھ سکتا تھا؟

تمام مخلوق میں افضل ترین شخصیت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ صرف اپنے خانگی معاملات کی درستگی کے لیے اپنی ذات پر شہد حرام کر دیا، نہ اُمت کے لیے، نہ بیویوں کے لیے۔ رب تعالیٰ نے پوچھ لیا۔ وہ قادر مطلق ہے۔ سورہ تحریم نازل فرمائی: يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ "اے نبی کریم ﷺ! آپ نے کیوں حرام کی وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے حلال کی ہے بیویوں کی رضا چاہتے ہیں۔" آگے فرمایا: قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ "اللہ تعالیٰ نے فرض کر دیا ہے آپ ﷺ پر قسم کا توڑنا۔" شہد استعمال کرو قسم کا کفارہ دو۔

مخلوق میں بلند ترین ذات، بے مثل اور بے نظیر ہستی اپنے لیے حرام کرے تو پوچھ لیا جائے لیکن رب تعالیٰ جس چیز کو چاہے حلال کرے اور حرام کرے اس سے

کوئی نہیں پوچھ سکتا۔ایک مسئلہ بھی یاد رکھنا! آنحضرت ﷺ نے قسم نہیں اُٹھائی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں شہد استعمال نہیں کروں گا صرف اتنا فرمایا تھا کہ شہد میرے لیے حرام ہے۔حلال چیز کے حرام کرنے کو اللہ تعالیٰ نے قسم فرمایا ہے۔لہٰذا فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں اگر کوئی آدمی کسی حلال چیز کو اپنے لیے حرام کرتا ہے مثلاً: کہے کہ میں روٹی کھاؤں گا تو حرام ہے،دودھ پیوں گا تو حرام ہے،میرے لیے چاول حرام ہیں تو اس آدمی کو قسم کا کفارہ دینا پڑے گا،قسم توڑنے کے بعد۔یعنی پہلے اس چیز کو استعمال کرے گا پھر قسم کا کفارہ دے گا کیوں کہ رب تعالیٰ نے قسم فرمایا ہے لہٰذا شریعت کی اصطلاح میں قسم ہے۔پھر قسم کا کفارہ کیا ہے؟اس کا حکم ساتویں پارے میں مذکور ہے کہ اگر طاقت رکھتا ہے تو غلام آزاد کرے اگر غلام نہیں ہے تو دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلانا ہے۔ان میں کوئی سید نہ ہو، بیمار نہ ہو، بچہ نہ ہو جو صبح کو کھائیں وہی شام کو کھائیں مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ "درمیانے درجے کا کھانا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو" نہ اعلیٰ، نہ ادنیٰ۔اور اگر کچا اناج دینا چاہے تو فی کس پونے دو سیر گندم دے دے لیکن ایک مسکین کو اکٹھی نہیں دے سکتا۔اگر ایک مسکین کو دینا چاہتا ہے تو دس دنوں میں دے اگر اکٹھی دے گا تو ایک دن کا کفارہ ادا ہوگا اور باقی نو دنوں کا ذمے رہے گا۔

یا دس مسکینوں کو لباس پہنچا دے درمیانے درجے کا،نہ اعلیٰ،نہ ادنیٰ۔علاقی رواج کے مطابق اگر کسی جگہ شلوار پہنتے ہیں تو کرتا شلوار اور اگر لنگی کا رواج ہے تو کرتا لنگی۔اگر کسی علاقے میں کرتے کی جگہ چادر استعمال کرتے ہیں تو دو چادریں لے دے۔ایک اُوپر کے لیے ایک نیچے کے لیے۔ٹوپی بھی دے دیں تو نورٌ علیٰ نور

ہوجائے گا۔ البتہ جوتا شامل نہیں ہے فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ اور جو شخص ان تین کاموں میں سے کسی پر بھی قادر نہیں ہے تو وہ تین روزے مسلسل رکھے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں اور حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیان القرآن میں اور دیگر مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے دو روزے رکھ لیے پھر دس مسکینوں کو کپڑا پہنانے پر یا کھانا کھلانے پر قدرت ہوگئی تو اب کپڑا پہنائے گا یا کھانا کھلائے گا، روزوں کا ثواب علیحدہ ملے گا۔

خیر یہ ضمنی بات تھی عرض یہ کر رہا تھا کہ پروردگار کے ذمہ کوئی شے نہیں ہے نہ اس کو کوئی پوچھ سکتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی اصلاح کے لیے پیغمبر بھیجے محض اپنے فضل وکرم سے، نہ بھیجتا اس کو کوئی پوچھ نہیں سکتا تھا۔ کتابیں نازل نہ کرتا اس کو کوئی پوچھ نہیں سکتا تھا، قیامت نہ برپا کرنا چاہے اس کو کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ یہ سب کچھ حق ہے۔ قیامت بھی حق ہے، جنت دوزخ بھی حق ہے، پل صراط بھی حق ہے اس لیے کہ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا [النساء:۱۲۲] "اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کون ہے بات کرنے میں۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام پیغمبروں سے زیادہ رتبہ وشان دے کر بھیجا ہمارے جیسے گناہ گاروں کی اصلاح کے لیے۔ یہ اس کا لطف وکرم اور مہربانی ہے۔

قلیب بدر میں کافروں کی لاشوں سے خطاب :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا سلسلہ غزوۂ بدر کے اختتام تک تفصیلاً تم سن چکے ہو۔ اب آج کا سبق اس سے آگے چلے گا۔ یہ تم سن چکے ہو کہ بدر کے مقام پر ستر کافر مارے گئے، ستر قیدی بنے، چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ آٹھ انصار میں سے

اور چھ مہاجرین میں سے۔ وہ جو ستر مارے گئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان کو قلیب بدر جو ایک غیر آباد سا کنواں تھا فرمایا ان کو اس میں لا کر ڈال دو کہ ستر قبریں کھودنا بڑا مشکل کام تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ جس جگہ اللہ تعالیٰ فتح فرماتے تھے فتح کے بعد تین دن وہاں قیام فرماتے تھے۔ زخمیوں کی مرہم پٹی، جو شہید ہوئے ان کو دفن کرنا، کافروں کی لاشوں کو دفن کرنا وغیرہ، انتظام کرتے تھے۔

دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُونٹنی پر سوار ہوئے کیوں کہ پڑاؤ کی جگہ دور تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ساتھ گئے۔ چنانچہ قلیب بدر کے کنوئیں کے کنارے پر جا کر کھڑے ہو گئے جہاں کافروں کی ستر لاشیں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابو جہل! اے فلاں، اے فلاں! اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ ہمارے ساتھ کیا تھا (نصرت و کامیابی کا) ہم نے اس کو حق پایا ہے تمھارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا تم نے اس کو حق پایا ہے یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! ان اجسام کے ساتھ جن میں روحیں نہیں ہیں آپ گفتگو کر رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ بِمَا اَقُوْلُ

"میں اس وقت ان کے ساتھ جو باتیں کر رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔"

دیکھنا! اس وقت میرا یہ موضوع نہیں ہے لیکن یہ مسئلہ بھی سن لیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی قبروں کے سامنے صلوٰۃ وسلام پڑھو تو وہ خود سنتے ہیں اس میں اُمت کا کوئی اختلاف نہیں ہے سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔ باقی عام مردوں کے سننے سنانے کا مسئلہ اختلافی ہے۔ ایک طبقہ کہتا ہے سنتے ہیں دوسرا طبقہ کہتا ہے نہیں سنتے۔ جو کہتے ہیں سنتے ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور

جو کہتے ہیں نہیں سنتے وہ اس حدیث کو آپ ﷺ کی خصوصیت پر محمول کرتے ہیں۔

بدر کے قیدیوں کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کی رائے :

بہر حال اس وقت میرا یہ موضوع نہیں ہے۔ وہاں سے واپس آئے تو فرمایا ان ستر قیدیوں کے بارے میں رائے دو کہ کیا کرنا چاہیے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جلالی مزاج تھے، جذباتی طبیعت تھی، کہنے لگے حضرت! باقی لوگوں سے رائے بعد میں لینا پہلے میری رائے سن لیں۔ فرمایا عمر! اپنی رائے پیش کرو۔ کہنے لگے حضرت! کافروں کے جو سرکردہ اور بڑے تھے جن کے سروں پر یہ ناچتے تھے وہ تو جہنم رسید ہوئے یہ جو باقی ہیں ان کے متعلق میری رائے ہے کہ ان کو قتل کر دینا چاہیے۔ یہ کون ہوتے ہیں محمد رسول اللہ ﷺ کا مقابلہ کرنے والے، کلمے کو مٹانے والے، ان کو کسی صورت نہیں بخشنا چاہیے۔ اور قتل بھی اس صورت میں کرو کہ ہر آدمی اپنے عزیز رشتہ دار کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ میرا بھائی زید میرے حوالے کرو میں اس کی گردن اُتارتا ہوں۔ ابوبکر سے کہو کہ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کا سر اُتارے، علی کو کہو اپنے بھائی عقیل کی گردن کاٹے۔ حضرت! آپ ﷺ اپنے چچا عباس اور اپنے داماد ابوالعاص بن ربیع کا سر اُتاریں، یہ کافر ہیں، باغی ہیں۔

اسی لیے رب تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ خوبی بیان فرمائی ہے: اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ "کافروں پر وہ سخت ہیں۔" یہ صفت حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں زیادہ تھی۔ کسی جگہ کفر کے مقابلے میں نرم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔ ذرا سی بھی کوئی ایسی بات آجاتی کہ جس میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مرضی کے خلاف شبہ

ہوتا نرم نہیں ہوتے تھے۔ چاہے کوئی کتنا قریبی سے قریبی ہی کیوں نہ ہو۔

خدا، رسول کے معاملے میں عمر رضی اللہ عنہ کو نرمی گوارا نہیں :

دیکھو! ضمنی طور پر بات آئی ہے عرض کر دیتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی بھی تھی، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا۔ ایک موقع پر ازواج مطہرات نے مطالبہ کیا کہ اب حالات ٹھیک ہو گئے ہیں عام عورتوں کو خرچہ زیادہ ملتا ہے لیکن ہمارے حالات اُسی طرح ہیں ہمیں بھی خرچہ زیادہ ملنا چاہیے ہم بھی تو انسان ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات پر ناراض ہو گئے بات کا بتنگڑ بنا، افواہ پھیلی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیویوں نے اذیت پہنچائی ہے۔ بے شک مطالبے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دُکھ ہوا کیوں کہ یہ مطالبہ آپ کی مرضی کے خلاف تھا لیکن کسی بیوی نے کوئی سخت قسم کا لفظ نہیں کہا اور نہ کوئی اذیت پہنچائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک یہ خبر پہنچی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج نے اذیت پہنچائی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھر جا کر اپنی بیوی عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہا جو ان کی چچا زاد بہن تھیں اور بڑی سمجھ دار اور عقل مند بیوی تھیں ان سے فرمایا میری جو فاتح تلوار ہے سب سے تیز، وہ مجھے لا کر دو میں نے اپنی بیٹی حفصہ کا سر اُتارنا ہے۔ ماں گھبرا گئی کہ بچی سے کیا قصور ہوا ہے؟ بیوی نے پوچھا خیریت ہے؟ اس سے کیا غلطی ہوئی ہے کہ اس کا سر اُتارنا ہے؟

فرمایا: اِنَّهَا قَدْ اٰذَتْ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ۔ "اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچائی ہے، دکھ پہنچایا ہے۔" بیوی نے تلوار نکال کر دی اور کہا کہ میں

تمہارے ساتھ متفق ہوں اگر اس نے تکلیف پہنچائی ہے تو اس کا سر اُتار دو لیکن اتنی بات ہے کہ پہلے تحقیق کر لینا کیوں بعض باتیں افواہ کے درجے میں ہوتی ہیں حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔

تو خیر تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ افواہ ہی تھی حقیقت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ صرف بیویوں نے مطالبہ کیا تھا اور اس میں ساری بیویاں شامل تھیں صرف حفصہ کی بات نہیں ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نرمی گوارا نہیں تھی۔ کہنے لگے حضرت! ان قیدیوں کو قتل کر دینا چاہیے اور ہر آدمی اپنے عزیز رشتہ دار کا سر اُتارے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ بالکل ٹھیک کہتے ہیں میں ان کی تائید کرتا ہوں کہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِدھر اُدھر دیکھا کوئی تیسرا آدمی نہ بولا۔ صرف دو ووٹ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور کوئی رائے دینے والا؟

بدر کے قیدیوں کے بارے میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑے حوصلے والے، حلیم الطبع، بڑی آہستہ گفتگو کرنے والے لیکن ان کی گفتگو انتہائی مدلل اور محقق ہوتی تھی۔ کہنے لگے حضرت! ایک لحاظ سے عمر بن خطاب کی رائے صحیح ہے غلط نہیں ہے کہ یہ دین دشمن لوگ ہیں۔ اسلامی جمہوریت دیکھو! آج بھی لوگ جمہوریت، جمہوریت کہتے ہیں۔ عمر کی رائے ایک حیثیت سے بڑی قابلِ قدر ہے، قابلِ احترام ہے کہ کافر ہیں اسلام کے خلاف لڑنے آئے ہیں اور لڑے ہیں، شکست کھائی ہے، قیدی بنے ہیں ان کو بھی ختم کرنا چاہیے۔

اس حد تک تو عمر بن الخطاب کی رائے صحیح ہے۔

لیکن حضرت! تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھنا چاہیے کہ یہ قیدی ہیں ان کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں اگر ہم ان کو قتل کر دیتے ہیں تو لوگوں کو اسلام کے خلاف، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف باتیں کرنے کا موقع مل جائے گا۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت ہے رحمۃ للعالمین۔ لوگ کہیں گے کہ یہ رحمۃ للعالمین ہیں جنھوں نے نہتے قیدیوں کو قتل کر دیا۔ تو اس کا غلط تاثر ہوگا سارے عرب میں شہرت ہوگی کہ دیکھو جی! کہتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عفو کا سمندر ہیں، بڑے حلیم الطبع ہیں اور نہتے قیدیوں کو قتل کر دیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے کو دلائل کے ساتھ پیش کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جذبات میں تھے کہنے لگے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر پر بیٹے عبدالرحمٰن کی محبت غالب آگئی ہے۔ کیوں کہ وہ بھی قیدیوں میں تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا عمر! تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں نہ پہلے کبھی ماں، باپ، بیٹی، بیٹے کا خیال رکھا ہے نہ اب ہے نہ آئندہ ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہ بات تم نے جذبات کی رو میں بہہ کر کہہ دی ہے۔ بات ایسی نہیں ہے بیٹے کا سوال نہیں ہے سوال رحمۃ اللعالمین ہستی کا ہے۔ ان پر جو حرف آئے گا اس کا کیا بنے گا؟ اسلام پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ عرب کے قبائل میں اسلام کے خلاف تشہیر ہوگی اس کا مقابلہ مشکل ہوگا۔ لوگ بجائے قریب آنے کے دور ہوں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آخران کے پیچھے مکہ مکرمہ میں عزیز ہیں آج نہ سہی کل سہی ان کے بھی اسلام کے قریب آنے کی اُمید ہے۔ حضرت! میری رائے یہ ہے کہ ان سے فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیا جائے۔ باقی صحابہ کرام اُٹھ کھڑے ہوئے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے بڑی وزنی ہے ہم ان کی تائید کرتے ہیں۔ ہمارے ووٹ ان کے ساتھ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور فیصلہ ہوا کہ ان قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ تقریباً چار چار ہزار درہم فی کس ان سے جرمانہ لیا گیا اور فرمایا جو فدیہ ادا نہیں کرسکتا وہ دس، دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادے اور جو امیر تھے ان سے زیادہ پیسے وصول کیے گئے۔

مساوات کا بہترین نمونہ :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا مبارک حضرت عباس رضی اللہ عنہ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی والدہ انصارِ مدینہ کے خاندان میں سے تھیں۔ انصارِ مدینہ اکٹھے ہوکر آئے کہ حضرت! ہم سفارش کرتے ہیں کہ ہمارے بھانجے کا فدیہ معاف کر دیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ تو گئے مگر فرمایا کس بھانجے کی بات کرتے ہو؟ کہنے لگے ہمارا بھانجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا عباس ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سارے فدیے کی معافی تو درکنار ایک درہم کی بھی چھوٹ نہیں ہوگی۔ اگر میں ایسا کروں تو اسلامی مساوات، کنبہ پروری کی بھینٹ چڑھ جائے گی۔ لوگ کہیں گے چچا تھا اس لیے معاف کر دیا۔ ان کو بھی فدیہ دینا پڑے گا ایک پیسے کی بھی معافی نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کو جانتے تھے اس لیے اپنے الفاظ واپس لے لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو رہے ہیں ہم اپنا مطالبہ واپس لیتے ہیں۔

فرمایا پھر تو سارا معاملہ سفارشوں کے پیچھے چلا جائے گا کہ کوئی قبیلہ کہے گا میرا بھانجا ہے اس کو معاف کر دو، کوئی قبیلہ کہے گا میرا بھتیجا ہے اس کو معاف کر دو، کوئی کہے گا میرا داماد ہے اس کو معاف کر دو، کوئی قبیلہ کہے گا میرا چچا ہے اس کو معاف کر دو تو پھر حق تو نہیں رہے گا۔ تو فرمایا چچا جان فدیہ دینا پڑے گا۔ دیکھنا:

اَلشَّیْءُ یُذْکَرُ بِالشَّیْءِ

مساوات کی ایک اور عمدہ مثال :

مساوات کا ایک نمونہ تو تم نے سنا۔ اور سنیے: ایک بی بی تھی جس کا نام فاطمہ تھا۔ قبیلہ بنو مخذوم سے اس کا تعلق تھا۔ یہ قریش کی ایک شاخ تھی۔ اس نے چوری کی اور چوری ثابت ہو گئی۔ ابھی تک اس کی شادی نہیں ہوئی تھی ہونے والی تھی۔ اس کے عزیز و اقارب پریشان ہوئے کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ چور کا دایاں ہاتھ کلائی سے کاٹتے ہیں۔ ہاتھ کاٹا گیا تو آٹا کیسے گوندھے گی، کپڑے دھونے میں پریشانی ہوگی ممکن ہے اس کا رشتہ ہی نہ ہو۔ بیٹی کا مسئلہ بڑا نازک ہوتا ہے۔ کہنے لگے سفارش کرو۔ مگر سفارش کرے کون؟ کس کو جرأت ہے؟ کہنے لگے اسامہ بن زید سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم محبت کرتے ہیں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا بے تکلف ہے، ان کا لقب بھی ہے حِبُّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب۔" ان کی عمر تقریباً

پندرہ سولہ سال تھی۔ ان کو آمادہ کرو۔

انھوں نے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو قائل کیا۔ وہ قائل ہوگئے کہ میں سفارش کروں گا کہ اس بی بی کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ بچے تھے انھوں نے سمجھا کہ مجھے یہ اعزاز حاصل ہورہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیٹے ہوئے تھے اُنھوں نے جا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں دبانے شروع کر دیے اور کہنے لگے حضرت! سنا ہے کہ کوئی چوری ہوئی ہے؟ فرمایا ہاں! ہوئی ہے۔ حضرت! کس نے کی ہے؟ فرمایا فاطمہ نام کی ایک عورت ہے قبیلہ بنو مخذوم کی۔ حضرت! چوری ثابت ہوگئی ہے؟ فرمایا ہاں! ثابت ہوگئی ہے۔ حضرت! پھر اب کیا کرنا ہے؟ فرمایا اس کا دایاں ہاتھ کلائی سے کاٹنا ہے۔ اُسامہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے حضرت! اس کو ویسے کوئی سزا دے دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ فرمایا تم خود نہیں بول رہے تمھارے اندر کوئی اور بول رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَتَشْفَعُ فِیْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللہ "کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم اُٹھا کر فرمایا: وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ ﷺ بِیَدِہٖ "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے لَوْ اَنَّ فَاطِمَۃَ بِنْتُ مُحَمَّدٍ ﷺ سَرَقَتْ (العیاذ باللہ) لَقَطَعْتُ یَدَھَا اگر فاطمہ میری لختِ جگر بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔"

یہ ہے اسلامی مساوات۔ جو حکم امیر کے لیے ہے سو حکم غریب کے لیے، جو حکم اعلیٰ کے لیے ہے سو حکم ادنیٰ کے لیے ہے۔ احکام میں چھوٹے بڑے کی کوئی تفریق نہیں ہے، قطعاً۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا فدیہ معاف نہیں کیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کپڑے پھٹ گئے تھے اور کسی کا جوڑا ان کے جسم پر فٹ نہیں آتا تھا۔ عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین بڑا قد آور تھا اس کا کرتا فٹ آ گیا۔ اس کے پاس دو کرتے تھے۔ اُس نے ایک کرتا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیدیوں کا خیال رکھو اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آؤ او کما قال۔

خود قیدیوں کا بیان ہے۔ قیدیوں میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بھائی ابوعزیز بھی تھے اور دوسرے بھائی کا نام ہے عبید بن عمیر۔ اتفاق کی بات ہے کہ عبید بن عمیر بڑا بھائی میدان میں سامنے آ گیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا بھائی جان! کلمہ پڑھ کر دنیا میں نجات حاصل کر لو اور آخرت میں بھی نجات مل جائے گی۔ دنیا اور آخرت کی سزا سے بچ جاؤ گے۔ اگر کلمہ نہیں پڑھتے تو سن لو میں آج اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے میدان میں آیا ہوں اپنی تلوار کے ساتھ تیرا سر اُتار دوں گا۔ جس کو کہہ رہے ہیں وہ ماں باپ کی طرف سے سگا بھائی ہے۔ کتنی ہمت اور جرأت ہے۔ تاریخ اُٹھا کر دیکھو! حضرت! مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے سگے بھائی عبید بن عمیر کی بدر کے مقام پر گردن ماری۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے سگے ماموں عاص بن ہشام کا بدر کے مقام پر سر اُتارا اور دین کے سلسلے میں کسی شے کی پروا نہیں کی۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا دوسرا بھائی ابوعزیز گرفتار ہو گیا۔ اس کا بیان ہے کہ میں انصارِ مدینہ کے جس خاندان میں قیدی تھا (یعنی جن کی تحویل میں تھا)

اس گھر والے مجھے روٹی کھلاتے اور خود کھجوریں کھاتے تھے۔ قیدیوں کے ساتھ ایسے حسنِ سلوک سے پیش آئے کہ کئی قیدی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن وسلوک کو دیکھ کر اور مسلمانوں کے حسن وسلوک کو دیکھ کر ایسے متاثر ہوئے کہ وقفے وقفے کے بعد مسلمان ہوتے گئے۔

قیدیوں کے متعلق فیصلہ ہوگیا کہ ان کو کچھ کہنا نہیں ہے فدیہ لے کر رہا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہوا: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ "نہیں لائق نبی کے کہ ہوں اس کے پاس قیدی یہاں تک کہ وہ خون ریزی کرے زمین میں تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا تم چاہتے ہو دنیا کا سامان وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ اور اللہ چاہتا ہے آخرت وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔" مسلم شریف اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ فرمایا اس درخت کے قریب عذاب آچکا تھا (وہاں قریب ایک درخت تھا) فرمایا سوائے عمر رضی اللہ عنہ اور سعد رضی اللہ عنہ کے اور کوئی نہ بچتا۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سے اگر اجتہادی خطا ہو جائے تو وہ گناہ نہیں ہوتا۔ اور یاد رکھنا! پیغمبر پر تو عذاب نہیں آسکتا یہ بات دوسرے لوگوں سے متعلق ہے جن کی رائے غلط تھی کہ ان کے لیے عذاب قریب آگیا تھا۔

لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ "اگر نہ ہوتی ایک بات جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہو چکی تھی لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ تو ضرور پہنچتا تم کو عذاب اس چیز میں جو تم نے لیا ہے۔" اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے نوشت نہ ہوتی

کہ ایسے ان کی رائے ہو جائے گی تو ضرور سزا ملتی۔ اب جس طرح تم فیصلہ کر چکے ہو ٹھیک ہے فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا "پس کھاؤ تم جو تم نے غنیمت میں حاصل کیا ہے حلال اور پاک۔"

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دو اونٹنیوں کو قتل کرنا:

یہ غنیمت کا پہلا موقع تھا کہ غنیمت کا مال مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ایک ایک اُونٹنی ہر خاندان کو ملی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو ملیں۔ ایک اپنے غنیمت کے حصے کی اور ایک خمس میں سے۔ کیوں کہ دسویں پارے کی پہلی آیت میں غنیمت کا حکم بیان ہوا ہے کہ غنیمت کا جو مال حاصل ہو اس کے پانچ حصے کرنے ہیں اس میں سے ایک خمس ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ذوالقربیٰ تھے ان کو بھی خمس میں کچھ مل جاتا تھا۔

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ذوالقربیٰ میں سے تھے۔ تو ایک اُونٹنی خمس میں سے ملی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نصیب میں دونوں اُونٹنیوں سے فائدہ اُٹھانا نہیں تھا۔ اُونٹنیاں مدینہ طیبہ لے جا کر ایک انصاری کے مکان میں بٹھائیں اور ایک زرگر کو کہا میرے ساتھ چلو اذخر گھاس لا کر سنیاروں کے آگے فروخت کرنی ہے کہ کچھ پیسے ہو جائیں فاطمہ سے شادی کرنی ہے تو دو چار ساتھیوں کے کھانے کا انتظام ہو جائے گا۔ بدر کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ بوریاں اور رسیاں اکٹھی کیں قبیلہ قینقاع کے زرگر کو ساتھ لیا جا کر دیکھا تو دونوں اُونٹنیوں کے کلیجے کسی نے بغیر ذبح کیے نکال لیے ہیں اور اُونٹنیاں مر گئی ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ آپ کے چچا جان حمزہ رضی اللہ عنہ نے شراب پی ہوئی تھی اُس وقت تک

شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ شراب ۴ ہجری میں حرام ہوئی ہے اور یہ ہجرت کے دوسرے سال کا واقعہ ہے۔ اندر اور بھی شرابی بیٹھے تھے ایک لونڈی نے قصیدہ پڑھا:

ـ اَلَا يَا حَمْزَةُ لِلشّرف النَّوَاء
وَ هُنَّ معقلات فی الفناء
ضع السّكّين فی اللُّبَات منها
و خَرَّجهُنَّ حَمْزَةُ بِالدِّمَاءِ
و عجل من اطايبها لِشُّرب
قديدا من طبيخ او شواء

"اے حمزہ! تم بڑے سخی آدمی ہو یہ سامنے دو اُونٹیاں ہیں ان کے کلیجے نکال کر ہمیں کھلاؤ۔" حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شراب کی حالت میں تھے اُٹھے اور زندہ اُونٹیوں کے کلیجے نکال لیے اُونٹیاں مرگئیں۔ کہا کباب بنا کر کھاؤ کلیجوں کے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ روتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے حضرت! عدا حَمْزَةُ عَلَيَّ "چچا جان حمزہ نے میرے اُوپر ظلم کیا ہے۔" فرمایا علی! کیا ہوا؟ حضرت! میری دونوں اُونٹیاں جو بدر کے موقع پر مجھے ملی تھیں چچا جان نے ذبح کیے بغیر کہ گوشت ہی کام آجاتا ان کے کلیجے نکالے ہیں اور اُونٹیاں مرگئی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا! میں تمھارے ساتھ جاتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، اُسامہ رضی اللہ عنہ اور چند صحابہ اور تھے جب وہ پہنچے تو دیکھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شرابیوں میں ڈٹ کر بیٹھے ہوئے تھے بالکل ملے تک

نہیں۔ بلکہ آپ ﷺ کو دیکھ کر کہنے لگے هَلْ اَنْتُمْ اِلَّا عَبِيْدٌ لِاٰ بَائِيْ میرے باپ دادا کے غلامو! آ گئے ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا علی! یہ بات کرنے کا موقع نہیں ہے یہ نشے کی حالت میں ہیں کچھ اور ہی سنائیں گے واپس چلتے ہیں کہ اس وقت ان کے ہوش ٹھکانے نہیں ہیں۔

دو ہجری میں پہلی نمازِ عید ادا کی گئی :

تو خیر میں یہ بیان کر رہا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو اُونٹنیاں ملیں اور باقیوں کو ایک ایک۔ بدر کے بعد ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح ہوا اسی سال ہی یعنی ۲ھ میں۔ رمضان المبارک کے روزے بھی اسی سال فرض ہوئے اور اسی سال عید کی نماز پڑھی گئی۔ اس سے پہلے عید کی نماز نہیں ہوتی تھی۔ اسی سال فطرانے کا حکم ہوا۔ آنحضرت ﷺ کی برکت سے اس اُمت کے لیے غنیمت کا مال حلال ہوا۔

خصائص النبی ﷺ :

یاد رکھنا! بخاری شریف میں حدیث ہے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے چند خصوصیات عطا فرمائی ہیں جو پہلے کسی نبی کو نہیں ملیں لَمْ يُعْطَى نَبِيٌّ قَبْلِيْ۔

❀ ان میں سے ایک یہ ہے کہ میرے لیے اور میری اُمت کے لیے تیمم کا حکم آیا۔ پہلی اُمتوں کے لیے تیمم کی اجازت نہیں تھی آپ ﷺ کے وسیلے اور طفیل سے

اس اُمت کو تیمم کا حکم ملا۔

❀ دوسری یہ کہ پہلے لوگوں کی نماز معبد خانے سے باہر نہیں ہوتی تھی، جائز نہیں تھی۔ صاف ستھرا باغ بنا ہوا ہو پھر بھی ان لوگوں کو مسجد میں جانا پڑتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے اس اُمت کو سہولت دی کہ جہاں بھی نماز کا وقت آئے نماز پڑھ لے نماز ہو جائے گی۔

❀ اور فرمایا پہلے لوگوں کے لیے غنیمت کا مال حلال نہیں تھا اُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئیں، میری اُمت کے لیے حلال کر دی گئیں۔

پہلے لوگ اس طرح کرتے تھے کہ غنیمت کے مال کو میدان میں جمع کر کے رکھ دیتے تھے، سونا چاندی، کپڑے، پیسے، آسمان سے آگ آتی تھی اور سب کو جلا دیتی تھی۔ اگر اس میں کچھ خرابی ہوتی تو آگ نہیں جلاتی تھی۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ یوشع بن نون علیہ السلام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نبی ہوئے اس قوم کی اصلاح کے لیے ان کے دور میں ارضِ مقدس پر حملہ ہوا جس میں آج کل یہودی ہیں۔ لبنان، اُردن، یہ سارے علاقے اس میں شامل تھے۔ عمالقہ نامی قوم قابض تھی فتح ہوئی تو غنیمت کا مال اکٹھا کر کے میدان میں رکھا گیا۔ انتظار تھا کہ آگ آئے مگر آگ نہ آئی۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے فرمایا: فِيْكُمُ الْغُلُوْلُ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم میں سے کسی نے خیانت کی ہے جس کی وجہ سے آگ نہیں آ

رہی۔اس طرح کرو کہ ہر خاندان کا ایک ایک نمائندہ آدمی میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھے جس آدمی کی برادری میں خیانت ہوگی اس کا ہاتھ میرے ہاتھ کے ساتھ چمٹ جائے گا۔ ہر خاندان کے سردار نے آ کر ہاتھ رکھا۔ایک خاندان کے سردار نے جب ہاتھ رکھا تو وہ چمٹ گیا۔فرمایا: فِيْكُمُ الْغُلُوْلُ تمھاری برادری میں خیانت ہے تلاش کرو وہ کون ہے جس نے خیانت کی ہے۔ چنانچہ اس نے جا کر تحقیق کی تو تین آدمی نکلے۔انھوں نے کہا کہ ہم نے زیادہ تو کچھ نہیں کیا صرف مِثْلُ رَأْسِ الْبَقَرَةِ مِنْ ذَهَبٍ بیل کے سر کے برابر ہم نے سونا رکھا ہے اور کچھ نہیں کیا۔فرمایا لا کر میدان میں رکھو۔انھوں نے وہ سونا لا کر میدان میں رکھا تو آگ آئی اور اس نے سب کو جلا دیا۔

تو پہلی اُمتوں کے لیے غنیمت کا مال حلال نہیں تھا۔آپ ﷺ کی برکت سے اس اُمت کے لیے حلال ٹھہرا۔

❀ اور فرمایا: خُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْن مجھے خاتم النبیین بنایا گیا ہے۔میرے سے پہلے نبیوں میں سے کسی کو خاتم النبیین نہیں بنایا۔ختم نبوت کی صفت مجھے عطا فرمائی۔

❀ اور میری ایک صفت یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمام اقوام کے لیے قیامت تک نبی بنایا ہے۔ چاہے کالے ہوں، چاہے گورے ہوں، عربی ہوں یا عجمی، سب کا نبی بنا کر بھیجا ہے۔مجھ سے پہلے نبی قومی نبی ہوتے تھے۔اپنی اپنی قوم کے نبی ہوتے تھے۔

اور فرمایا ایک صفت مجھے یہ بھی عطا فرمائی کہ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مُسِيْرَةَ شَهْرٍ "رعب کے ساتھ میری نصرت کی گئی ایک مہینے کی مسافت پر." ایک مہینے کی مسافت پر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میرا رعب کافروں پر پڑ جاتا ہے۔ تبوک میں یہی ہوا کہ ہرقل روم کی فوجوں پر رعب پڑا وہ لڑائی کے لیے تیار نہ ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بغیر لڑائی کے واپس آ گئے۔ تو غنیمت کا مال بدر کے موقع پر پہلی مرتبہ ملا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ "پس کھاؤ تم جو تم نے غنیمت میں حاصل کیا ہے حلال اور پاک اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے۔"

غزوۂ بدر کو اس کی جزئیات کی تفصیل کے ساتھ میں نے عرض کیا۔

جانثارانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

خطبہ جمعۃ المبارک ۲ر شعبان ۱۴۱۰ھ

محبوب کائنات کی سیرت کا ہر ورق
تفسیر دل پذیر ہے، ام الکتاب کی

خطبہ مسنونہ کے بعد ---امابعد!

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَیۡكُمۡ اِذۡ جَآءَتۡكُمۡ جُنُوۡدٌ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ
رِیۡحًا وَّ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرًا ۝۹

[سورۃ الاحزاب، آیت:۹؛ پارہ:۲۱]

تمہید :

کافی دنوں سے سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ کا مضمون چلا آرہا ہے۔ ہجرت کے چوتھے سال تک کے اہم واقعات قرآن کریم اور حدیث شریف کی روشنی اور تاریخ کی کتابوں کی روشنی میں آپ حضرات کافی تفصیل کے ساتھ سن چکے ہیں۔ سیرتِ طیبہ کے سلسلے میں غزوات یعنی وہ واقعات جو جہاد اور قتال کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں تم نے سنے۔ غزوۂ بدر کا واقعہ سنا، غزوۂ اُحد کا واقعہ سنا، غزوہ بنو مصطلق کا واقعہ سنا، بنونضیر اور بنو قینقاع کا واقعہ سنا۔ اب ہجرت کے چوتھے سال سے آگے کے واقعات نہایت اختصار کے ساتھ تمھارے سامنے بیان ہوں گے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ سیرتِ طیبہ کو اس ارادے سے سنو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل میں ہمارے لیے راہ نمائی ہے۔ کیوں کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [الاحزاب:۲۱]

"البتہ تحقیق ہے تمھارے لیے اللہ کے رسول میں اچھا نمونہ۔"

یعنی تمھارے لیے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بہترین نمونہ ہیں۔ نمونے کا یہی مطلب ہے کہ آپ ﷺ نے جو زبان مبارک سے فرمایا اس کی تعمیل کی جائے اور عملاً کر کے دکھایا اس کی تعمیل کی جائے۔ اور جو چیز چھوڑ کے دکھائی اس کو چھوڑ کے دکھانا ہے۔ تو آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی، پاکیزہ حالات، قیامت تک آنے والی تمام قوموں کے لیے بصیرت کا علم، ہدایت ورشد کا ذریعہ ہیں۔

بیرِ معونہ کا واقعہ :

ہجرت کے چوتھے سال غزوۂ خندق سے پہلے دو بڑے واقعات پیش آئے جو بخاری شریف اور حدیث کی دیگر کتابوں میں موجود ہیں۔ ایک واقعہ ایسے پیش آیا کہ عرب کے مشہور قبائل میں سے قبیلہ بنو کلاب کا سردار ابو براق کلابی آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگا حضرت! اللہ کا بڑا فضل ہے کہ میں بھی مسلمان ہو چکا ہوں اور میری برادری کے لوگ بھی مسلمان ہو چکے ہیں۔ اور ہماری برادری بڑی پھیلی ہوئی ہے۔ حضرت! ہم آپ کے پاس وفد کی شکل میں اس لیے آئے ہیں کہ ہمارے پاس معلم بھیجو، اُستاد بھیجو جو ہمیں سکھائیں۔ ہماری عوام دین کی بڑی پیاسی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ان کی باتیں سنیں۔ وفد میں شامل وڈیروں کو دیکھ کر بڑے متاثر ہوئے۔ وہ کہنے لگے حضرت! جتنے ہیں سب بھیج دیں۔ آپ ﷺ نے

فرمایا نہیں سارے تو نہیں بھیج سکتا یہاں تعلیم کی ضرورت ہے اگر یہ مجھ سے پڑھیں نہیں، سیکھیں نہیں تو آگے جا کر کیا تعلیم دیں گے؟ اس لیے نہیں بھیج سکتے۔ کہنے لگے جتنے زیادہ سے زیادہ بھیج سکتے ہیں بھیج دیں۔ سَبْعِیْنَ رَجُلًا آپ ﷺ نے ستر [۷۰] آدمی منتخب فرمائے۔ یہ حضرات اُس دور کے طلباء تھے۔ مسجد نبوی کے ساتھ ایک جگہ تھی اس پر چھپر پڑا ہوا تھا۔ یہ وہاں رہتے تھے۔ یہ حضرات اصحابِ صفہ کہلاتے تھے۔ ان میں سے بعض حضرات جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور بیچ کر اپنا پیٹ پال لیتے اور باقی دوسرے ساتھیوں کو دے دیتے۔ پڑھنا ان کا مقصد تھا لیکن محض کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتے تھے۔ رات تہجد میں گزار دیتے، دن پڑھنے پڑھانے میں گزار دیتے۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو سچا تصور کرتے ہوئے اصحابِ صفہ میں سے ستر [۷۰] ساتھی ان کے ساتھ بھیج دیے۔

یہ لوگ جس وقت بیرِ معونہ جو ایک جگہ کا نام ہے وہاں پہنچے تو اُن لوگوں کی بولیاں بدل گئیں، ساری گفتگو بدل گئی۔ ان حضرات کو کچھ شک بھی ہوا کہ ہمارے ساتھ دھوکا ہو چلا ہے۔ لیکن پھر کہنے لگے کہ ہم خود تو نہیں آئے ہمیں ہمارے آقا محمد رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے۔ ہم اپنی رائے سے واپس نہیں جاتے ممکن ہے یہ لوگ ہمارے ساتھ دل لگی اور مذاق کرتے ہوں۔

بیرِ معونہ پہنچے تو ابو براق کلابی نے اپنے ساتھی اردگرد کے قبائل کی طرف بھیج دیے۔ ساز باز پہلے تھی وہ سب اکٹھے ہو کر آئے اور ان پر حملہ کر دیا۔ سوائے دو ساتھیوں کے ایک کعب بن زید رضی اللہ عنہ جو لنگڑے تھے اور ایک عمرو بن اُمیہ

ضمری رضی اللہ عنہ کے، سب کو شہید کر دیا۔ لنگڑے صحابی کسی غار میں چھپ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ میں بھاگ تو نہیں سکتا لہٰذا وہ ان کو نظر نہ آئے۔ انھوں نے اپنی معذوری سے فائدہ اُٹھایا۔ اور عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے لے گئے۔ باقی اڑسٹھ [۶۸] کو اُنھوں نے شہید کر دیا۔

جس وقت وہ شہید کیے جا رہے تھے اُنھوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی: اَللّٰھُمَّ اَخْبِرْ عَنَّا نَبِیَّکَ ﷺ۔ "اے پروردگار! ہمارے ساتھ جو کارروائی ہو رہی ہے ہمارے حالات کی خبر اپنے پیغمبر کو پہنچا دے کہ ہمارے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔" جبرئیل علیہ السلام آئے فَاَخْبَرَ النَّبِیَّ ﷺ۔ انھوں نے آنحضرت ﷺ کو خبر دی کہ آپ ﷺ نے جو ستر [۷۰] ساتھی بھیجے تھے دو کے سوا سب کو شہید کر دیا گیا ہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اتنے پریشان ہوئے کہ اس سے پہلے آپ اتنے پریشان کبھی نہیں ہوئے۔ ایک مہینہ مسلسل آپ ﷺ فجر کی نماز میں اُن کے لیے بددعا کرتے رہے۔ اس کا نام قنوتِ نازلہ ہے۔ نازلہ کا معنیٰ حادثہ ہوتا ہے۔ اگر مسلمانوں کو کوئی حادثہ پیش آئے تو اس موقع پر امام فجر کی نماز میں رکوع کے بعد دعا کرتا ہے اور مقتدی دل میں آہستہ آہستہ آمین کہتے ہیں۔

تو خیر آپ ﷺ بھی بڑے پریشان ہوئے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے مغموم ہوئے۔ صدمے کی بات تھی۔ آج دیکھو! گھر کا ایک فرد چلا جائے تو باقی گھر کے افراد کو کتنا صدمہ ہوتا ہے۔ یقین جانو! اس وقت ایک مسلمان کا جانا بھی باقی مسلمانوں کے لیے بڑے صدمے کی بات تھی۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ جو تبع تابعین میں سے ہیں فرماتے ہیں ہمارے محلے یا قصبے میں اگر کسی کی وفات ہو جاتی تو ایک ایک ہفتہ ہمارے ہمارے گلے سے روٹی نہیں اُترتی تھی، پانی حلق سے نیچے نہیں جاتا تھا کہ اللہ جانے اس کے ساتھ اگلے جہان کیا ہوا ہے۔ ایسا صدمہ ہوتا تھا۔ مسلمانوں کو ایک دوسرے کی ہمدردی کی وجہ سے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ قبر کو سمجھتے تھے، آخرت کو بھی سمجھتے تھے اور ہم اتنے غافل اور بے خبر ہیں کہ ہمارے سامنے لاشوں کے انبار لگ جائیں ہم ٹس سے مس ہونے کو تیار نہیں۔

تو اس واقعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی صدمہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی صدمہ کہ اڑسٹھ [٦٨] ساتھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہید ہوئے، دو بچ گئے۔ ایک غار میں چھپ گیا۔ عمرو بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے لے گئے۔ ان کو قتل کرنے کا پروگرام بنا تو کافروں کا سردار عامر بن طفیل نے کہا کہ اس کو قتل نہ کرو میری والدہ نے نذر مانی ہے ایک غلام آزاد کرنے کی اور غلام ذرا مشکل ملتے ہیں۔ اس کو ہم غلام سمجھ کر والدہ کے حوالے کر دیں گے وہ اس کو آزاد کر دے گی اس کی نذر پوری ہو جائے گی۔ تو عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے اس طرح رہائی پائی۔

قبیلہ عضل اور قارہ کی دھوکے بازی :

چوتھے سال بیئر معونہ والوں کا یہ روح فرسا بڑے صدمے والا واقعہ پیش آیا۔ اور اسی سال ایک اور واقعہ پیش آیا کہ قبیلہ عضل اور قارہ جو مشہور قبائل تھے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے کہ حضرت! ہمیں دس مبلغ چاہئیں۔

آنحضرت ﷺ نے اپنی جگہ تحقیق کی کہ پہلے واقعہ کی طرح یہ بھی کہیں مکار نہ ہوں، غدار نہ ہوں۔ مگر عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ اور عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ قرآن پاک کے واقعات، احادیث کے واقعات تاریخ کے واقعات اس کا ثبوت دے رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اچھی طرح ٹھوس طریقے سے تحقیق کی۔ بنوعضل اور بنوقارہ کے لوگ بڑے مخلص نظر آئے۔ آپ ﷺ نے دس آدمی ان کے ساتھ بھیج دیے اور عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نانا تھے ان کا امیر بنایا۔ ان میں خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ اور حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ ان کے ساتھ بھی اُسی طرح واقعہ پیش آیا جو پہلوں کے ساتھ پیش آیا تھا۔ قبیلہ بنولحیان، رعل اور ذکوان کے ساتھ ان کی ساز باز تھی۔

جب یہ لوگ آئے تو یہ ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔ انھوں نے کہا کہ تم نیچے اُتر آؤ تمھارے لیے پناہ ہے۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کافر کی پناہ میں نہیں آنا چاہتا۔ (اس لیے کہ کافر کا وعدہ، وعدہ نہیں، کافر کا قول، قول نہیں۔ نہ انفرادی شکل میں، نہ اجتماعی شکل میں)۔ وعدے کا احساس صرف مومن ہی کرسکتا ہے کافر کو وعدے کا کوئی احساس نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سات آدمی وہاں شہید ہوگئے اور تین گرفتار ہوگئے۔ ان میں سے حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ باندھنے لگے تو انھوں نے کہا کہ میں ہاتھ نہیں بندھواؤں گا کہ میں اس میں اپنی اور اسلام کی توہین سمجھتا ہوں۔ ویسے بھی میں اکیلا ہوں اور تم بہت زیادہ ہو میں تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ بغیر ہاتھ باندھنے کے میں تمھارے ساتھ جاؤں گا۔ اُنھوں نے کہا نہیں! ہاتھ باندھنے

ہیں۔ انھوں نے کہا نہیں بندھوانے۔ بخاری شریف میں ہے کہ ان کو گھسیٹا، کھینچا وہ نہ مانے۔ ان کو بھی شہید کر دیا۔

خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا دل دوز واقعہ :

حضرت خبیب بن عدی انصاری اور حضرت زید بن دشنہ رضی اللہ عنہما کو گرفتار کر کے لے گئے اور مکہ پہنچا دیا۔ بدر کے موقع پر حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ نے ایک بڑا طاقت ور کافر حارث مارا تھا۔ حارث کا لڑکا ابوسروعہ جو بعد میں رضی اللہ عنہ ہو گیا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ ہمیں دے دو کہ ہم اس کو قتل کر کے اپنے باپ کا بدلہ لیں گے۔ چنانچہ انھوں نے خرید لیا۔ حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں قیدی تھے۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ حارث کی لڑکی جو بعد میں مسلمان ہو گئی اس کا بیان ہے کہ ما بمكة من ثمرة مکہ مکرمہ میں کوئی پھل نہیں تھا اور حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے لیکن میں نے ان کے ہاتھوں میں کھجوروں کے گچھے دیکھے رِزْقٌ رَزَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى "یہ اللہ تعالیٰ کا رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا۔" اس کو ہم نے بتلایا کہ کل یا پرسوں ہم نے آپ کو قتل کر دینا ہے۔ فرمانے لگے مجھے اُسترا دے دو میں اپنی لبیں وغیرہ کاٹ لوں۔ موت کی تیاری کر لوں۔ انھوں نے اُسترا بچے کے ہاتھ بھیجا۔ صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسترا لے لیا اور بچے کو گود میں بٹھا لیا۔ ماں نے دیکھا تو گھبرا گئی کہ کہیں یہ میرے بچے کو نہ قتل کر دے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اس کی ماں بڑی پریشان ہے۔ فرمایا سنو! میں اُس ہستی کے نقشِ قدم پر چلنے والا ہوں،

اُس ہستی کا کلمہ پڑھا ہے جو بے گناہ کو کچھ نہیں کہتے۔ یہ معصوم بچہ ہے میں نے اس کو کچھ نہیں کہنا تم پریشان نہ ہو۔

چنانچہ ان کو سولی پر لٹکانے کے لیے حرم کے علاقے سے باہر لے گئے۔ کیوں کہ وہ لوگ بھی حرم کا احترام کرتے تھے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ "زاد المعاد" میں لکھتے ہیں کہ حرم سے باہر نکالا گیا تنعیم کی طرف جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مسجد ہے اس طرف حل قریب ہے۔ عرفات حرم سے باہر ہے۔ مزدلفہ، منٰی یہ حرم میں ہیں۔ جعرانہ جہاں سے بڑا عمرہ کرتے ہیں وہ حرم سے باہر ہے مگر دور ہے۔ حرم سے حل کی طرف جانے کا قریب راستہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مسجد ہے جہاں سے چھوٹا عمرہ کرتے ہیں۔ یہ مسجد حرم سے باہر ہے۔ اس طرف سے آئے۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی پر لٹکانے کا وقت آ گیا۔ مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے، جوان، سب جمع ہوئے کہ تماشا دیکھیں گے۔ ابوسفیان جو اس وقت رضی اللہ عنہ نہیں ہوئے تھے آ کر کہنے لگے برخوردار! حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نوعمر تھے۔ برخوردار! آتعرفنی کیا مجھے پہچانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ فرمایا ہاں! ابوسفیان ہو۔ اس وقت مکہ مکرمہ کے سردار ہو۔ بدر کے بعد تمام غزوات میں تم نے اپنی قوم کی قیادت کی ہے۔ کہنے لگے اگر میں اپنی قوم کو کوئی بات کہوں تو وہ مانیں گے۔ ہاں! مانیں گے کیوں کہ آپ قوم کے سردار ہیں سردار کی بات کو لوگ ضرور مانتے ہیں۔ کہنے لگے میرے ساتھ سودا کرو کہ لوگوں کے سامنے بس اتنی بات کہہ دو کہ کاش! آج میری جگہ محمد ہوتے، صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی ان کو میری جگہ سولی پر لٹکایا جاتا۔ اتنے لفظ کہہ دو میں

تجھے رہا کرانے کا ذمہ دار ہوں۔

دیکھنا! یہ مسئلہ قرآن کریم میں ہے، صحیح حدیث میں ہے، حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے کہ جان کو خطرہ ہو تو کلمۂ کفر زبان سے نکالنے کی اجازت ہے شرط یہ ہے کہ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ [النحل:۱۰۶] دل میں ایمان مضبوط ہو تو رب تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اگر جان کا خطرہ ہو تو کلمۂ کفر زبان سے نکالنے کی اجازت ہے، فرض، واجب نہیں صرف اجازت ہے۔ اگر نہ نکالے تو عزیمت ہے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے ایمان کو دیکھو! یہ ایمان ایسا کہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے نمونہ بنا۔ فرمایا: يَا عَمِّ مَا قُلْتَ چچا جی! آپ نے کیا کہا ہے؟ ذرا پھر کہو۔ جس وقت یہ لفظ کہے سب کے کان کھڑے ہوئے کہ شاید یہ لفظ کہہ دے کہ جان بڑی عزیز ہوتی ہے۔ جواب سنا تو فرمایا سنو چچا جی! والذی نفسی بیدہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے یہ لفظ کہنا کہ کاش! کہ آج میری جگہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سولی پر لٹکایا جاتا درکنار میں تو اتنا لفظ بھی کہنے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ میری سولی کے بدلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا چبھے۔ صرف دو نفل باوضو مجھے پڑھنے کی اجازت دے دو۔

انھوں نے اجازت دی تو دو نفل بڑے اختصار کے ساتھ پڑھے اور فرمایا دل تو چاہتا تھا کہ نماز کو طول دوں لیکن میں نے طول اس لیے نہیں دیا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی موت سے ڈر کر نماز لمبی کر رہا ہے۔ نماز کے بعد ایک دردناک قصیدہ کہا جس کا کچھ حصہ بخاری شریف میں ہے اور کچھ قسطلانی میں ہے۔ فرمایا:

فَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِیْ
وَذٰلِكَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰهِ وَاِنْ یَّشَا
یُبَارِكُ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِیْ

مجھے کوئی پروانہیں ہے جب کہ میں اسلام کی حالت میں قتل کیا جاؤں کہ میں شہید ہوکر دائیں طرف گروں یا بائیں طرف گروں، آگے گروں یا پیچھے گروں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے۔

چنانچہ حارث کے بیٹے ابوسروعہ نے آگے بڑھ کر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا گلا کاٹ دیا اور شہید ہو گئے۔ اسی طرح واقعہ پیش آیا حضرت زید بن دشنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔ زرقانی نے ان کے بارے میں بھی ایسے ہی الفاظ نقل کیے ہیں کہ ان کے ساتھ بھی یہ سودے بازی کی گئی۔ فرمایا قطعاً نہیں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس طرح کا ادنیٰ لفظ بھی میں کہنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان دیکھو۔

نابینا صحابی کا گستاخ لونڈی کو قتل کرنا:

ابوداؤد شریف صحاح ستہ کی مرکزی کتاب ہے۔ اس میں روایت ہے کہ ایک نابینا صحابی تھے ان کی ایک لونڈی یہودیہ تھی۔ اس سے ان کے دو بچے بھی تھے بڑے خوب صورت چاند جیسے چہرے والے۔ جب یہ گھر آتے تو وہ لونڈی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق واہی تباہی باتیں کہتی تھی۔ اس سے فرمایا بی بی دیکھو!

بے شک تم میرے دو بچوں کی ماں ہو اور میں نے آج تک تمھارے حقوق میں کوئی کمی نہیں کی۔ نہ کھانے میں نہ پینے میں نہ دیگر ضروریات میں۔ تمھیں اگر کچھ کہنا ہوتا ہے تو مجھے کہہ لیا کرو میرے پیغمبر کے متعلق تجھے کچھ کہنے کا حق نہیں ہے۔ لیکن وہ بڑی بدزبان، منہ پھٹ تھی گستاخی نہ چھوڑی۔ گینتی پڑی تھی نابینا صحابیؓ اُٹھے اور گینتی اُٹھا کر اس کا پیٹ پھاڑ دیا اور وہ مرگئی۔ صبح کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش ہو گئے کہ حضرت! یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تحقیق ہوگی۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ قتل کسی اور وجہ سے ہوتا ہے اور بچاؤ کا انتظام ایسے کیا جاتا ہے کہ یہ سلسلہ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے بتلایا کہ نابینا صحیح کہتا ہے اس کا یہی علاج تھا کو جو مرد عورت اللہ کے رسول کی شان میں ادنیٰ گستاخی بھی کرے وہ واجب القتل ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "الصارم المسلول علی شاتم الرسول"۔ بہت بڑی کتاب ہے عربی زبان میں۔ جس میں انھوں نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی شان میں ادنیٰ گستاخی بھی ہوگی تو اس کو اسلامی حکومت میں نہیں چھوڑا جائے گا سوائے قتل کے۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ نے یہاں تک لکھا ہے کہ وَجْهٌ عربی میں منہ کو کہتے ہیں۔ اس کی تصغیر وُجَيْهٌ آتی ہے، چھوٹا منہ، جس کو پنجابی میں مکھڑی کہتے ہیں۔ جو شخص آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک کو مکھڑی کہے وہ بھی واجب القتل ہے۔ بال کو عربی میں شَعْرَةٌ کہتے ہیں۔ اگر کوئی آپ ﷺ کے بال مبارک کو بالڑا کہے فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص معافی کے قابل نہیں ہے۔

تو جو آدمی آپ ﷺ کی ذرا سی بھی توہین کرے گا وہ دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان بڑا مضبوط تھا اس لیے رب تعالیٰ نے پہلے پارے میں فرمایا فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا "پس اگر یہ لوگ ایمان لائیں ایسا جیسا کہ تم ایمان لائے ہو تو یہ ہدایت یافتہ ہیں۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے معیار قرار دیا ہے بعد والوں کے لیے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے جان دے دی، حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ نے جان دے دی لیکن زبان سے ایک ہلکا سا جملہ بھی جس میں معاذ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کی توہین کا پہلو نکلتا تھا نہیں کہا۔

عوام کی خانہ زاد توہین اور حقیقی توہین میں فرق :

اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا کہ آپ ﷺ کی توہین و تحقیر کرنے والا کافر اور مرتد ہے اور اسلامی حکومت میں وہ واجب القتل ہے۔ لیکن ایک یہ ہے کہ اس کو شریعت توہین کہتی ہے اور ایک یہ ہے کہ لوگوں کی بنائی ہوئی ہے۔ اِس کا اور اُس کا بڑا فرق ہے۔ عوام یہ سمجھتے ہیں کہ غلط عقیدے والے کو یہ کہہ دینا آنحضرت ﷺ کو علم غیب نہیں تھا تو یہ توہین ہے۔ یہ توہین ہرگز نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ عقیدہ ہے کہ عالم الغیب صرف رب ہے۔ ہاں! غیب کی خبریں رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دی ہیں اور بے حد و بے حساب دی ہیں۔ ہمارے پاس کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ خبریں دینے والا جانے اور لینے والا جانے۔ مگر وہ اخبار الغیب ہیں، انباء الغیب ہیں، غیب نہیں ہیں۔ غیب دان وہ ہے جس سے ذرہ بھی پوشیدہ نہ رہے۔ یہ صرف رب تعالیٰ کا صفت ہے۔

یا مثال کے طور پر آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ سمجھنا کہ آپ ﷺ ہر

جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں یہ اسلام کا عقیدہ ہے۔ یہ توہین نہیں ہے۔ غلط کار لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں آپ ﷺ کی توہین ہے۔ حالاں کہ آپ ﷺ کو حاضر و ناظر سمجھنے میں آپ ﷺ کی توہین ہے۔ بڑی موٹی سی بات ہے کہ کئی ایسے مقامات ہیں، کئی ایسی جگہیں ہیں کہ جہاں جانا تم اپنی توہین سمجھتے ہو، شراب خانہ ہو گیا، قحبہ خانہ ہے، سینما گھر ہو گئے، ایسی جگہوں پر شریف آدمی نہیں جاتا۔ تو معاف رکھنا ایسی جگہوں میں ہم اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو مانیں، پیغمبروں کو مانیں تو العیاذ باللہ اس میں ان کی کون سی تعظیم ہے۔

بھئی! میرے جیسا گناہ گار بندہ علمائے حق اور طلبائے حق کی مد میں مجھ سے بڑا گناہ گار کوئی نہیں ہے لیکن میں نے آج تک سینما میں قدم نہیں رکھا۔ آج میری عمر ستر سال کے قریب ہو گئی ہے۔ جب استادوں نے بتایا کہ یہ گناہ ہے تو میں نے اسی پر عمل کیا۔ تو جب ایک عام گناہ گار بندہ اس جگہ میں حاضر ہونے کو عیب سمجھتا ہے تو بھائی، تو انصاف سے بتاؤ کہ ان جگہوں میں ہم اللہ کے ولیوں کو کیسے مان لیں؟

تو ہر جگہ میں تو ایسی جگہیں بھی آتی ہیں۔ آج کتنی مجلسیں حق کی ہیں اور کتنی باطل کی ہیں۔ تو غلط جگہوں میں بزرگوں کو حاضر سمجھنے میں ان کی توہین ہے۔ باقی یہ کہنا کہ وہ خالق نہیں ہیں، رازق نہیں ہیں، مالک نہیں ہیں، اولاد نہیں دے سکتے، اس میں ان کی توہین نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ رب تعالیٰ کے کام ہیں نبیوں، ولیوں کے کام نہیں ہیں۔ یہ اسلام کے عقائد ہیں۔ اور اگر کوئی خود ساختہ توہین کا قائل ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ایسی چیزیں کئی لوگوں نے گھڑی ہوئی ہیں، معاذ اللہ تعالیٰ، العیاذ باللہ۔

عبارات اکابر :

یاد رکھنا! ہمارے اکابر میں سے ایک حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جن کی ساری زندگی دین کی خدمت میں گزری ہے۔ ان کے دور میں دین کی اتنی خدمت شاذ ونادر ہی کسی نے کی ہوگی۔ تیرہ سو سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں حضرت نے لکھی ہیں۔ ان کی بعض عبارتوں کو لوگ توڑ مروڑ کر درمیان سے توہین کا پہلو نکالتے ہیں۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر، حضرت سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر توہین کا پہلو نکالتے ہیں جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور یاد رکھنا! اس سلسلے میں میری کتاب ہے "عبارات اکابر" جو تمام علمائے دیوبند کے بزرگوں نے قبول کی ہے۔ ہندوستان میں بھی اس کی طباعت ہو چکی ہے۔ ایک دفعہ اس کو ضرور دیکھو کہ ہمارے اکابر کون تھے اور انھوں نے کیا کیا ہے اور کہنے والوں نے کیا کہا ہے۔ جہاں ناول دیکھتے ہو اپنے اکابر کے کارنامے بھی دیکھو۔

نمائندگانِ قریش کا خودساختہ توہین کا پہلو نکالنا :

بات یہاں سے چلی تھی کہ پیغمبر کی ادنیٰ توہین اور گستاخی بھی کفر کا سبب ہے مگر صحیح ہو خودساختہ نہ ہو کہ کوئی شخص اپنی طرف سے کہے کہ گستاخی ہو گئی۔ شریعت جس کو گستاخی کہے گی وہ گستاخی ہوگی۔ اس کو تم اس طرح سمجھو کہ نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے وکیل تھے اور عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن ربیعہ کافروں کے وکیل تھے۔ بعد میں یہ دونوں رضی اللہ عنہ ہو گئے تھے۔ انھوں نے

نجاشی کے سامنے یہ مقدمہ پیش کیا کہ لوگ مکے سے بھاگ کر تمھارے پاس آئے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کرتے ہیں۔ یہ بات انھوں نے نجاشی کے جذبات بھڑکانے کے لیے کہی کہ یہ عیسائی ہے جب سنے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کرتے ہیں تو ان کو وہاں سے نکال دے گا۔ وہ بڑا عقل منداور سمجھ دار تھا۔ اس نے کہا کہ یک طرفہ بیان سے تو فیصلہ نہیں کر سکتا ان کی بات بھی سنوں گا کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ نجاشی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کو دربار میں بلایا۔ صحابہ کرام نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی ہیں منتخب کیا کہ یہ ہماری طرف سے متکلم ہوں گے۔

یہ وہ بزرگ ہیں جو آٹھ [۸] ہجری کے آخر میں یا نو [۹] ہجری کی ابتدا میں مُوتہ کے مقام پر شہید ہوئے۔ یہ امیر لشکر تھے۔ ان کے ہاتھ میں جھنڈا تھا۔ دشمن نے وار کیا اور ہاتھ کٹ گیا۔ جلدی سے دوسرے ہاتھ میں جھنڈا پکڑ لیا دوسرے ہاتھ پر بھی انھوں نے ضرب لگائی وہ بھی کٹ گیا۔ جب دونوں ہاتھ کٹ گئے تو کٹے ہوئے ہاتھوں اور سینے کے ساتھ جھنڈا پکڑا اور ساتھیوں کو آواز دی کہ میں بے قابو ہو چکا ہوں میرے دونوں ہاتھ کٹ چکے ہیں جھنڈا پکڑ لو کہیں ایسا نہ ہو کہ اسلام کے جھنڈے کی بے حرمتی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جعفر یَطِیْرُ مَعَ الْمَلٰئِکَۃ میرے رب نے جنت میں اس کو دو پَر دیے ہیں فرشتوں کے ساتھ جنت میں اُڑتے ہیں۔ اس لیے ان کا لقب طیار رکھا۔

تو یہ نمائندے تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے۔ نجاشی نے بڑے سلجھے ہوئے انداز میں بات پوچھی کہ یہ تمھارے مکہ سے آئے ہیں تمھارے بارے میں اور بھی

بہت ساری باتیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کرتے ہو۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو، کیا نظریہ رکھتے ہو؟ کافی مشکل سوال تھا۔ حکومت کے اراکین، وزراء، مشیر، عیسائی پادری بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک طرف مشرکوں کے دو نمائندے بھی بیٹھے ہیں دوسری طرف مہاجرینِ حبشہ ہیں۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر بڑے سلجھے ہوئے انداز میں خطبہ پڑھا۔ آہستہ آہستہ گفتگو کرتے تھے۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی تقریر :

فرمایا ہم بڑے جاہل لوگ تھے، بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، طاقت ور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف پیغمبر بھیجا ہے نَعرف اُمَّهٗ وَاَبَاهٗ ہم اس کے ماں باپ کو پہچانتے ہیں۔ ہم اس کی شرافت، صداقت، امانت سے پہلے ہی واقف تھے۔ اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی، توحید کا سبق دیا، شرک سے روکا، اخلاقیات سکھائیں۔ ان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ وحی نازل ہوئی ہے اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ [الزخرف:۵۹] "نہیں ہیں وہ عیسیٰ علیہ السلام مگر ایک بندہ جس پر ہم نے انعام کیا اور بنایا ہم نے اس کو نمونہ بنی اسرائیل کے لیے۔" جس وقت ان کی زبان پر عبد کا لفظ آیا تو عمرو بن العاص بولے، عبد اللہ بن ربیعہ بولے جو مشرکوں کے نمائندے تھے کہ دیکھو جی! توہین کر گئے، توہین کر گئے، بندہ کہہ دیا۔ نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اپنا بیان مکمل

کرو۔ انھوں نے اپنا بیان ختم کیا۔ اس ایک لفظ کے سوا اور کوئی لفظ ان کو اعتراض کے لیے نہ ملا۔

نجاشی بڑا سلجھا ہوا آدمی تھا۔ کہنے لگا کہ تم نے اس لفظ سے کیسے توہین سمجھی ہے؟ وہ دونوں کہنے لگے کہ بندہ کہنا توہین ہے۔ نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اُٹھایا اور اس کا سرا ان کے سامنے کیا اور کہا کہ اس تنکے کے سرے برابر بھی اس نے توہین نہیں کی۔ وہ واقعی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ نجاشی کا نام اصحمہ رضی اللہ عنہ تھا، مسلمان ہو گئے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا نہیں ہے لیکن طبقے کے لحاظ سے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتے ہیں۔

دیکھو ان کی خانہ زاد توہین کہ بندہ کہہ دیا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو ہم ہر نماز میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ پڑھتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ فرض نماز میں پڑھتے ہیں، وتر واجب ہیں ان میں پڑھتے ہیں، جمعہ کی نماز ہے، سنتوں میں پڑھتے ہیں، تحیۃ الوضوء ہو یا تحیۃ المسجد ہو، کوئی بھی نماز ہو التحیات مکمل کیے بغیر نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سبق دیا کہ عیسائیوں کی طرح کہ انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو عبدیت سے نکال دیا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عبدیت سے نکال کر رب کا بیٹا نہ بنا دیں، رب نہ بنا دیں۔ عبدہ پہلے اور رسولہ بعد میں ہے اللہ کے بندے ہیں، اللہ کے رسول ہیں۔

تو خیر میں دور چلا گیا عرض یہ کرنا چاہتا تھا کہ جو خانہ زاد توہین ہوتی ہے اس کی بات نہیں۔ اور ایک ہے نفس الامر میں توہین، یہ ادنیٰ ترین بھی ہوگی تو یہ دنیا میں سزا

کا سبب ہے اور آخرت کی تباہی کا سبب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت دیکھو کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے جان دے دی، حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ نے جان دے دی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ایک لفظ نہیں کہا۔ بڑی قربانی ہے۔ حالاں کہ اجازت بھی تھی۔ کہنا چاہتے تو کہہ سکتے تھے مگر انھوں نے عزیمت پر عمل کیا رخصت پر عمل نہیں کیا۔ ادب کے پہلو دیکھو!

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملحوظ رکھنا :

حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا محترم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تین سال بڑے تھے۔ بعض نے اس سے بھی کچھ زاید عمر لکھی ہے۔ ایک شخص نے پوچھا ءَ اَنْتَ اَکْبَرُ اَمْ رَسولُ اللهِ ﷺ ۔ کیا تم بڑے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے ہیں۔ پوچھنے والا عمر کے متعلق پوچھنا چاہتا تھا اس میں کوئی گناہ نہیں۔ لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا رسولُ اللهِ ﷺ اَکْبَرُ وَاَنَا اَسَنُّ "بڑے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور عمر میری زیادہ ہے۔" دیکھو! انھوں نے اکبر کے لفظ میں ادب کے پہلو کو ملحوظ رکھا۔

یہاں ایک اور واقعہ بھی پیش آیا۔ ان دس آدمیوں میں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ کے لیے بھیجے تھے ان کے سردار عاصم بن عدی تھے، رضی اللہ عنہ۔ یہ شہید ہو گئے تو کافر ان کا سر کاٹنا چاہتے تھے۔ شہید مظلوم کا سر اُتارنے کے لیے آدمی گئے تو اللہ تعالیٰ نے شہید کے لیے شہد کی مکھیاں بھیج دیں جنھوں نے باڈی (جسم) کو گھیر لیا اور ان کو قریب نہ آنے دیا۔ شہد کی مکھی کا ڈنک بڑا ظالم ہوتا ہے خصوصاً بڑی مکھی کاٹے تو بسا

اوقات آدمی مر بھی جاتا ہے۔ پھر زور کی بارش ہوئی اور ان کی باڈی (جسم) کو بہا کر لے گئی اور وہ اپنا مطلب نہ حاصل کر سکے۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔

چار ہجری کے دیگر اہم واقعات :

یہ ہجرت کے چوتھے سال کے واقعات ہیں۔ اسی چوتھے سال حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت زینب ام المساکین رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ اکثر حضرات کے نزدیک اسی چوتھے سال شراب کی حرمت کا مسئلہ نازل ہوا۔ چوتھے سال اور کئی مسائل اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے۔ اس سال یہ دو اہم واقعات پیش آئے۔ زندگی رہی تو ان شاء اللہ غزوہ خندق کا ذکر آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح طریقے سے دین سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

[امین!]

بیعتِ رضوان

خطبہ جمعہ المبارک ۴ر شوال ۱۴۰۱ھ ، ۱۷اگست ۱۹۸۱ء

وہاں حیات کو گمراہیوں کا خوف نہیں
جہاں حضورؐ کی سیرت ہو رہبری کے لیے

خطبہ مسنونہ کے بعد---امابعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ فَاَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ عَلَیۡہِمۡ وَ اَثَابَہُمۡ فَتۡحًا قَرِیۡبًا ﴿۱۸﴾ وَّ مَغَانِمَ کَثِیۡرَۃً یَّاۡخُذُوۡنَہَا ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا ﴿۱۹﴾

[سورۃ الفتح، آیت: ۱۸-۱۹؛ پارہ:۲۶]

تمہید :

رجب کے مہینے سے پہلے سیرت طیبہ کا مضمون شروع ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلم کی ولادت باسعادت سے لے کر نبوت کے ملنے کے زمانے تک اور نبوت ملنے کے بعد ہجرت کے زمانے تک اور ہجرت کے بعد سے ہجرت کے پانچویں سال کے آخر تک کے واقعات کافی تفصیل کے ساتھ قرآن کریم اور احادیث شریف کی روشنی میں اور تاریخ کی کتابوں کی روشنی میں پیش کیے گئے۔ اس کے بعد بہ امرِ مجبوری زکوٰۃ کے مسائل بیان ہوئے۔ کیوں کہ ان کا بیان کرنا بھی ضروری تھا کہ کس پر زکوٰۃ آتی ہے اور کتنے مال پر آتی ہے اور کس کو دینی ہے؟ پھر رمضان المبارک کا سلسلہ شروع ہو گیا تو رمضان المبارک کے مسائل بتلانے بھی ضروری تھے اس لیے درمیان میں سیرت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اب ہجرت کے

پانچویں سال کے بعد کے واقعات سیرت طیبہ کے حوالے سے شروع ہو رہے ہیں۔

اور یہ بات بھی میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ ہمارا دین ہے بلکہ پورا دین ہے۔ سیرت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نبوت کے زمانے میں جو فرمایا ہے اور جو کیا ہے وہ ہمارا دین ہے اور جو چھوڑا ہے وہ ہمارا دین ہے۔ لہٰذا سیرت طیبہ کو محض تاریخی طور پر نہیں سننا دین سمجھ کر سنو۔ یہ الگ بات ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ کیا ہے اس میں فرائض ہیں، واجبات ہیں، سنن مؤکدہ ہیں، مستحبات ہیں۔

منسوخ اور مخصوص چیزوں پر عمل کرنا دین نہیں :

تو جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا ہے یا کیا ہے وہ ہمارا دین ہے سوائے دو چیزوں کے۔ ان دو چیزوں میں ہم آپ ﷺ کے نقش قدم پر نہیں چل سکتے اگر چلیں گے تو گناہ گار ہوں گے۔

① وہ کام جو آپ ﷺ نے کیے اور بعد میں منسوخ ہو گئے۔ اب ان منسوخ چیزوں پر عمل کرنے کی ہمیں اجازت نہیں ہے۔ کوئی شخص یہ بہانہ تلاش کرے کہ چوں کہ یہ کام آپ ﷺ نے کیا تھا ہم بھی کرتے ہیں۔ بے شک آپ ﷺ نے کیا تھا لیکن جب بعد میں منسوخ ہو گیا منسوخ ہونے کے بعد ہم کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔

② دوسری وہ چیزیں ہیں جو آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہیں وہ ہم نہیں کر سکتے۔ مثلاً: کوئی شخص کہے کہ میں نے پانچ، چھ بیویاں رکھنی ہیں یا آٹھ بیویاں

رکھوں گا اس لیے کہ آنحضرت ﷺ کے نکاح میں بہ یک وقت اتنی بیویاں تھیں۔ نومنکوحہ اور دولونڈیاں تھیں۔ میں اس پر عمل کرتا ہوں اس کی اجازت نہیں ہے۔ یہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے تھا۔ اب اگر کوئی اس کارروائی کو حلال سمجھ کر کرے گا تو کافر ہو جائے گا اور اگر حرام سمجھ کر کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔ یہ بات بھی آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے تھی کہ آپ ﷺ بغیر گواہوں کے نکاح کر سکتے تھے۔ مثلاً: تنہائی میں کوئی عورت آپ ﷺ کو آ کر کہہ دیتی وَهَبْتُ لَكَ نَفْسِيْ "حضرت! میں نے اپنا وجود آپ ﷺ کو بخش دیا ہے" اور آپ ﷺ فرما دیتے قَبِلْتُ "مجھے منظور ہے" تو نکاح ہو گیا۔

سورۃ الاحزاب میں اس کا ذکر ہے اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۚ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ "اگر ایمان دار عورت اپنے آپ کو نبی کے لیے ہبہ کر دے اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے یہ آپ کے لیے خاص ہے مومنوں کے سوا۔" اگرچہ آپ ﷺ نے ایسا کیا نہیں ہے مگر رب تعالیٰ کی طرف سے اجازت تھی۔ تو میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو آپ ﷺ نے کیا ہے وہ ہمارا دین ہے جو فرمایا ہے وہ ہمارا دین ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کو دین سمجھ کر سنو۔

چھ ہجری کے واقعات :

تو ہجرت کے پانچویں سال تک کے واقعات آپ حضرات تفصیل کے ساتھ سن چکے ہو۔ اب ہجرت کے چھٹے سال کے واقعات شروع ہوتے ہیں۔ جب

آپ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے جو آپ ﷺ میں اخلاق کریمہ رکھے تھے للّٰہیت اور اوصاف نبوت کی برکت سے تھوڑے سے عرصے میں اوس اور خزرج کے دو قبیلے جو ایک دوسرے کی جان اور خون کے پیاسے تھے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلمان ہو کر بھائی بھائی ہو گئے۔ یہود کے تین گروہ تھے، بنو نضیر، بنو قینقاع، بنو قریظہ۔ انھوں نے غداری کی اور اپنی غداری کا پھل پایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے سے عرصے میں مدینہ طیبہ سے ان کا اقتدار ختم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اقتدار آنحضرت ﷺ کو دے دیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قرآن پاک کے احکام، احادیث کے احکام، حدود وتعزیرات نافذ ہو گئے۔ چوں کہ بیشتر مہاجرین کا اصل مقام مکہ مکرمہ تھا وہاں عزیز رشتہ دار تھے۔ انسان کی اپنی برادری کے ساتھ، اپنے علاقے کے ساتھ الفت ومحبت ایک طبعی شے ہے۔

آپ ﷺ کا عمرہ کے ارادہ سے مکہ روانہ ہونا :

پانچ سال گزر چکے تھے نہ یہ مکے جا سکے اور نہ عزیز رشتہ دار ادھر آ سکتے تھے۔ کیوں کہ تین غزوات، بدر، اُحُد اور خندق مشرکین کے ساتھ پیش آ چکے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ارادہ فرمایا مکہ مکرمہ جانے کا کہ ہم نے عمرہ کرنا ہے۔ اس وقت حج فرض نہیں ہوا تھا۔ حج نو ہجری میں فرض ہوا ہے اور یہ واقعہ چھ ہجری کا ہے۔ اس وقت عمرہ چھوٹا حج تھا۔ عرب کے دستور کے مطابق تلوار ان کی لاٹھی ہوتی تھی۔ (جس طرح ہمارے علاقے میں لوگ ہاتھ میں لاٹھی رکھتے ہیں وہ لوگ تلوار رکھتے تھے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی تلواریں ساتھ لے لو لڑنا نہیں ہے نہ ہمارا مقصود لڑائی

ہے۔

ممنوعاتِ احرام :

احرام باندھنے کے بعد محرم مجبور ہو جاتا ہے ان کارروائیوں کے چھوڑنے پر جو وہ احرام سے پہلے کرتا تھا۔ مثلاً: لبیں نہیں کٹوا سکتا، سر نہیں منڈوا سکتا، ناخن نہیں تراش سکتا۔ حتیٰ کہ جوں تک نہیں مار سکتا، خوش بو نہیں لگا سکتا، سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتا، سر کو ڈھانپ نہیں سکتا، چاہے احرام عمرے کا ہو یا حج کا ہو۔ یہ مردوں کا مسئلہ ہے عورتوں کا نہیں ہے۔ عورتیں اگر احرام باندھیں تو ان کو سر ڈھانپنا پڑے گا۔ اس میں فقہائے کرام کا کافی اختلاف ہے کہ کان سر میں شامل ہیں یا نہیں احتیاط اسی میں ہے کہ جو عورتیں احرام باندھیں، کان بھی چھپالیں۔ تو احرام باندھنے کے بعد بہت سی چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو پہلے حلال تھیں۔ جیسے:

تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد بہت سی چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔ اللہ اکبر! کہنا فرض ہے۔ فرض نمازوں میں بھی وتروں میں بھی کہ وتر واجب ہیں، سنتِ مؤکدہ میں بھی اور نفلی نمازوں میں بھی۔ قیام فرض ہے، رکوع سجدہ کرنا فرض ہے، آخری التحیات فرض ہے، سلام پھیرنا فرض ہے۔ ابتداء میں تکبیر تحریمہ کے بعد سلام کہنا بھی جائز تھا، جواب دینا بھی جائز تھا، کھانا، پینا بھی جائز تھا، اِدھر اُدھر دیکھنا بھی جائز تھا لیکن بعد میں یہ ساری چیزیں حرام ہوگئیں۔ اب قیام میں تمھاری نگاہ سجدے والی جگہ پر ہونی چاہیے۔ التحیات میں بیٹھے ہو تو تمھاری نگاہ دامن پر ہونی چاہیے۔ اگر سجدے کی جگہ سے نگاہ اِدھر اُدھر ہٹاؤ گے تو کراہت پیدا ہوگی اور اگر سر پھیرو گے، چھاتی پھیرو گے تو

نماز ٹوٹ جائے گی۔

(فائدہ: قیام میں نگاہ سجدے کی جگہ پر رکھے اس تصور کے ساتھ کہ اسی زمین میں میں نے دفن ہونا ہے، رکوع میں نگاہ قدموں پر رکھے اس تصور کے ساتھ کہ روح پاؤں کی طرف سے نکلنا شروع ہوگی، التحیات میں نگاہ جھولی (دامن) میں رکھے اس تصور کے ساتھ کہ جب دنیا سے جانا ہے تو جھولی خالی ہونی ہے۔ مرتب)

بہرحال میں یہ بیان کر رہا تھا کہ جس طرح تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد یہ چیزیں حرام ہو چکی ہیں اسی طرح احرام باندھنے سے پہلے کئی چیزیں جو حلال تھیں احرام باندھنے کے بعد حرام ہو جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص پورے عضو پر خوشبو لگائے گا تو اس کو دم دینا پڑے گا قربانی اس پر لازم ہے۔ مثلاً: ہاتھ پورا عضو ہے۔ اگر تھوڑے سے حصے پر لگائی تو فطرانے کے برابر صدقہ دینا پڑے گا۔ اگر کسی نے سارا دن کرتا پہنے رکھا یا شلوار پہنے رکھی تو اس پر قربانی لازم ہے۔ اگر غلطی سے تھوڑی دیر کرتا پہن لیا یا شلوار پہن لی پھر اُتار دی تو صدقہ دینا پڑے گا فطرانے کے برابر۔ اگر سارا دن ٹوپی پہنے رکھی یا پگڑی باندھے رکھی تو دم دینا پڑے گا۔ اگر تھوڑی دیر باندھی تو فطرانے کے برابر صدقہ دینا پڑے گا۔ یہ احرام کے ممنوعات میں سے ہیں۔

خیر آنحضرت ﷺ نے فرمایا عمرے کا احرام باندھ لو۔ مدینہ طیبہ سے تقریباً چھ میل دور ایک مقام ہے اس کو ذوالحلیفہ کہتے ہیں (آج کل شہر میں شامل ہو گیا ہے)۔ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں اس کا یہی نام ہے لیکن آج کل کی اصطلاح میں اس کو بیرِ علی کہتے ہیں۔ وہاں سے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ جانا ہے مکہ مکرمہ احرام باندھے بغیر نہیں جا سکتا۔ عمرے والے کے لیے قربانی ضروری نہیں ہے لیکن اگر کوئی

کرے تو نُوْرٌ عَلٰی نُوْر ہے۔ جیسے مفرد حج کرنے والے کے لئے قربانی ضروری نہیں ہے لیکن اگر کوئی کرے تو نُوْرٌ عَلٰی نُوْر ہے۔ حج تمتع اور حج قران کرنے والے کے لیے قربانی ضروری ہے۔

سفرِ عمرہ میں کوئی منافق ساتھ نہ تھا:

مدینہ طیبہ سے قربانی کے جانور بھی ساتھ لے لیے۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس سفر میں منافقین میں سے ایک شخص بھی آپ ﷺ کے ساتھ نہیں۔ قرآن پاک کے چھبیسویں پارہ سورہ فتح میں اس کا ذکر ہے ان کا خیال یہ تھا کہ مسلمانوں میں سے کوئی واپس نہیں آئے گا لَنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا [آیت: ۱۲] "ہرگز نہیں لوٹ کر آئیں گے اللہ کے رسول اور ایمان والے اپنے گھروں کی طرف کبھی بھی۔" کیوں کہ انھوں نے ذہن بنالیا تھا کہ مسلمانوں نے تین لڑائیاں مکے والوں کے ساتھ لڑی ہیں، بدر، اُحد، خندق اور اب یہ ان کے گھر جارہے ہیں ان کو کون چھوڑے گا وہ ان کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ منافقوں کا گمان وخیال تھا۔ اس وجہ سے ایک منافق بھی اس سفر میں شریک نہیں ہوا۔

احرام باندھنے کا طریقہ:

آنحضرت ﷺ پندرہ سو [۱۵۰۰] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے جس کو آج کل بیرِ علی کہتے ہیں۔ احرام سے پہلے غسل کرنا مستحب ہے اور غسل کے بعد دو نفل پڑھنے ہوتے ہیں احرام کے، مردوں نے بھی اور عورتوں نے بھی۔ لیکن یہ شرط ہے کہ نوافل کا وقت ہو۔ صبح صادق کے بعد یا فجر کی نماز کے بعد اگر

احرام باندھا۔ ل نہیں پڑھ سکتا۔ سورج کے طلوع ہونے کے بعد عصر کی نماز تک،
شام کے بعد رات نفلوں کا وقت ہے۔ اور یاد رکھنا! یہ دو نفل سر پر ٹوپی رکھ کر
پڑھنے ہیں۔ غسل نہیں کر سکتا طبیعت ناساز ہے یا پانی نہیں مل رہا یا پانی تو ہے مگر
غسل کے جگہ یا پردے کا انتظام نہیں ہے تو وضو کر لے۔ احرام سے پہلے خوش بو
بھی لگا سکے بعد میں نہیں۔ ایک چادر نیچے باندھ لے اور دوسری اُوپر لے لے۔
کندھے ڈھانک لے، سر پر ٹوپی رکھ لے کہ دو رکعت احرام کی پڑھنی ہیں۔

اللہ اکبر! کا مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار! احرام میں کچھ پابندیاں ہیں
اور میں عاجز اور قاصر ہوں ہو سکتا ہے میں وہ پابندیاں کما حقہ ادا نہ کر سکوں آپ اپنے
فضل و کرم سے ان پابندیوں پر مجھے قائم رکھیں۔ جیسے: کوئی اہم کام ہو تو اس کے لیے
پہلے دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر دعا کریں کہ اے پروردگار! میں عاجز بندہ ہوں
آپ قادرِ مطلق ہیں میری مشکل آسان فرمائیے۔ یہی مطلب ہے صلوٰۃ الاحرام کا کہ
اے پروردگار! ان کاموں کو کرنے میں میری مدد فرما۔

دو رکعت پڑھ لینے کے بعد سر سے ٹوپی پگڑی اُتار لے اور کہے لَبَّيْكَ
اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ اگر عمرے کا احرام ہے تو عمرے کا لفظ کہے اور اگر حج کا
احرام ہے تو حج کے لفظ کہے۔ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ
پروردگار! میں حاضر ہوں، حاضر ہوں پروردگار! آپ کا کوئی شریک نہیں ہے اِنَّ
الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔ پروردگار! تعریف بھی
آپ کی ہے، نعمتیں بھی آپ کی ہیں، ملک بھی آپ کا ہے، پروردگار! آپ کا کوئی
شریک نہیں ہے۔ نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال میں، آپ وحدہ لاشریک

ہیں، اے پروردگار! میں حاضر ہوں۔

نماز کے اختتام کے بعد فوراً لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کہنا شروع کردے۔ عمرے کا احرام ہے تو عمرے کا لبیک اور حج کا ہے تو حج کا لبیک۔ نیت زبان سے کرنا ضروری نہیں۔ بہتر ہے دل میں ہو کہ میں نے عمرے کا احرام باندھا ہے یا حج کا باندھا ہے اور لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ پڑھتا جائے اور اب ایسی کوئی حرکت نہ کرے جو احرام کے خلاف ہو۔ شکار نہیں کرسکتا، شکار کی طرف اشارہ نہیں کرسکتا، کسی شکاری کو زبان سے بھی نہیں بتا سکتا کہ میں نے فلاں جگہ شکار دیکھا ہے۔ اب یہ تمام چیزیں اس کے لیے ممنوع ہیں۔

۶ ہجری ذوالقعدہ کے مہینے میں پندرہ سو [۱۵۰۰] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ پڑھتے ہوئے جارہے ہیں۔ مکے کے مشرکوں کو اطلاع ہوئی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرہے ہیں۔ ان کو بدگمانی ہوئی کہ ہمارے اوپر حملہ کرنے کے لیے آرہے ہیں۔ تحقیق کے لیے آدمی بھیجے لوگوں نے سرسری طور پر ان کو اطلاع دی کہ لڑائی کی ہیئت نہیں ہے سب نے احرام کی چادریں باندھی ہوئی ہیں، سر ننگے ہیں، لبیک لبیک پکار رہے ہیں۔ قربانی کے جانوران کے ساتھ ہیں اور جانوروں کے گلے میں پٹے بھی ہیں۔ بڑے جانور، اونٹ، گائے، بیل، بھینسا۔ تو ایسے جانوروں کے گلے میں پٹا ڈالنا سنت ہے۔ یا پرانی جوتی باندھ دیں یا ٹوٹا ہوا لوٹا باندھ دیں۔ یہ علامت ہوتی ہے کہ یہ حاجی کا جانور ہے کہ اگر حاجی اِدھر اُدھر جائے وضو کے لیے یا سودا سلف خریدنے کے لیے تو اس کے جانور کو چھیڑے کوئی نہ تاکہ اس کی بے حرمتی نہ ہو کیوں کہ اس کی قربانی ہونی ہے۔

مقامِ حدیبیہ پر کافروں کی مزاحمت :

اس زمانے میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ سے نو دن کا سفر ہوتا تھا۔ پیدل، اونٹ، گدھے، خچر پر لوگ عموماً نو دن میں پہنچتے تھے۔ منزل بہ منزل حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی کہ کافروں نے ہمیں کسی صورت عمرہ نہیں کرنے دینا۔ تاریخ کی کتابوں میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے خراش بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف سے نمائندہ بنا کر بھیجا اور خاص اپنا اُونٹ دے کر بھیجا کہ ان کو جا کر حالات سے آگاہ کرو کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے بلکہ عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں اور مکہ مکرمہ خصوصاً بیت اللہ سب کا مشترکہ ہے اس لیے تمھیں اس سے روکنے کا حق نہیں پہنچتا۔ ہم احرام کی حالت میں ہیں آ کر دیکھ لو۔

حضرت خراش بن امیہ رضی اللہ عنہ مکے پہنچے تو کافروں نے اونٹ کو مار دیا جو کہ آنحضرت ﷺ کا تھا اور ان کو بھی قتل کرنے کے درپے ہوئے مگر کچھ لوگ درمیان میں آگئے اور ان کو قتل نہ ہونے دیا۔ یہ جان بچا کر واپس آ گئے اور بتایا کہ حضرت! وہ لوگ بڑے جذبات میں ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے ان کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑنا۔ آنحضرت ﷺ اس سلسلے میں غور و فکر کر رہے تھے کہ کافروں کا نمائندہ آ گیا عروہ بن مسعود ثقفی۔ یہ طائف کا رہنے والا بڑا چودھری تھا۔ عرب والے سارے اس کو ادباً اور احتراماً اباجی! کہتے تھے۔ قابل احترام آدمی تھا۔ یہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا مجھے جانتے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا جانتا ہوں۔ عروہ بن مسعود ثقفی کہنے لگا قریش نے تمھیں نہیں چھوڑنا تم واپس چلے جاؤ آئندہ آ جانا۔ اور کہا کہ فرض

کرو تم نے قریش کا استیصال کر دیا تو اس کی اور بھی کوئی مثال ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کر دیا ہو۔ اس کے سوا اگر لڑائی نے رخ بدلا تو یہ جو تمھارے ساتھ ہیں یہ گرد کی طرح اُڑ جائیں گے۔ اس بدگمانی پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس قدر غصہ آیا کہ گالی دے کر کہا کہ کیا ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔

عروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بے تکلفانہ طریقے سے گفتگو کرتا رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عقیدت کے مناظر دیکھتا رہا۔ واپس جا کر قریش کو کہا کہ میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشیؒ کے دربار دیکھے ہیں یہ عقیدت اور محبت نہیں دیکھی۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔ وضو سے بچے ہوئے پانی پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے اور اس کا بلغم اور تھوک لے کر منہ اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں اور وہ عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں ان کی وضع قطع دیکھ لو لڑنے کے لیے نہیں آئے۔ سب نے احرام باندھا ہوا ہے، لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ پکار رہے ہیں میرا خیال ہے کہ تم ان کو نہ روکو باقی تم بہتر سمجھتے ہو۔ قریش مکہ نے کہا کہ نہیں چھوڑنا۔

سہیل بن عمرو کا شرائطِ صلح طے کرنا :

دوسرا نمائندہ آیا، تیسرا آیا، چوتھا نمائندہ سہیل بن عمرو آیا۔ یہ خطیب قریش کہلاتا تھا۔ یہ بڑا فصیح و بلیغ تھا اس وقت کافر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے نام سے نیک فال لی۔ فرمایا سہیل آیا ہے ان شاء اللہ معاملہ نرم ہو جائے گا چوں کہ سہیل کا معنیٰ نرم ہے۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گفتگو شروع کی۔ کہنے لگا

میں آپ کو حرف آخر کہہ رہا ہوں تین نمائندے پہلے آچکے ہیں میں آخری نمائندہ ہوں ہم نے آپ کو کسی صورت عمرہ نہیں کرنے دینا ہمارے ساتھ صلح کرلیں اور صلح جتنے سالوں کی کہو گے کرلیں گے اور شرائط وہ ہوں گی جو ہم کہیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبات بڑے مشتعل ہوئے۔ کہنے لگے شرائط تمھاری ہوں گی؟ کہنے لگا ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی شرائط سناؤ کہ کیا شرائط ہیں؟ بعض نے کہا نہیں سننی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا سنو تو سہی کہتا کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سناؤ کیا شرائط ہیں؟

❀ کہنے لگا پہلی شرط یہ ہے کہ اس سال تم نے واپس جانا ہے کسی نے عمرہ نہیں کرنا۔

❀ دوسری شرط یہ ہے کہ آئندہ سال آؤ احرام باندھ کر اور تین دن ٹھہرو گے۔ تیسرے دن کے بعد نہیں ٹھہر سکو گے۔

❀ تیسری شرط یہ ہے کہ جَلَبَّانِ السلاح تمھارے ہتھیار تھیلے میں ہوں گے۔ بخاری شریف کی روایت ہے ننگی تلواریں نہیں ہوں گی۔

❀ چوتھی شرط لَا یَاتِیَنَّكَ مِنَّا رَجُلًا اِلَّا رَدَدْتَّهٗ جو آدمی ہمارا تمھاری طرف آیا تمھیں واپس کرنا پڑے گا اور جو تمھارا آدمی آیا تو ہم واپس نہیں کریں گے۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بول پڑے۔ کہنے لگے یہ کیا شرط ہے۔ سہیل کہنے لگا اسی طرح ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا حضرت! اَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَ هُمْ عَلَى الْبَاطِلِ۔ "یہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور وہ جھوٹے نہیں

ہیں؟" فرمایا ایسے ہی ہے۔ حضرت! اَلَیْسَ قَتْلَانَا فِی الْجَنَّۃِ وَ قَتْلٰھُمْ اِلَی النَّار "ہم میں سے جو شہید ہوں گے وہ جنت میں نہیں جائیں گے اور ان میں سے مرنے والے دوزخ میں نہیں جائیں گے؟" فرمایا ایسے ہی ہے۔ تو حضرت! پھر ہم اتنی گھٹیا شرائط کیوں مانیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں یہ شرائط مانی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے پریشان ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا۔ ! آپ کو یہ بات سمجھ نہیں آتی۔ کہنے لگے اچھی طرح سمجھ رہا ہوں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کر سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو فرما رہے ہیں صحیح ہے۔

❀ اور ایک شرط یہ تھی کہ عرب کے قبائل میں سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف بننا چاہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف ہوگا اور جو ہمارا حلیف بننا چاہے وہ ہمارا حلیف ہوگا۔ اور یہ معاہدہ دس سال کا ہے۔

بہ ظاہر یہ شرائط مسلمانوں کے حق میں نہیں تھیں لیکن یقین جانو! حقیقتاً یہ تمام شرائط اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کے حق میں ثابت ہوئیں۔ شرائط طے پانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ معاہدہ لکھو۔ کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ زود نویس بھی تھے اور خوب نویس بھی تھے۔ فرمایا لکھو! بسم اللہ الرحمٰن الرحیم هٰذَا مَا قَاضٰی عَلَیْہِ محمد رسول اللہ ﷺ و سہیل بن عمرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً لکھ لیا۔ سہیل بن عمرو بول پڑا کہنے لگے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کاٹ دو، یہ نہیں لکھنے دوں گا۔ بلکہ عرب کے دستور کے

مطابق لکھو باسمك اللھم "اے اللہ! آپ کے نام کے ساتھ۔" آپ ﷺ نے فرمایا دیکھو! اس میں کونسی ایسی بات ہے جو ے کے خلاف ہے؟ کیا اللہ کو نہیں مانتے، رحمٰن کو نہیں مانتے، رحیم کو نہیں مانتے؟ لگا سب صحیح ہے مگر یہ آپ کا شعار اور علامت ہے ہم نہیں مانتے ہم عرب کے دستور مطابق لکھیں گے۔ اس پر کافی بحث لیکن سہیل بن عمرو نہیں مانا ڈٹ گیا۔ مجبوراً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کاٹ کر باسمك اللھم لکھنا پڑا۔

پھر کہنے لگا آپ ﷺ نے جو رسول اللہ کے لفظ ائے ہیں یہ بھی کاٹ دو۔ اگر ہم آپ کو رسول اللہ سمجھتے اور مانتے تو مَا قَاتَلْنَا وَلَا صَدَدْنَا عَنِ الْبَيْتِ "ہم آپ کے ساتھ نہ لڑتے اور نہ بیت ر سے روکتے۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا دیکھو! میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ لگا ہوں گے اپنی جگہ مگر ہم نہیں مانتے یہ صلح نامہ ہے اس میں وہ بات آئے گی جو فریقین کے ہاں مسلم ہو گی۔ "رسول اللہ" کا جملہ کاٹو ورنہ میں جا رہا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے بڑے حوصلے اور نرمی کے ساتھ فرمایا أَجِزْهُ لِی۔ سہیل بن عمرو قطع نظر اس کے کہ اپنی قوم کے نمائندے ہو اور میں اپنی قوم کا نمائندہ ہوں آخر تم میرا احترام بھی تو کرتے ہو میرے احترام کی خاطر یہ لفظ باقی رہنے دو۔ کہنے لگا نہیں رہنے دینا۔

انکارِ علی و عمر (رضی اللہ عنہما) بہ وجہ محبت رسول ﷺ :

بہر حال جب کوئی چارہ کارگر ثابت نہ ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اُمْحُ یَا علی، علی! "رسول اللہ" کا لفظ مٹا دو۔ اور اس سے پہلے جو محمد کا لفظ ہے اس کو رہنے دو۔ آگے لکھ دو بن عبداللہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا وَ اللّٰہِ لَا اَمْحُ اَ بَدًا۔ "اللہ کی قسم! یہ لفظ میں کبھی نہیں مٹاؤں گا۔" عجیب معاملہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا دو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں کبھی نہیں مٹاؤں گا اور قسم اُٹھا کر کہتے ہیں۔ روایت بخاری شریف اور مسلم شریف کی ہے۔ اس وقت بات موضوع کے متعلق تو نہیں ہے لیکن:

أَلشَّیْءُ یُذْکَرُ بِالشَّیْءِ

"بات سے بات نکلتی ہے۔"

بات یہ عرض کرنی ہے اور اس کو سمجھ دار آدمی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لے کر فرمایا ہے اُمْحُ رسول اللہ۔ اُمْحُ امر کا صیغہ ہے، حکم دیا ہے کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا دو، روبرو، آمنے سامنے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وَ اللّٰہِ لَا اَمْحُ اَبَدًا۔ "اللہ کی قسم! میں یہ لفظ کبھی نہیں مٹاؤں گا۔" ظاہری طور پر تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فتویٰ لگنا چاہیے کہ وہ مسلمان نہیں رہے کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نام لے کر فرما رہے ہیں کہ اس لفظ کو مٹا دو اور وہ قسم اُٹھا کر فرماتے ہیں کہ میں کبھی نہیں مٹاؤں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح حکم کی خلاف ورزی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرعی حکم کی خلاف ورزی کرنے والا تو مسلمان نہیں رہتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انکار کی وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے کہ کاغذ کے پرزے پر سے بھی لفظ "رسول اللہ" مٹانے کو دل نہیں کرتا۔ سینے اور

ذہن سے نکالنا تو بڑی دور کی بات ہے کاغذ کے پرزے سے بھی لفظ "رسول اللہ" کو مٹانا ایمان کے خلاف سمجھتا ہوں۔ تو اس موقع پر انکار کرنا بھی ایمان کے تحت ہے۔

تو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فتویٰ نہیں لگ سکتا تو واقعہ قرطاس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھی فتویٰ نہیں لگ سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے، جمعرات کا دن تھا یَوْمَ الخمیس، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِیْتُوْنِی بِکِتَابٍ وَ فِی روایۃ قِرْطَاسٍ اَکْتُبُ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ اَبَدًا۔ قلم دوات لاؤ میں تمھیں لکھ دوں تا کہ میرے بعد تمھارے درمیان کبھی خلفشار پیدا نہ ہو۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ فرمائے تو قَالُوْا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا حَسْبُنَا کِتَابُ اللہ حضرت! ہم جھگڑا کیوں کریں گے؟ ہمارے اندر خلفشار کیوں پیدا ہوگا اللہ کی کتاب ہمیں کافی ہے۔ اور روایت بخاری شریف میں سات جگہ پر آئی ہے۔ پانچ جگہوں میں قالوا کے لفظ ہیں اور دو جگہوں میں آتا ہے فَقَالَ عُمَرُ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حَسْبُنَا کِتَابُ اللہ "ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔"

اب اس جگہ پر غلط نظریے والے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کاغذ قلم لاؤ میں کچھ لکھ دینا چاہتا ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں رکاوٹ پیدا کی۔ پھر وہ عوام سے پوچھتے ہیں کہ بتلاؤ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ٹالنے والا مسلمان رہتا ہے؟ تو جواب آتا ہے کہ نہیں رہتا۔ جواب تو ٹھیک دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نہ ماننے والا مسلمان نہیں رہتا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا اَھَجَرَ اِسْتَفْھِمُوْا کیا آپ ہم سے جدائی اختیار کر رہے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

سے پوچھو آپ تکلیف میں ہیں مزید تکلیف نہ دو ہمارے اللہ تعالیٰ کی کتاب موجود ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا "اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور تفرقہ نہ ڈالو۔"

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن مبارک میں بھی یہی بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف نہ دو۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھی کوئی فتویٰ نہیں لگا سکتے۔ کیوں کہ ان کا یہ فرمانا محبت کی بنا پر تھا عناد، دشمنی اور مخالفت کی بنا پر نہ تھا۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ مسند احمد بن حنبل جو کہ حدیث کی کتاب ہے اس میں روایت ہے صحیح سند کے ساتھ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خود راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یا علی!، اے علی! قلم دوات لاؤ۔ علی التعیین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا ہے کہ قلم دوات لاؤ۔ وہ کیوں نہیں لائے۔ اس طرح تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی زد میں ہیں کہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات نہیں مانی اور عقل کا تقاضا بھی یہی تھا کہ حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا جائے عمر رضی اللہ عنہ کو نہ دیا جائے۔ کیوں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خسر ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ خسر ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ داماد ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ داماد ہیں اور ضابطہ یہ ہے کہ کسی مجلس میں آدمی کا خسر بھی ہو اور داماد بھی ہو تو حکم داماد کو ہوگا خسر کو نہیں ہوگا۔ پانی پکڑاؤ، قلم دوات پکڑاؤ، داماد کو کہے گا خسر کو نہیں کہے گا۔

واقعۂ قرطاس میں آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ قلم دوات لاؤ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ سے تو نہیں فرمایا۔ تو اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں لائے تو قصور کس کا ہے؟ فتویٰ کس پر لگنا چاہیے؟ پھر سوال یہ ہے کہ لکھوانا کیا چاہتے تھے؟ روایات میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ بخاری، مسلم، مسند احمد، مسند حمیدی، یہ تمام حدیث کی کتابیں ہیں اور ہمارے پاس موجود ہیں۔ ان میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دوسری ازواج مطہرات بیٹھی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ! اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو بلاؤ میں کچھ لکھوا دینا چاہتا ہوں تا کہ میرے بعد ابوبکر کے ساتھ کوئی جھگڑا نہ کرے۔ پھر خیال آیا اور فرمایا: یَاْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَا بَكْرٍ، یَاْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَا بَكْرٍ، یَاْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَا بَكْرٍ۔ تین دفعہ فرمایا اللہ بھی راضی نہیں ہوگا اور مومن بھی راضی نہیں ہوں گے ابوبکر کے سوا کسی پر۔ اللہ بھی اوروں کا انکار کرے گا، مومن بھی اوروں کا انکار کریں گے، ابوبکر کے سوا کسی کو آگے نہیں آنے دیں گے لہٰذا لکھوانے کی ضرورت نہیں۔ پھر یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک تھی اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا تو جمعرات کو یہ قصہ پیش آیا اس کے بعد جمعہ، ہفتہ، اتوار تین دن مکمل گزرے، سوموار کے دن تقریباً دس بجے کے قریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے۔

قبلِ وفات نصیحتیں اور وصیتیں:

اس دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی نصیحتیں اور وصیتیں فرمائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَخْرِجُوا الیهود والنصارٰی من جزیرۃ العرب

"یہود ونصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال دینا" یہ بڑی شریر قومیں ہیں تمھیں تنگ کریں گی۔ اور یہ بھی فرمایا کہ پہلے لوگوں نے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا اِتَّخَذُوا قُبُوْرَ انبیائهم وصاحبهم مساجدًا تم میری قبر پر سجدہ نہ کرنا لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِیْ عِیْدًا اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر متعلق فرمایا کہ اس کو تم نے ضرور موتہ کے مقام پر بھیجنا ہے۔ جو وفد آئیں ان کا احترام کرنا۔ اور کئی باتیں فرمائیں مگر قلم دوات والی بات دوبارہ نہیں فرمائی، پانچ دن زندہ رہنے کے باوجود۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا تو معاذ اللہ تعالیٰ نقل کفر کفر نہ باشد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر حرف نہیں آئے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو ٹالا۔ اس نظریے سے تو پیغمبر کا دامن بھی محفوظ نہیں رہے گا۔ بات سمجھ آئی ہے کہ نہیں؟ پانچ دنوں میں اور وصیتیں ہوتی رہیں اور اس بات کا دوبارہ ذکر تک نہ ہو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک تھی اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں تھا۔

عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم :

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کفر کا فتویٰ نہیں لگتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھی نہیں لگتا۔ دونوں ہماری آنکھوں کے تارے ہیں اور ہم دونوں کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے کہتے ہیں۔ یقین جانو! اگر دنیا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مومن نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ مومن نہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مومن نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ مومن نہیں تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے بعد خدا کی دنیا

میں کوئی مومن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سُنی مسلمانوں کو یہ شرف و فضل نصیب فرمایا ہے کہ تمام صحابہ کرام کے ساتھ عقیدت رکھتے ہیں، تمام اہل بیت کے ساتھ عقیدت رکھتے ہیں اَلصَّحَابَةُ کُلُّهُمْ عُدُوْلٌ تمام صحابہ عادل ہیں، پاک ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ بڑے صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر چھوٹے صحابی محمود بن لبید رضی اللہ عنہ تک تمام صحابہ کرام کو رضی اللہ تعالیٰ عنهم و رضو عنه سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی۔ یہ قرآن پاک کی نص قطعی ہے کہ تمام صحابہ جنتی ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جنت کے سوا اور کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ راضی بھی ہو اور جنت بھی نہ ملے تو رضا کیسی؟ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا "وہ پکے مومن ہیں لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ان کے لیے بخشش ہے۔" اگر کوئی شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ عقیدہ نہیں رکھتا چاہے وہ مہاجرین ہوں یا انصار ہوں تو یقین جانو! اس کی نمازیں بھی برباد، روزے بھی برباد، اس کی تمام نیکیاں برباد ہیں کہ وہ رب تعالیٰ کے حکم پر ایمان نہیں لایا اور منافق تو جنت میں کوئی نہیں جا سکتا، نہ کافر مرتد جا سکتا ہے۔ جنت تو جگہ ہی مومنوں کی ہے۔

تو خیر یہ ضمنی بات درمیان میں آ گئی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لفظ مٹا دو۔ کہنے لگے اللہ کی قسم! میں کبھی نہیں مٹاؤں گا۔ حدیث میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَرِنِيْ مجھے دکھاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے "رسول اللہ" کے لفظ پر قلم پھیر دیا اور آگے لفظ ہیں كَتَبَ مسلم شریف میں موجود ہیں۔ جمہور معنیٰ کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھنے کا حکم دیا۔ کیوں کہ قرآن پاک

میں آپ ﷺ کی صفت الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ ہے کہ آپ ﷺ پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے اور لکھنا بھی نہیں جانتے تھے وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ [العنکبوت:۴۸] آپ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اُمی ہونا آپ ﷺ کا کمال ہے۔

اور قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ چھٹی صدی کے عالم ہیں اور مالکی المسلک ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے خود لکھا ابن عبداللہ۔ اس پر بڑی بحث چلی۔ یہاں تک کہ علماء کے ایک طبقے نے ان کو کافر بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ اور تم کہتے ہو لکھا، تو لکھا کیسے؟

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ کافر نہیں ایک لفظ لکھنے سے آدمی پڑھا ہوا تصور نہیں ہوتا۔ آج کل بھی تم نے اَن پڑھ لوگ دیکھتے ہوں گے وہ صرف اپنا نام لکھنا جانتے ہیں۔ وہ بھی اس طرح کہ رجسٹر کے ایک طرف سے شروع کریں گے اور دوسری طرف جا کر ختم کریں گے، پورا کریں گے۔ وہ پڑھے ہوئے تو نہیں ہوتے اور نہ وہ منشی بن جاتے ہیں۔ تو بہر حال اس مقام تک پہنچے ہیں وقت چوں کہ ختم ہو چکا ہے باقی سلسلہ آگے چلے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔

فتح مکہ

خطبہ جمعۃ المبارک ۱۱رشوال ۱۴۰۱ھ ، ۲۴اگست ۱۹۸۱ء

وہ اک نرمی کہ سنگ و خشت کے سینے میں جا اتری
وہ اک شیشہ کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوا آیا

خطبہ مسنونہ کے بعد ۔۔۔ امابعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ
نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝

[سورۃ الفتح، پارہ:۲۶]

تمہید:

سیرت طیبہ کا مضمون شروع کیا تھا۔قرآن کریم، حدیث شریف، تاریخ اور سیرت کی کتابوں کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے لے کر نبوت کے ملنے تک اور نبوت کے بعد ہجرت تک اور ہجرت کے بعد جنگ بدر، جنگ اُحد اور جنگ خندق کے تفصیلی واقعات میں تم کو بتا چکا ہوں۔ ہجرت کے چھٹے سال تک کے واقعات تمھارے سامنے پیش کیے گئے۔ پھر درمیان میں زکوٰۃ کا مسئلہ آ گیا کچھ جمعے اس پر لگ گئے۔ اس کے بعد رمضان المبارک کے مسائل بیان ہوئے۔ گزشتہ جمعہ سیرت طیبہ کے سلسلے میں صلح حدیبیہ کا ذکر تمھارے سامنے آیا کہ ذوالقعدہ کے مہینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ سو صحابہ کرام کو ساتھ لے کر عمرے کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ سب نے احرام باندھا ہوا تھا لیکن مکے کے مشرکوں کے جذبات بھڑکے ہوئے تھے۔ انھوں نے عمرہ کرنے کی اجازت نہ دی۔ کہتے تھے اس میں

ہماری خفت ہے کہ عرب کے قبائل کہیں گے قریش بڑے بہادر ہوتے ہوئے تین لڑائیاں بھی دشمنوں سے لڑیں پھر دشمن گھر آ کر کعبہ کا طواف کر کے صحیح سالم واپس چلا گیا اور یہ کچھ بھی نہ کر سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بڑی تسلی دی کہ ہم عمرے کی نیت سے آئے ہیں لڑنے کے لیے نہیں آئے۔ مشرک کہنے لگے ہمیں یقین ہے کہ تم نے احرام باندھا ہوا ہے قربانی کے جانور تمھارے ساتھ ہیں لبيك اللّٰهم لبيك پکار رہے ہو لیکن بایں ہمہ ہم نے تمھیں اس سال عمرہ نہیں کرنے دینا ہماری بڑی بے عزتی ہے۔ ہم نے کچھ شرائط منوانی ہیں۔ ان شرائط کے تحت تم آئندہ سال آ کر عمرہ کر لینا۔ اس سلسلے کی کافی بات میں گزشتہ جمعہ عرض کر چکا ہوں۔

نمائندۂ رسول عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ :

کافروں کے نمائندے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نمائندہ خراش بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کو کافروں کے پاس بھیجا۔ یہ جس اُونٹ پر سوار ہو کر گئے تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا۔ کافروں نے مشتعل ہو کر اُونٹ کو مار ڈالا اور ان کو بھی قتل کرنے کے درپے ہوئے لیکن کچھ لوگوں نے مدافعت کی اور یہ واپس آ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجنا چاہا تو اُنھوں نے عرض کیا حضرت! مجھے کوئی انکار نہیں ہے لیکن میری طبیعت بڑی گرم ہے اور یہ معاملہ بڑا نازک ہے اس لیے آپ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھیجیں وہ بڑی ٹھنڈی طبیعت کے حامل ہیں۔

شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کی افواہ اور بیعتِ رضوان :

خیر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ان کو کافروں نے کعبہ میں بند کر دیا اور خبر مشہور کر دی اِنَّ عُثْمَانَ قَدْ قُتِلَ "حضرت عثمان شہید کر دیے گئے ہیں۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھے تھے، دوپہر کا وقت تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے فرمایا میرے ہاتھ پر بیعت کرو۔ کس بات کی؟ مرنے کی۔ اور ایک روایت میں ہے اَنْ لَّا نَفِرَّ اس بات پر بیعت کرو کہ ہم بھاگیں گے نہیں کہ ہمارے سفیر، ہمارے قاصد کو شہید کر دیا گیا ہے تو ہمارا کیا رہ گیا ہے۔ اس میں ہماری بڑی خفت ہے۔ پندرہ سو [۱۵۰۰] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیعت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قرار دے کر ان کی طرف سے بھی بیعت لی۔ یہ ایسی مقبول بیعت تھی کہ اس کا ذکر قرآن کریم میں ہے :

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ "البتہ تحقیق راضی ہو چکا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جنھوں نے بیعت کی درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر۔" یقین جانو! جن سے رب راضی ہو جائے وہ یقیناً جنتی ہیں۔ ایک تو رب تعالیٰ نے ان کو مومن کہا اور دوسرا ان کو اپنی رضا کی سند دی ہے۔ ہمارا تمھارا سب مومنوں کا فرض ہے کہ ہم قرآن پاک کی اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں یہ عقیدہ رکھیں کہ جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی سب مومن ہیں اور سب جنتی ہیں۔

کافروں نے یہ نقشہ دیکھا تو ڈر گئے کہ معاملہ بڑا مشکل ہو گیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نکالا اور کہنے لگے طواف کر لو۔ فرمایا نہیں کروں گا۔ اگرچہ طواف

عبادت ہے مگر جب تک میرے محبوب نہیں کریں گے میں بھی نہیں کروں گا۔ واپس آ گئے۔ وہاں پہنچے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بڑی خوشی ہوئی کہ ہم نے سمجھا تھا کہ حضرت عثمان شہید کر دیے گئے ہیں مگر بحمد اللہ زندہ ہیں۔ کافروں نے جب یہ نقشہ دیکھا کہ یہ تو لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں تو وہ بھی کچھ نرم پڑ گئے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جب مومن کافروں کے مقابلے میں اپنی قوت اور استقامت کا مظاہرہ نہیں کرے گا تو کافر اور طاقت ور ہو جائے گا۔ مسلمان باوجود کمزور اور بے سروسامان ہونے کے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں تو کافروں کا پتا چل جائے گا کہ ہمارے مقابلے میں بھی کوئی ہے۔ اور جب آدمی مرنے پر اُتر آئے اور اپنی جان ہتھیلی پر رکھ لے بہت بڑے مجمع کو پریشان کر دیتا ہے اور مشکل میں ڈال دیتا ہے چاہے کسی مقصد کے لیے ہو۔ اور حق کا جذبہ تو بڑا جذبہ ہے۔

کافر نرم پڑ گئے، اپنے نمائندے بھیجے، نتیجہ یہ ہوا کہ بالآخر صلح ہو گئی اور یہ بات طے پائی کہ تم آئندہ سال آ کر عمرہ کرنا۔ عمرہ چھوٹے حج کو کہتے ہیں۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ امیر حجاج مقرر :

اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا کہ حج تو صاحب استطاعت پر فرض ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حج کیے تھے لیکن اس وقت حج نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر۔ وہ حج نفلی درجے کا تھا۔ حج ہجرت کے نویں سال فرض ہوا ہے۔ لیکن اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لے جا سکے کہ کافر جوق در جوق کلمہ پڑھنے کے لیے آ رہے تھے۔

عرب کا رقبہ بڑا وسیع ہے۔ ہمارے پاکستان کا رقبہ تین لاکھ دس ہزار مربع میل ہے اور سعودیہ عرب کا رقبہ بارہ [۱۲] لاکھ مربع میل ہے۔ پاکستان سے رقبے کے لحاظ سے چار گنا بڑا ہے۔ اتنے دور دراز علاقے سے آئیں اور میں نہ ہوں اچھی بات نہیں ہے۔ پھر اُس زمانے میں نہ گاڑیاں تھیں، نہ بسیں تھیں، نہ جہاز۔ پیدل سفر ہوتا تھا یا خچر، گدھوں، گھوڑوں اور اُونٹوں پر سفر ہوتا تھا۔ اس طرح سفر کر کے آئیں اور آپ ﷺ کو نہ دیکھیں تو بڑا صدمہ ہوگا اس لیے آپ ﷺ تشریف نہیں لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیرِ حجاج بنا کر بھیجا کہ لوگوں کو حج کراؤ کہ میں اس مجبوری کی وجہ سے نہیں جا سکتا۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ لوگ فوج در فوج دین میں داخل ہو رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ہجرت کے دسویں سال حج کیا ہے۔ وہی آپ ﷺ کا پہلا حج ہے اور وہی آپ ﷺ کا آخری حج ہے۔ اور عمرے آپ ﷺ نے دو کیے ہیں۔ ایک سات [۷] ہجری میں عمرۃ القضاء اور ایک آٹھ [۸] ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے تو آپ ﷺ کی سنت کی تعمیل کے لیے ہر مسلمان عمرہ بھی کرے۔

عمرہ کے احکام :

صاحبِ حیثیت کے لیے عمرہ سنتِ مؤکدہ ہے۔ عمرہ جب چاہے کر سکتا ہے حج کے پانچ دنوں کے علاوہ کہ حج کے پانچ دنوں میں مکروہ ہے۔ نویں، دسویں، گیارھویں، بارھویں، تیرھویں۔ اور مکروہ اس لیے کہ اگر عمرہ کرے گا تو حج کے کاموں

سے محروم رہے گا ورنہ فی نفسہ کوئی خرابی نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے لیے مستقل سفر کیا ہے، قصد اور ارادے کے ساتھ۔ تو جس کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے اس کو عمرہ کرنا چاہیے۔ اور عمرہ یہ ہے کہ احرام باندھے لبیك اللّٰھم لبیك پڑھتا جائے۔ جب حجر اسود کے سامنے جائے تو اللّٰھم لبیك پڑھنا بند کردے اور دعائیں پڑھے۔ حجر اسود کو منہ کے ساتھ چومے، اگر یہ ممکن نہ ہو اور اس زمانے میں یہ کافی مشکل ہے رش کی وجہ سے، تو حجر اسود کو ہاتھ لگا کر ہاتھ کو چوم لے۔ اگر ہاتھ نہیں لگا سکتا تو لاٹھی لگا کر لاٹھی کو چوم لے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو حجر اسود کے سامنے کھڑا ہو کر پہلی دفعہ کہے گا بسم اللہ اللہ اکبر۔ ہاتھ بھی اُٹھائے اور تکبیر بھی کہے۔ اس کے بعد طواف شروع کردے۔

طواف کے دوران چہرہ کعبے کی طرف نہیں پھیرنا چاہیے۔ طواف حج کا ہو یا عمرے کا۔ یہ مسئلہ اچھی طرح یاد رکھنا۔ اگر طواف کے دوران چہرہ کعبے کی طرف پھیرا تو تین امام کہتے ہیں کہ اس کا طواف بالکل باطل ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ۔ اور ہمارے امام، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طواف کرتے ہوئے کعبہ کی طرف رخ پھیرا تو مکروہ تحریمی ہے اور طواف واجب الاعادہ ہے۔ جب تک مکہ میں موجود ہے طواف دوبارہ کرنا پڑے گا۔

تو طواف کے دوران کعبۃ اللہ کی طرف رخ نہیں کرنا۔ ہاں جب حجر اسود کے سامنے جائے تو رخ کعبۃ اللہ کی طرف کر سکتا ہے کیوں کہ وہ ٹھہراؤ کا وقت ہے۔ اس وقت کعبہ کو دیکھ سکتے ہو۔ پھر جب طواف شروع کرلو تو نہیں دیکھ سکتے۔ ویسے چلتے

چلتے ترچھی نگاہ پڑجائے رخ نہیں پھیرا تو کوئی ڈر نہیں لیکن رخ نہیں پھیرنا۔ اس مسئلے کو اچھی طرح پلے باندھ لینا ہے۔ نہ حج ہوگا، نہ عمرہ ہوگا اگر کعبے کی طرف رخ کرلیا۔

جب رکن یمانی کے پاس جائے تو اس کو ہاتھ لگا کر چوم لے ہونٹوں کے ساتھ نہیں چومنا۔ اس کو استلام کہتے ہیں۔ یہ بھی ٹھہراؤ کا وقت ہے اس وقت بھی کعبۃ اللہ کی طرف رک کرسکتا ہے۔ اور پہلے تین چکروں میں مردوں کے لیے رمل واجب ہے۔ رمل کا معنیٰ ہے اکڑ کر چلنا اور یہ واجب ہے۔ اگر کوئی مرد اکڑ کر نہیں چلے گا تو اس پر دم آئے گا، قربانی کرنی پڑے گی۔ عورتیں مستثنیٰ ہیں، عورتوں کے لیے یہ مسئلہ نہیں ہے۔

اور رمل کی وجہ یہ ہوئی کہ ہجرت کے ساتویں سال جب آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمرے کے لیے آئے اور کعبۃ اللہ مسجد حرام کے اندر ہے اور مسجد کا احترام ضروری ہے، دین ہے۔ یہاں تک کہ مسجد میں دوڑنے کی اجازت نہیں ہے ادب کے ساتھ چلو۔ مثلاً: ایک آدمی نے وضو کیا اور امام رکوع میں چلا گیا تو دوڑ کر امام کے ساتھ ملنے کی اجازت نہیں ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: فَلَا تَأْتُوْهَا وَاَنْتُمْ تَسْعَوْنَ دوڑ کر رکوع میں شریک نہ ہو۔ اگر کوئی دوڑ کر شریک ہوگا تو گناہ گار ہوگا۔ بے شک نماز کے لیے دوڑا کہ امام کے ساتھ رکوع میں مل جاؤں۔ لیکن اس دوڑنے میں مسجد کا احترام خراب ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ آہستہ چل کر آؤ فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاقْضُوْا جو حصہ امام کے ساتھ مل جائے پڑھ لو اور جو امام کے ساتھ نہ ملے وہ بعد میں پڑھ لو۔

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ادب و احترام کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتے تھے۔ اُس

وقت مسجد حرام چھوٹی ہوتی تھی اتنی بڑی نہیں تھی اور کافر کناروں پر بیٹھے آپس میں
باتیں کرنے لگے۔ کہنے لگے وَهَنَهُمْ حُمّٰى يَثْرِبَ۔ ان کو مدینہ طیبہ کے بخار
نے کمزور کردیا ہے۔ یہ بے چارے چلنے سے بھی رہ گئے ہیں۔ حالاں کہ ان کا اس
طرح کا چلنا مسجد کے احترام کے لیے تھا۔ مگر اپنا اپنا ذہن ہوتا ہے۔ انھوں نے یہ سمجھا
کہ مدینہ طیبہ کی آب وہوا ان کو موافق نہیں۔ یہ کمزور ہو گئے ہیں اس لیے یہ چل نہیں
سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اب تم نے اکڑ کے چلنا ہے پہلوانوں کی طرح۔ اگر رش
کی وجہ سے اس طرح نہ چل سکے تو کھڑا کھڑا اس طرح طرح کرتا رہے کندھا ہلتا
رہے۔ اگر نہیں ہلائے گا تو اس کے حج وعمرے میں خرابی آئے گی۔

تو پہلے تین چکروں میں مردوں نے رمل کرنا ہے عورتوں نے نہیں۔ اور ان
تین چکروں میں اضطباع بھی کرے گا۔ اضطباع کا معنیٰ ہے کہ چادر دائیں کندھے
سے نیچے کر کے بائیں کندھے کے اوپر ڈالے۔ جس طواف میں رمل ہے اس میں
اضطباع بھی سنت ہے۔ اور جس میں رمل نہیں اس میں دائیاں کندھا بھی چھپانا
ضروری ہے اور رمل اور اضطباع ایسے طواف میں ضروری ہے کہ جس کے بعد صفا مروہ
کی سعی کرنی ہے اور جس طواف کے بعد سعیَ بین الصفا والمروہ نہیں اس میں رمل بھی نہیں
ہے۔

طواف کے ساتھ چکر پورے کرنے کے بعد ملتزم کے ساتھ جا کر چھاتی
لگائے، رخسار لگائے، ہاتھ لگائے، گڑگڑائے اس ارادے کے ساتھ کہ اے
پروردگار! میں آپ کے دروازے کے پاس گناہ لے کر آیا ہوں اپنے فضل وکرم سے
میرے گناہ معاف کردے۔ جیسے کوئی کسی کے گھر جا کر منت کرے تو بندے کو شرم آ

جاتی ہے کہ میرے گھر آیا ہے۔ اسی طرح کعبۃ اللہ بھی اللہ تعالیٰ کا گھر ہے لیکن اس معنیٰ میں نہیں کہ رب وہاں رہتا ہے۔ رب کے گھر کا معنیٰ ہے رب تعالیٰ کی تجلیات کا مرکز ہے۔ بڑی عزت والا گھر ہے۔

اگر ہو سکے تو غلافِ کعبہ کو پکڑو اور عاجزی کر کے روؤ، زاری کرو کہ اے رب! میں گناہ لے کر آیا ہوں آپ کی رحمت لے کر جاؤں گا۔ اس کے بعد طواف کے دو رکعت نفل پڑھے مقام ابراہیم ایک پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشان ہیں۔ اس پتھر پر پاؤں رکھ کر انھوں نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کی تھی۔ اس کے قریب قریب یہ دو نفل پڑھنے چاہئیں۔ اگر رش ہو تو دور پڑھ لے۔ اس کے بعد زم زم کا پانی پینا ہے جتنا پی سکے کھڑے ہو کر کعبہ کی طرف رخ کر کے۔

دو طرح کے پانی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے :

دو پانی ہیں جو کھڑے ہو کر پینا سنت سے ثابت ہیں۔ ایک زم زم کا پانی ہے۔ اور پینے سے پہلے یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّ رِزْقًا وَّاسِعًا وَّشِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ "اے اللہ میں آپ سے ایسے علم کا سوال کرتا ہوں جو نفع دینے والا ہو اور رزق کا سوال کرتا ہوں جو میرے لیے وسیع ہو اور ہر قسم کی بیماری سے مجھے شفا عطا فرما۔" زم زم کا پانی حاجی یہاں لے کر آئے یہاں بھی کھڑے ہو کر قبلہ رخ ہو کر پینا مستحب ہے۔ اور دوسرا وضو کا بچا ہوا پانی بھی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے اور سنت سے ثابت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفے کی مسجد کے سامنے وضو کیا۔ وضو کر کے کھڑے

ہوئے اور لوٹے کے ساتھ کھڑے ہو کر پانی پیا۔ لوگوں نے بڑی حیرانگی کا اظہار کیا کیوں کہ لوگوں کے سامنے مسلم شریف کی حدیث تھی کہ جس نے کھڑے ہو کر پانی پیا فَلْيَسْتَقِئ اس کو فوراً اُلٹی کر دینی چاہیے۔ فرمایا مجھے یہ مسئلہ معلوم ہے کہ عام حالات میں کھڑے ہو کر پانی پینا ممنوع ہے۔ اور ترمذی شریف اور مسلم شریف کی روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حضرت ارشاد فرمائیں کہ بندہ کھڑے ہو کر پانی پی سکتا ہے؟ فرمایا: نَهٰی رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا "آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔" سائل نے سوال کیا حضرت! ارشاد فرمائیں کھانا کھڑے ہو کر کھانا؟ قَالَ ذٰلِكَ اَشَدُّ "فرمایا یہ تو اور زیادہ سخت ہے۔" یہ دونوں روایتیں موجود ہیں، جمع الفوائد میں بھی اور مجمع الزوائد میں بھی۔ یہ دونوں حدیث کی کتابیں ہیں۔ ان میں یہ لفظ ہیں نَهٰی رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ الْاَكْلِ وَالشُّرْبِ قَائِمًا۔ "آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے کھڑے ہو کر کھانا کھانے سے اور کھڑے ہو کر پانی پینے سے۔"

اور آنحضرت ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: لَتَتَّبِعَنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلِكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ ذِرَاعًا بِذِرَاعٍ "تم ضرور اتباع کرو گے ان لوگوں کی جو پہلے ہو چکے ہیں۔" پوچھا حضرت! وہ کون ہیں؟ یہود و نصاریٰ؟ قَالَ فَمَنْ "فرمایا اور کون ہیں۔" یہود و نصاریٰ کی بات کر رہا ہوں۔ اُنھوں نے کھانا کھڑے ہو کر کھانے کی بدعت نکالی۔ آج مسلمان بھی شادیوں میں کھڑے ہو کر کھاتے ہیں حالاں کہ آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر کھانے پینے سے منع فرمایا ہے۔

تو خیر یہ تصویر کا ایک رخ تھا۔ لوگوں نے سنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک کھڑے ہو کر کھانے سے بھی منع فرمایا ہے اور پینے سے بھی منع فرمایا ہے مگر دو قسم کے پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیے ہیں۔ ایک زم زم کا پانی اور دوسرا وضو سے بچا ہوا پانی۔

(ایک آدمی نے حضرت شیخ سے ٹونٹیوں سے وضو کرنے پر پانی پینے کا سوال کیا تو حضرت نے فرمایا کہ سارا پانی تو نہیں پی سکتا نہ لوٹے کا نہ ٹونٹی کا تھوڑا سا تبرک کے طور پر پی لے تا کہ سنت کا ثواب حاصل ہو جائے)۔

سعی بین الصفا والمروہ کے مسائل :

زم زم کا پانی پینے کے بعد صفا پر جانا ہے۔ اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا کہ پہاڑی کے اوپر چڑھنا ضروری نہیں ہے لیکن ان کے پاس پہنچنا ضروری ہے۔ اور جو معذوروں کو طواف کرانے والے ہیں آج کل وہ صرف ریال جانتے ہیں اور کچھ نہیں۔ ان کو اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ کسی کا طواف ہوتا ہے یا نہیں۔ حج، عمرہ ہوتا ہے یا نہیں بس ہمیں جلدی سے ریال مل جائیں۔ لہٰذا یاد رکھنا! اللہ تعالیٰ حج کی توفیق دے، عمرے کی توفیق دے تو ہر شوط پر صفا کی چٹان کے پاس پہنچنا ہے تا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی ناقص نہ رہے۔ سات چکر کاٹنے ہیں ایک طرف سے، ڈبل نہیں۔ صفا سے شروع کر کے مروہ پر ایک چکر پورا ہو گیا۔ سات چکر جب پورے ہو جائیں بس عمرہ ہو گیا۔ عمرہ نام ہے احرام، کعبے کا طواف اور صفا، مروہ کے درمیان سعی کا۔ اس کے بعد حلق یعنی ٹنڈ کرانی ہے۔ اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا! کہ اگر کسی نے پٹے رکھے

ہوئے ہیں سنت کے مطابق تو وہ اپنے پٹے انگلی کے ایک پورے کے برابر کٹوا سکتا ہے۔ بس! احرام سے نکل گیا۔ اور اگر پٹے نہیں ہیں تو استرا پھروانا ہے چاہے بال چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں۔ جب تک اُسترا نہیں پھروائے گا احرام سے نہیں نکلے گا۔

وہاں کچھ لوگ حنبلی خیال (مسلک) کے ہیں اور کچھ اور خیالات (نظریات) کے ہیں۔ اُنھوں نے نائیوں سے یہ مسئلہ سنا ہوا ہے کہ قینچی سے چند بال کاٹ دو تو احرام سے نکل گئے۔ یاد رکھنا! قینچی سے بال نہ کٹوانا، بالکل نہیں۔ سستا سودا دیکھ کر اپنے عمرے کو خراب نہ کر لینا۔ مشین بھی نہیں پھیرنی۔ اگر تم نے مشین پھروائی تو یاد رکھنا! حج اور عمرے میں خرابی ہوگی۔ یا تو پٹے رکھے ہوئے ہوں تو پھر پیچھے سے بقدر پورے کے کٹوانے ہیں ورنہ اُسترا ہی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص گنجا ہے اور اس کے سر پر ایک بال بھی نہیں ہے تو فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ شریعت کی شرط پوری کرے اُسترا پھرائے۔ اگر کسی نے ایک دن میں دس حج کیے ہیں دس مرتبہ سر پر اُسترا پھروانا ہے۔ یہ سوال نہیں کہ ابھی ٹنڈ کرائی ہے۔ یہ ایسے سمجھو کہ ایک آدمی گونگا ہے اس نے نماز پڑھنی ہے تو وہ تلفظ تو نہیں کر سکتا لیکن اس کو حکم ہے کہ زبان ہلاتا رہے۔ اگر گونگے نے اپنی زبان کو حرکت نہ دی تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ وہ پڑھ کچھ نہیں سکتا مگر زبان کو حرکت دینی ہے۔

اور یہ مسئلہ بھی کئی دفعہ بیان ہوا ہے کہ فقہائے کرام کا اس میں اختلاف ہے مگر راجح اور محقق بات اور صحیح بات یہ ہے کہ جب تک نماز کے کلمات اپنے کان نہ سنیں گے نماز نہیں ہوگی بہ شرطے کہ بہرا نہ ہو۔ ایسے انداز سے اللہ اکبر سے لے کر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تک زبان کو حرکت دینی ہے کہ اپنے کان سنیں چاہے امام کے پیچھے ہو یا تنہا پڑھ رہا ہو۔ جب تک اپنے کان نہیں سنیں گے نماز نہیں ہوگی۔

اگر میاں بیوی دونوں نے احرام باندھا ہوا ہے اور افعال حج وعمرہ سے فارغ ہو گئے ہیں تو پہلے اپنی ٹنڈ کرائے گا پھر بیوی کے بال کاٹے گا اگر پہلے اپنی بیوی، والدہ یا بیٹی کے بال کاٹے تو اس پر دم آئے گا، قربانی لازم ہو جائے گی۔

اسی طرح بیوی نے اگر یہ خیال کیا کہ میرے بال لمبے ہیں خود کاٹ لیتی ہوں۔ اگر خود کاٹے گی تو اس کے احرام پر زد آئے گی اور اس پر قربانی لازم آئے گی۔ تو دوسرے کے بال وہ شخص کاٹ سکتا ہے کہ خود احرام سے نکل آیا ہو اور ٹنڈ کرانے کے بغیر احرام سے نہیں نکل سکتا اگر پٹے نہ رکھے ہوئے ہوں۔

اگر احرام کی حالت میں کپڑا وغیرہ پہنے گا تو اس پر تاوان آئے گا۔ اگر سلا ہوا کپڑا پہنے رکھا چاہے جہالت کی وجہ سے پہنا ہو کہ مسئلہ معلوم نہیں تھا اس پر دم آئے گا، قربانی دینی پڑے گی۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے پہنا پھر خود خیال آیا یا کسی نے بتلا دیا فوراً اُتار دیا تو اس پر صدقہ آئے گا۔ تقریباً دو سیر گندم کی مالیت کا صدقہ کرے گا۔ اگر کسی عضو کامل پر خوشبو لگائی مثلاً: ہاتھ مکمل عضو ہے تو دم دینا پڑے گا۔ اگر ایک آدھ انگلی پر لگائی تو صدقہ دینا پڑے گا۔

کفار قابلِ اعتماد نہیں :

عمرے کے مسائل میں نے ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ کیوں کہ سات [۷] ہجری میں آپ ﷺ نے عمرۃ القضاء کیا تھا اور چھ [۶] ہجری میں

کافروں نے عمرے کی اجازت نہیں دی تھی۔ دس سالہ صلح ہوئی۔ مگر کافروں نے صلح کی کوئی قدر اور پاس داری نہ کی۔ اور یاد رکھنا! کافروں پر کبھی اعتماد نہیں کرنا۔ ان سے اپنا فائدہ جتنا لے سکتے ہو لے لو مگر ان پر اعتماد نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ [آل عمران:۲۸] "نہ بنائیں مومن کافروں کو دوست مومنوں کو چھوڑ کر۔" مومنوں کو اجازت نہیں ہے کہ وہ کافروں کو دوست بنائیں۔ اعتماد کے قابل صرف مومن ہیں۔ کافر سختی (مشکل یا پریشانی) کے موقع پر کبھی تمہارے کام نہیں آئے گا۔ مومنوں کے بارے میں جوان کے دلوں میں بغض ہے وہ اسلام کے لیے نقصان دہ ہے۔

کفارِ مکہ کی عہد شکنی:

دس سالہ معاہدہ ہونے کے بعد ابھی ڈیڑھ مہینہ گزرا کہ خیبر کا غزوہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل میں نے آج بیان نہیں کرنی آگے آئے گی۔ غزوۂ خیبر کے آگے پیچھے کافروں نے وعدہ شکنی کی۔ وہ اس طرح کہ قبیلہ بنوخزاعہ آنحضرت ﷺ کی حلیف تھا اور قبیلہ بنوبکر مشرکین مکہ کا حلیف تھا اور قریش مکہ کے ساتھ جو معاہدہ طے ہوا تھا اس کی ایک شق یہ تھی کہ جو تمہارا ساتھی بن جائے گا ہم اس کو کچھ نہیں کہیں گے اور جو ہمارا ساتھی بن جائے گا تم اُسے کچھ نہیں کہو گے۔ لیکن قریش مکہ نے اس کی پابندی نہ کی۔ قبیلہ بنوبکر نے قبیلہ بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا اور مشرکین مکہ نے ان کو اسلحہ بھی دیا اور بندے بھی دیے، مال بھی دیا اور بنوخزاعہ کے بہت سارے آدمی مار دیے۔ آپ ﷺ نے احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ تم نے بنوبکر کی مدد کر کے معاہدے کی

خلاف ورزی کی ہے لہٰذا یا تو مقتولوں کا بدلہ (خون بہا) دو یا پھر معاہدہ ختم سمجھو۔ کافروں نے کہا کہ معاہدہ ختم ہی سمجھو ہم نے معاہدے کی پابندی نہیں کرنی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے ہماری طرف سے بھی معاہدہ ٹوٹا ہوا سمجھو۔ اس دوران کافی باتیں ہوئیں کافروں نے ابوسفیان کو جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے بھیجا پوچا پھیرنے کے لیے لیکن وہ کوئی تسلی بخش بات نہ کر سکے۔ بس صلح کا اتنا فائدہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھیوں کو آنے جانے کا موقع مل گیا۔

شاہانِ عالم کے نام خطوط :

اور اسی زمانے میں آپ ﷺ نے بادشاہوں کو دعوت نامے بھی بھیجے۔ ایک دعوت نامہ دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ہرقل روم کی طرف بھیجا جو روم کا بادشاہ تھا۔ یہ ان دنوں بیت المقدس آیا ہوا تھا۔ اس زمانے میں بیت المقدس کو ایلیاء کہتے تھے۔ کتابوں میں جو ایلیاء کا لفظ آئے گا تو اس سے مراد بیت المقدس ہی ہوگا۔ اب ایلیاء وہاں کا ایک محلہ سمجھو یا قصبہ سمجھو جو چھوٹا سا ہو کر رہ گیا ہے۔ درمیان میں تھوڑی سی مسافت ہے۔

شاہِ روم کو دعوت نامہ :

ہجرت کے چھٹے سال جب ہرقل روم کے پاس آپ ﷺ کا دعوت نامہ پہنچا تو اس نے کہا کہ مکہ کے کچھ تاجر یہاں آئے ہوئے ہیں میں ان کو ملنا چاہتا ہوں۔ ان تاجروں میں ابوسفیان بھی تھے۔ جب تاجر آ گئے تو بخاری شریف کی روایت ہے کہ ہرقل روم نے سوال کیا: اَيُّكُمْ اَقْرَبُ مِنْهُ نَسَبًا میرے پاس ایک شخص

کا خط آیا ہے جو ابھی کھولا نہیں ہے اس پر مہر لگی ہوئی ہے محمد رسول اللہ ﷺ۔ میں اس شخص کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں تم میں سے نسب کے لحاظ سے اس سے زیادہ قریبی کون ہے؟

ہرقل اور ابوسفیان کا مکالمہ :

ابوسفیان نے کہا میں قریبی ہوں دو وجہ سے۔ایک تو یہ ہے کہ میں برادری کے اعتبار سے چچا لگتا ہوں سگا نہیں۔ اور دوسرا یہ کہ وہ میرا داماد ہے۔ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا جن کا نام رَملہ تھا آپ ﷺ کے نکاح میں آچکی تھیں۔ ہرَقل روم نے کہا کہ ان کو میرے سامنے کرسی پر بٹھاؤ اور ان کے دائیں بائیں ترجمان بٹھادیے اور باقیوں سے کہا کہ تم ان کے پیچھے بیٹھ جاؤ جو مکہ سے ان کے ساتھ آئے ہوئے ہو۔ ترجمان کے ذریعے ہرَقل روم نے کہا کہ میں اس سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں اگر یہ جھوٹ بولے تو تمھارا فریضہ ہوگا کہ اس کے جھوٹ کو جھوٹ کہنا۔

❀ ہرَقل روم نے پہلا سوال کیا: كَيْفَ فِيْكُمْ نَسَبًا میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے وہ نسب کے اعتبار سے تم میں کیسا ہے؟ خاندان کیسا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: هُوَ فِيْنَا ذُوْ نَسَبٍ "نسب کے لحاظ سے وہ ہم میں اُونچے خاندان کا ہے۔"

❀ دوسرا سوال یہ کیا کہ اس کے باپ دادا میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں بادشاہ کوئی نہیں گزرا۔

❀ تیسرا سوال یہ کیا کہ ایسی بات (نبوت کا دعویٰ) اس کے باپ دادا میں سے

کسی نے کہی ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ اس کے باپ دادا نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔

❀ چوتھا سوال یہ بتلاؤ کہ اس کے پیروکار بڑے (امیر) لوگ ہیں یا غریب ہیں؟ اَشْرَافُهُمْ اَمْ ضُعَفَاءُ؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ امیر لوگ کم ہیں اور غریب لوگ زیادہ ہیں۔

❀ پانچواں سوال کہ اس نے کبھی جھوٹ بھی بولا ہے؟ ابوسفیان نے کہا نہیں اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ یاد رکھنا! یہ ہجرت کا چھٹا سال تھا۔ تو انیس سال نبوت کے اور چالیس سال پہلے، ایک سال کم ساٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور ابوسفیان اُس وقت سب سے بڑا دشمن تھا۔ سب سے بڑے دشمن نے کہا ہرقل کے سامنے کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

❀ چھٹا سوال کہ یہ بتلاؤ تمھارے ساتھ کبھی وعدہ کر کے غداری بھی کی ہے؟ ابوسفیان نے کہا آج تک تو اس نے ہمارے ساتھ کوئی غداری نہیں کی۔ اب اس نے ہمارے ساتھ ایک معاہدہ کیا ہے معلوم نہیں کہ نبھاتے ہیں یا نہیں۔

❀ ساتواں سوال کہ کوئی شخص اس کے دین سے بیزار ہو کر پھرا بھی ہے، مرتد بھی ہوا ہے؟ قَالَ لَا ابوسفیان نے کہا نہیں۔ یاد رکھنا! مکہ مکرمہ میں جو مومن تھے ان میں سے ایک شخص بھی مرتد نہیں ہوا۔

❀ آٹھواں سوال یہ کیا کہ تمھاری اس کے ساتھ کوئی لڑائی بھی ہوئی ہے؟ کہنے لگا ہاں لڑائی بھی ہوئی ہے۔ کیا نتیجہ رہا؟ کہنے لگا کبھی وہ غالب آجاتا ہے کبھی ہم غالب آجاتے ہیں۔

پھر ہرقل روم نے کہا کہ وہ تمھیں کس چیز کا حکم دیتا ہے؟ کہنے لگا وہ حکم دیتا

ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز پڑھو، سچ بولو، پاک دامن رہو، غریبوں کے ساتھ ہمدردی کرو۔ ہرقل روم نے جوابات سننے کے بعد کہا کہ اب میرا نتیجہ بھی سن لو۔ میں نے پوچھا تھا کہ اس کا نسب کیسا ہے؟ تم نے کہا کہ وہ بلند نسب والا ہے فَكَذٰلِكَ الْاَنْبِيَاءُ اللہ تعالیٰ نے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں وہ تمام نسب کے لحاظ سے بلند تھے۔ اگر اس کے باپ دادا نے کوئی ایسی بات کہی ہوتی تو میں سمجھتا کہ یہ باپ دادا کی نقل اُتارتا ہے۔ مگر تم نے کہا کہ باپ دادا نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ میں نے پوچھا کہ اس کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ تم نے کہا نہیں۔ اگر بادشاہ گزرا ہوتا تو میں سمجھتا کہ بادشاہی لینے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ اور تم نے کہا کہ اس کے بڑوں میں بادشاہ بھی کوئی نہیں گزرا۔

میں نے پوچھا کہ اس نے کبھی جھوٹ بھی بولا ہے؟ تم نے کہا نہیں۔ تو جب بندوں کے ساتھ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تو میں کیسے سمجھوں کہ وہ خدا پر جھوٹ بولتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ اس نے کبھی غداری بھی کی ہے؟ تم نے کہا نہیں کی وَكَذٰلِكَ الْاَنْبِيَاءُ لَا تَغْدِرُ "اسی طرح اللہ کے پیغمبر غداری نہیں کرتے۔" پھر میں نے پوچھا کہ لڑائی کیسی رہی؟ تو تم نے کہا کہ کبھی وہ غالب آتے ہیں کبھی ہم۔ ہرقل نے کہا کہ ایسا ہی ہوتا ہے جب حق اور باطل کی ٹکر ہوتی ہے کبھی وہ غالب آتے ہیں اور کبھی وہ۔ لیکن بالآخر انجام پیغمبروں کے حق میں ہوتا ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ وہ حکم کیا کرتا ہے؟ تو تم نے کہا کہ وہ حکم کرتا ہے عبادت اللہ تعالیٰ کی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز پڑھو۔ پھر تم نے کہا کہ کوئی شخص دین سے نہیں پھرا تو ایمان جب دل میں آجاتا ہے تو پھر نکلتا نہیں ہے۔

لٰہذا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جو باتیں میں نے پوچھی ہیں اگر صحیح ہیں تو یاد رکھو! وہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہے فَسَيَمْلِكُ موضع قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ "عنقریب وہ مالک ہوگا اس جگہ کا جہاں میرے دونوں قدم ہیں لَوْ كُنْتُ عِنْدَهَا لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمَيْهِ اگر میں اس کے پاس ہوتا تو میں اپنے ہاتھوں سے اس کے پاؤں دھوتا۔ یہ ہرقل روم کے الفاظ ہیں بخاری شریف میں۔"

شاہ مُقوقس کے نام خط :

ایک دعوت نامہ آپ ﷺ نے بادشاہ مُقوقس کے پاس بھی بھیجا۔ خسرو پرویز کے پاس بھی گیا۔ کاسانیہ کے پاس بھی گیا، غسّانیہ کے پاس بھی دعوت نامہ گیا۔ مختلف قسم کے دعوت نامے بھیجے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین فرمایا۔ حدیبیہ کے بعد آمد ورفت طرفین سے شروع ہوگئی۔ قریب سے مسلمانوں کو دیکھا کہ وہ لوگ جب کافر ہوتے تھے تو بڑے بخیل اور خودغرض اور جس وقت اسلام قبول کیا تو بڑے سخی اور دوسروں کے ہمدرد، نگاہیں پاک، دل پاک۔ ان کے اخلاق دیکھ کر متاثر ہوتے اور مسلمان ہوجاتے۔ اس لیے رب تعالیٰ نے اس کو فتح مبین کے ساتھ تعبیر فرمایا۔

جشن آزادی اور مسلم قوم کی زبوں حالی :

آج ملک میں آزادی کا دن منایا جا رہا ہے اور ہمیں آزاد ہوئے تقریباً پینتیس، چھتیس [۳۵،۳۶] سال ہوگئے ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں یہ پہلا ملک ہے جو صرف اسلام کی خاطر لیا گیا ہے۔ دنیا میں کوئی اور ملک نہیں ہے جو اسلام کی خاطر لیا

گیا ہو۔مگر افسوس ہے کہ آج تک جتنے حکمران آئے ہیں اور باتیں ہو رہی ہیں مگر اسلام کو پیچھے کرتے گئے ہیں۔اگر ان کی نیت صحیح ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پاکستان اسلام کا گہوارہ ہوتا۔اور اگر اسلام صحیح معنٰی میں داخل ہو جاتا تو تم دیکھتے کہ غیر مسلم خود اسلام میں داخل ہونے پر مجبور ہوتے۔آج ہندوستان کے دیہات میں لوگ اسلام کی خوبیاں کتابوں میں دیکھ کر اسلام کے حلقے میں داخل ہو رہے ہیں۔ حالاں کہ وہاں کافروں کی حکومت ہے۔اور ہمارے عوام بدعملی میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج تک اسلام صحیح معنٰی میں داخل نہیں ہوا۔اللہ تعالیٰ کرے کہ وہ وقت آئے کہ یہاں اسلام نافذ ہو۔پھر اسلام کی برکات دیکھنا کیا ہیں۔اللہ کرے حکمران اپنا وعدہ پورا کریں۔(اب تو الیکشن میں اسلام کی بات بھی کوئی نہیں کرتا سوائے جمیعت کے۔مرتب) رب تعالیٰ ان کو وعدہ پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اور اصل بات یہ ہے کہ سب کچھ اس لیے ہے کہ سب سمجھ دار لوگ جانتے ہیں کہ آج نہ سہی کل سہی، پرسوں سہی جنگ تمھارے دلوں پر اس طرح کھڑی ہے کہ ابھی ہوئی۔لیکن جب تک تم وحدتِ ملت کا ثبوت نہیں دوگے تو یقین جانو! تمھیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔اور وحدتِ ملت اس وقت ہوگی جب صحیح معنٰی میں مسلمان ہوگے۔ اور جب صحیح معنٰی میں مسلمان ہوگے تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اُتریں گی، اللہ تعالیٰ کی نصرت آئے گی۔اور اگر ایسا نہیں ہوگا تو پھر شیخ چلی کا پلاؤ ہے جو مرضی ہم کرلیں۔

جمعہ کے بعد اخلاص کے ساتھ دعا کرنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنٰی میں مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔مختلف لوگوں نے پروگرام تشکیل دیے ہیں۔جمیعۃ علمائے اسلام نے جمعہ کی نماز کے بعد ساتھ والے سکول میں پروگرام رکھا ہے۔

آزادی کا جو صحیح مقصد ہے اس سے آگاہ کریں گے۔ اخلاص کے ساتھ دعا کرنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو ہر طرح کے شر سے محفوظ رکھے اور بچائے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمان ملکوں کو اور تمام مسلمانوں کو اتفاق، اتحاد کی دولت نصیب فرمائے اور اللہ تعالیٰ کافروں کے شر سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ مجاہدینِ اسلام کو کامیابی اور کامرانی نصیب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ اس ملک میں جلد از جلد اسلامی نظام نصیب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ بیماروں کو صحتِ کاملہ نصیب فرمائے۔ جو مسلمان آج تک وفات پا چکے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرمائے۔

مسلمانوں کے لیے دعا:

چودھری محمد امین مرحوم اور صوفی برکت اللہ کی مغفرت کے لیے دعا کرو اللہ تعالیٰ ان پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی پریشانیاں دور فرمائے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمان ملکوں اور تمام مسلمانوں کو جہاد کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ جب تک جہاد کی طرف نہیں آئیں گے اللہ تعالیٰ کی امداد اور نصرت شاملِ حال نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بے اولادوں کو اولاد نصیب فرمائے اور جن کو اولاد عطا فرمائی ہے ان کو نیک اور دین دار بنائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے صغیرہ کبیرہ گناہ معاف فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہماری ٹوٹی پھوٹی نیکیوں کو قبول فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو ہر فتنے اور شر سے بچائے اور محفوظ رکھے۔

وآخر دعوٰنا أن الحمدُ لله رب العٰلمين۔

معراج النبی ﷺ

اندھیری شب میں مجھے کہکشاں نے دکھلایا
وہ راستہ ترے قدموں نے جس کو سہلایا

خطبہ مسنونہ کے بعد۔۔۔امابعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝۱

[سورۃ بنی اسرائیل، آیت:۱؛ پارہ:۱۵]

یہودی مولوی کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں آنا:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مجلس میں تشریف فرما تھے اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی بیٹھے تھے کہ یہودیوں کا ایک عالم دور سے چلتا ہوا نظر آیا۔ یہودیوں کے مولوی کو جب لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آتے دیکھا تو جو لوگ وہاں موجود تھے سنبھل کے بیٹھ گئے اور جو اُٹھنے کا ارادہ رکھتے تھے اُنھوں نے ارادہ ملتوی کر دیا اور جو باہر کھڑے تھے یا چل پھر رہے تھے وہ بھی مجلس میں آکر بیٹھ گئے کہ یہودیوں کا مولوی ہے لازمی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی علمی گفتگو کرے گا ہم سنیں گے کہ کیا کہتا ہے۔ اس زمانے میں دین کا بڑا ذوق وشوق ہوتا تھا۔ لوگ سمجھ گئے کہ یہ چھیڑ خانی کے لیے آیا ہے۔ اس نے آکر اپنے انداز میں سلام کیا۔

یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف، قرآن کے خلاف، اسلام کے خلاف بہت زیادہ جذبات رکھتے تھے۔ اور عموماً یہودی ان الفاظ

کے ساتھ سلام کرتے تھے السَّامُ علیکم۔ عدم توجہ کی وجہ سے آدمی نہیں سمجھ سکتا کہ السلام علیکم کہا یا السَّامُ علیکم کہا۔ اس نے بڑی جلدی سے السَّامُ عَلَیْکم کہا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سن رہی تھیں وہ سمجھ گئیں اور پس پردہ کہا: عَلَیْكَ السَّام و اللَّعنہ "تجھ پر موت پڑے اور لعنت۔" السلام علیکم کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجھ پر سلامتی نازل ہو۔ یہ دعا ہے جو ہم ایک دوسرے کو دیتے ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس نیکیاں بھی ملتی ہیں۔ ابتداءً سلام کہنا سنت ہے اور جواب دینا واجب ہے۔ اگر کوئی شخص سلام سن کر جواب نہیں دیتا تو گناہ گار ہے۔ اور اگر کوئی اپنے مسلمان بھائی کے پاس سے گزرتا ہے اور سلام نہیں کرتا تو وہ تارک سنت ہے اور قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی بتلائی گئی ہے کہ لوگ اس کو سلام کریں گے جس کو پہچانتے ہوں گے اور جس کو نہیں پہچانتے ہوں گے اس کے پاس سے گزر جائیں گے سلام نہیں کریں گے۔ تو السلام علیکم کا معنیٰ ہے تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی نازل ہو اور السّامُ علیک کا معنیٰ ہے تجھ پر موت پڑے، جب لام کے بغیر ہو۔

تو اس نے جلدی سے کہا السّامُ علیكَ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سن رہی تھیں اُنھوں نے کہا: عَلَیْكَ السَّام و اللَّعنہ "تجھ پر موت پڑے اور لعنت۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہودی کا جملہ سُن لیا تھا مگر جتنا ظرف بڑا ہوتا ہے اتنا حوصلہ بڑا ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا معقول جواب دیا عَلَیْكَ "تجھ پر موت پڑے۔" جب یہودی چلا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ! تم بڑے غصے

میں تھی۔ کہنے لگی حضرت! اَلَمْ تَسْمَعْ "آپ نے سنا نہیں اس نے کیا کہا؟" فرمایا تم نے نہیں سنا کہ میں نے کیا جواب دیا؟ اس نے کہا اَلسَّامُ عَلَيْكَ میں نے کہا عَلَيْكَ۔ جتنا اُس نے کہا میں نے اتنا جواب دے دیا۔ اس سے زیادہ کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ کہ تجھ پر لعنت اور غضب ہو۔

علمائے کرام اور اساتذہ کرام کہتے ہیں اگر کوئی نادان کسی کو گالی نکالے تو پہلی بات یہ ہے کہ حوصلے سے کام لے اور اس کو گالی کا جواب نہ دے۔ اس نے اپنی زبان کو پلید کیا ہے تم اپنی زبان کو کیوں پلید کرتے ہو۔ اور اگر اتنا حوصلہ نہیں ہے تو اس کو گالی کا جواب گالی سے نہ دے بلکہ کہے جو تم مجھے کہتے ہو تم ایسے ہی ہو۔ کیوں کہ زبان سے بُرا لفظ نکالنے سے زبان ایسے پلید ہو جاتی ہے جیسے پیشاب پاخانہ لگنے سے کپڑا پلید ہو جاتا ہے۔ مگر ہم لوگ چوں کہ گالیوں کے عادی ہو چکے ہیں اس لیے کوئی پلیدی نظر نہیں آتی۔ خیر

اَلشَّیْءُ یُذْکَرُ بِالشَّیْءِ

"بات سے بات نکلتی ہے۔"

زمین کا بہترین اور بدترین ٹکڑا :

اس یہودی عالم نے جو بھی کہا بڑی جلدی سے بیٹھ گیا اور کہنے لگا آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا ہے اور مسئلے کی دو شقیں ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا پوچھو۔ کہنے لگا پہلی شق یہ ہے کہ اَیُّ الْبُقَاعِ فِی الْاَرْضِ بِخَیْرٍ "زمین کے ٹکڑوں میں سب سے بہتر ٹکڑا کون سا ہے؟" اور دوسری شق یہ ہے کہ اَیُّ الْبُقَاعِ

فِي الْأَرْضِ بِشَرٌ "زمین کے ٹکڑوں میں سے بدترین ٹکڑا کون سا ہے؟" حضرت جبرئیل علیہ السلام پہلے سے وحی کے سلسلے میں آئے ہوئے تھے۔ لوگوں کو نظر نہیں آتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف توجہ فرمائی کہ ان سوالوں کے جوابات کیا ہیں؟ تو جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ "جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں مجھے بھی معلوم نہیں ہیں۔" رب تعالیٰ سے پوچھ کر بتلا سکتا ہوں۔ جبرئیل علیہ السلام کو آنے جانے کے لیے کوئی زیادہ وقت نہیں چاہیے۔ وہ ایک لمحے میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آجا سکتے ہیں۔

مجلس جمی ہوئی ہے سب منتظر ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جواب دیتے ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ جب سے میں پیدا ہوا ہوں اس وقت سے لے کر آج تک مجھے اللہ تعالیٰ کا اتنا قرب حاصل نہیں ہوا جتنا اس دفعہ حاصل ہوا ہے۔ میرے درمیان اور پروردگار کے درمیان اس دفعہ ستر ہزار پردہ نور کا باقی رہ گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ زمین کے ٹکڑوں میں سے سب سے بہترین ٹکڑا مَسَاجِدُهَا مسجدیں ہیں اور زمین کے ٹکڑوں میں سے سب سے بدترین ٹکڑا أَسْوَاقُهَا بازار ہیں۔ بازار میں جائز چیزیں بھی بکتی ہیں اور ناجائز بھی، حلال بھی، حرام بھی، ہیرا پھیری بھی ہوتی ہے، کمی بیشی بھی ہوتی ہے۔ بڑا کچھ ہوتا ہے۔

عیاں راچہ بیاں

اس کے لیے کسی دلیل کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہودی جواب سن کر مطمئن ہو کر چلا گیا کہ زمین کے ٹکڑوں میں سب سے بہتر ٹکڑا مسجدیں ہیں اور تمام مسجدوں میں مسجد حرام کا رتبہ اور شان سب سے زیادہ ہے۔

چار فضیلت والی مسجدیں :

یہی وجہ ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نماز کا ثواب ہے۔ لیکن یاد رکھنا! وہ نماز جو جماعت کے ساتھ پڑھے گا۔ مسلم شریف کی روایت ہے۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ نفلی نماز کا ثواب گھر میں زیادہ ہے مسجد حرام سے۔

مسجد حرام کے بعد مسجد نبوی ہے، مسجد اقصیٰ ہے، مسجد قبا ہے۔ یہ چاروں مسجدیں دنیا میں اُونچے رتبے اور شان والی ہیں۔

معراجِ مصطفیٰ ﷺ :

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی کو معراج کرایا تو اس کی ابتداء مسجدِ حرام سے کرائی۔ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا "پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک۔" لفظ سبحان سے شروع فرمایا۔ محاورے میں یہ بات بھی ہے کہ جب کوئی عجیب اور نرالی بات ہو تو کہتے ہیں سبحان اللہ! اس سے اندازہ لگاؤ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو سبحان اللہ سے شروع کریں گے تو وہ کوئی معمولی بات تو نہیں ہوگی۔ اگر جملہ اس طرح ہوتا اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ کہ اللہ کا بندہ رات کو خود چل پڑا۔ اس کا مفہوم اور ہے۔ اس کا مفہوم ہوتا کہ وہ اپنی قوت کے بل بوتے پر گیا۔ رب تعالیٰ نے معاملہ صاف کر دیا سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ "پاک ہے وہ ذات جو اپنے

بندے کو لے گئی۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج جسمانی تھا :

اگر رب تعالیٰ کی قدرت اور طاقت کو تسلیم کرتے ہو تو یقین جانو! معراج جسمانی کے ماننے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اور جس کا رب تعالیٰ کی ذات اقدس پر صحیح ایمان نہیں ہے تو پھر کچھ بھی نہیں ہے۔ تو رب تعالیٰ نے لفظ سبحان سے شروع فرما کر بات کی اہمیت بتلائی کہ بڑی اہم بات ہے۔ آپ خود نہیں گئے بلکہ وہ ذات پاک اپنے بندے کو لے گئی راتوں رات۔ پھر بِعَبْدِہٖ فرمایا بِرُوْحِ عَبْدِہٖ نہیں فرمایا کہ "پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کی روح کو سیر کرائی۔" تو پھر مطلب ہوتا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کی روح کو سیر کرائی۔ تو پھر واقعہ معراج روحانی ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو منظر دکھایا۔ جیسے ہم خواب کے ذریعے بہت کچھ دیکھتے ہیں۔ کبھی ہمیں بادشاہی حاصل ہوتی ہے، کبھی کوٹھیاں ہوتی ہیں وغیرہ۔ لیکن رب تعالیٰ نے بعبدہ فرمایا۔ عبد کا لفظ روح اور جسم دونوں کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے۔

مقامِ عبدیت :

اور یہ بات بھی سمجھائی کہ رب تعالیٰ نے عجائبات سفر اور اس میں جو فضیلت عطا فرمائی ہے اس سے وہ عبدیت سے نہیں نکلے باوجود اتنا بڑا اشرف اور فضل ہونے کے وہ عبد ہی ہیں اور جب بلندی پر پہنچے عالم امر میں اس کے متعلق بھی رب تعالیٰ فرماتے ہیں فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی "پس وحی کی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی

طرف جو وحی کی۔" یہاں بھی عبدیت کے ساتھ متصف ہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ، جنت کی سیر کر کے، دوزخ کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہو کر بڑے بڑے دلکش نظارے دیکھ کر بھی عبد ہی ہیں۔ اور نمازوں کا جو تحفہ لے کر آئے تو اس میں التحیات بھی ہے جس میں یہ کلمات بھی ہیں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ جاتے ہوئے بھی عبد اور بلندیوں پر پہنچ کر بھی عبد۔ جب واپس تشریف لائے تو بھی عبد۔ کیا اس عجیب وغریب واقعہ سے یہ بات نکلتی ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ الوہیت کے درجے کو پہنچ گئے، الٰہ بن گئے؟ حاشا وکلّا عبدیت آپ سے سلب نہیں ہوئی۔

تو فرمایا پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو راتو رات۔ بعض لوگوں نے قصے بنائے ہوئے ہیں کہ اٹھارہ ہزار سال کی لمبی رات تھی۔ یاد رکھنا! یہ نری خرافات ہیں۔ قرآن پاک کی نصِ قطعی بتلا رہی ہے کہ صرف ایک رات تھی۔ اگر واقعہ معراج گرمی کے موسم میں پیش آیا ہے تو گرمیوں کی رات چھوٹی ہوتی ہے۔ اگر سردی کے زمانے میں پیش آیا ہے تو سردیوں کی رات لمبی ہوتی ہے۔ اگر گرمی سردی کے درمیان کا واقعہ ہے تو رات درمیانی ہوگی، نہ لمبی نہ چھوٹی۔ لیکن رات ایک ہی ہے۔ نہ وہ ہزار سال کی ہے اور نہ اٹھارہ ہزار سال کی ہے۔

مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کا تعمیری وقفہ :

اور معراج کی ابتداء ہوئی مسجد حرام سے اور پہنچایا مسجد اقصیٰ۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ حضرت! یہ بتلائیں کہ زمین پر سب سے اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر کون سا بنایا گیا؟ فرمایا سب سے پہلا

گھر بیت اللہ بنایا گیا اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ [آل عمران:۹۶] مسجد حرام سے پہلے کوئی مسجد نہیں بنی۔ بیت اللہ کی تعمیر آدم نے فرشتوں کی معاونت کے ساتھ کی۔ پھر پوچھا گیا حضرت! اس کے بعد کون سی مسجد بنی۔ فرمایا مسجدِ اقصیٰ۔ حضرت! کم بینھما ان دونوں کے درمیان کتنا وقفہ ہے؟ قال فرمایا اَرۡبَعُوۡنَ سَنَۃً چالیس سال کا۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ پھر اس کے بعد بڑے بڑے خلا آئے ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی۔ اس کے بعد پھر تسلسل ختم نہیں ہوا۔

امامتِ انبیاء :

تو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے جایا گیا۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغمبروں کو نماز پڑھائی لیکن اس میں اختلاف ہے کہ نماز جاتے ہوئے پڑھائی یا واپسی پر پڑھائی۔ علمائے کرام، محدثین عظام، فقہائے کرام اور بزرگانِ دین رحمہم اللہ تعالیٰ کا ایک طبقہ کہتا ہے جاتے ہوئے نماز پڑھائی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھی ہے۔ پہلے آسمان پر گئے، پھر دوسرے پر، پھر تیسرے پر، پھر چوتھے پر، پھر پانچویں پر، پھر چھٹے پر، پھر ساتویں پر، پھر سدرۃ المنتہیٰ، پھر جنت کی سیر، دوزخ کا ملاحظہ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین تحفے لے کر آئے۔ پہلے نمازیں پچاس تھیں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے تجربے سے مشورہ دیا آخر میں پانچ رہ گئیں۔

سورۃ البقرہ کی آخری آیات جبرئیل علیہ السلام کی وساطت کے بغیر ملیں اور یہ

بشارت بھی ملی کہ آپ کی اُمت میں جو شخص اس حالت میں فوت ہوا کہ اس نے میرے ساتھ شرک نہیں کیا تو اس کی مغفرت ہوگی۔ پہلے مرحلے میں ہو جائے یا کچھ سزا بھگت کر پھر جنت میں چلا جائے۔ بہرحال موحد کی بخشش کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کا اجتماع مع الاجساد والارواح :

یہ تحفے لے کر جب مسجد اقصیٰ میں پہنچے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو وہاں جمع فرمایا۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا انبیائے کرام علیہم السلام ارواح مع الاجساد تشریف لائے یا ارواح کو دوسرے اجساد میں لایا گیا۔ فتح الباری، عمدۃ القاری، بخاری شریف کی مستند شرحیں ہیں۔ ان میں ایک بات یہ نقل کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روح اور جسم دونوں کے ساتھ موجود تھے اور عیسیٰ علیہ السلام بھی روح اور جسم دونوں کے ساتھ موجود تھے کہ وہ بھی زندہ ہیں۔ باقی پیغمبر دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں اَرْوَاحُهُمْ تَشَكَّلَتْ بِأَجْسَادِهِمْ "ان کی ارواح کو جسمانی شکل دی گئی۔" ایک قول یہ ہے۔

دوسرا قول بھی فتح الباری، عمدۃ القاری وغیرہ میں ہے کہ یہ دو ہستیاں تو زندہ تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اور باقی پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز و اکرام اور تکریم کی خاطر جسم سمیت مسجد اقصیٰ میں پہنچایا۔

احیائے موتیٰ کے چند واقعات :

اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی شے بعید نہیں ہے، وہ قادرِ مطلق ہے۔ وہ عام مردوں کو زندہ کرسکتا ہے۔ قرآن پاک کے ابتدائی پاروں میں چند واقعات کا ذکر ہے۔

❀ ایک واقعہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب تورات لے کر آئے تو قوم نے کہا کہ یہ کتاب تو بڑی سخت ہے اللہ تعالیٰ سے درخواست کرو کہ ہمیں کوئی نرم سی کتاب مل جائے یا اس میں ترمیم ہو جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے آزادانہ زندگی بسر کی ہے اس لیے تمھیں قانون کی پابندی سخت لگ رہی ہے۔ عموماً آزاد آدمی پر جب پابندی لگتی ہے تو گھبرا جاتا ہے کچھ دن عمل کرو گے، پابندی کرو گے عادت بن جائے گی۔ یہی کام جو تمھیں مشکل نظر آرہے ہیں آسان اور سہل نظر آئیں گے۔ کہنے لگے نہیں! اللہ تعالیٰ کے سامنے درخواست پیش کرنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اچھا میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوں گا تو درخواست پیش کروں گا۔

درخواست منظور ہوگئی وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا [الاعراف:۱۵۵] "چنے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر آدمی ہمارے مقرر کردہ وقت کے لیے۔" یہ ستر آدمی گئے۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوئے۔ ان لوگوں نے اپنے کانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کلام سنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں علیم ہوں، خبیر ہوں، حکیم ہوں، میں سمجھتا ہوں، جانتا ہوں تورات کے احکام ان کی آنے والی نسلوں کے لیے بہت موزوں ہیں۔ کچھ عرصہ عمل کریں گے سب اعمال آسان ہو

جائیں گے۔ اگر بمقتضائے بشریت کوئی غلطی ہوئی تو میں غفور رحیم ہوں۔

کہنے لگے لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ہمیں کیا علم ہے کہ جن بول رہا ہے، فرشتہ بول رہا ہے یا رب بول رہا ہے۔ ہم اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے نہ دیکھ لیں فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ [بقرہ:۵۵] ان پر آسمان سے بجلی گری ستر کے ستر مارے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار! اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ [الاعراف:۱۵۵] یہ آپ کا امتحان ہے میں ان کو اپنے ساتھ تائید اور تسلیم کے لیے لایا تھا کہ یہ میری تصدیق کریں گے۔ اب میں قوم کو جا کر کیا کہوں گا کہ وہ ستر نمائندے کہاں ہیں؟ پروردگار! آپ قادر مطلق ہیں ان بے وقوفوں کو زندہ کریں۔ قرآن پاک کے پہلے پارے میں ہے ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ [البقرہ:۵۶] "پھر اُٹھایا ہم نے تم کو تمھارے مرنے کے بعد۔"

❀ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں عامیل نامی ایک شخص تھا بڑا مال دار اور تھا بے اولاد۔ اس کے چچازاد بھائی بڑے غریب تھے۔ انھوں نے کہا بھائی جان! اور ایک روایت میں ہے کہ بھتیجے تھے، تو اُنھوں نے کہا چچا جان! تمھارے پاس مال کافی ہے اور تمھارا وارث ہے کوئی نہیں ہم بھتیجے ہی تمھارے وارث ہیں تمھارے مرنے کے بعد ہم ہی نے کھانا ہے لہٰذا ہم بھوکے مر رہے ہیں ہماری مدد کرو۔ لیکن چچا بڑا کنجوس تھا کہنے لگا بھاگ جاؤ یہاں سے کماؤ اور کھاؤ۔

اُنھوں نے جا کر مشورہ کیا کہ چچا سیدھے ہاتھ سے دینے کے لیے تیار نہیں ہے لہٰذا اس طرح کرو کہ اس کا گلا دباؤ وارث ہم ہی ہیں۔ چنانچہ اس کو قتل کرنے کے

بعد موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے حضرت! ہمارے چچا کو کسی نے قتل کر دیا ہے ہماری داد رسی ہونی چاہیے۔ ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ پھندا ہمارے ہی گلے میں پڑے گا۔ ان کے ذہن میں یہ تھا کہ چوں کہ ہم مدعی ہیں ہم سے بات ٹل جائے گی، بات آئی گئی ہو جائے گی۔ آخر میں کہیں گے مر گیا ہے اللہ تعالیٰ اُسے بخشے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ ان کو کہو گائے کو ذبح کر کے اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا گائے کے بعض حصے کو مثلاً: زبان کاٹ کر مقتول پر مارو وہ زندہ ہو کر بتلا دے گا کہ میرا قاتل کون ہے؟ طویل قصہ ہے بہر حال گائے ذبح کر کے زبان اس پر ماری گئی تو زندہ ہو کر اس نے بتلایا کہ میرے قاتل یہی ہیں۔ گفتگو پوری کر کے پھر مر گیا۔ اب یہ واقعہ قرآن پاک میں ہے۔

❀ تیسرا واقعہ خزقیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔ یہ انبیائے بنی اسرائیل میں سے تھے علیٰ جمیعھم وعلیٰ نبینا الصلوٰت والتسلیمات۔ ایک موقع پر اللہ کے نبی نے فرمایا کہ ہم نے عمالقہ قوم کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔ جہاد کا لفظ سن کر ڈر گئے اور بھاگ کر جنگلات میں چلے گئے کہ جہاد کے لیے گئے تو مر جائیں گے۔ یہ کتنے تھے؟ چار ہزار بھی لکھے ہیں، دس ہزار بھی لکھے ہیں، تیس ہزار اور چالیس ہزار بھی لکھے ہیں۔ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا جہاں جا کر ڈیرا لگایا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو وہیں مار دیا۔

موت وحیات کا مالک اللہ ہے :

بھئی! موت وحیات اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ لڑنے

والا مرتا نہیں اور نہ لڑنے والا مر جاتا ہے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی موت کا وقت تھا رو رو کر اُنھوں نے اپنی ڈاڑھی مبارک تر کر لی۔ لوگ آ کر کہتے حضرت! آپ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ اخلاص کے ساتھ ایمان قبول کیا اور آپ کے ہاتھوں پر بہت سارے لوگوں نے اسلام قبول کیا آپ فاتح شام ہو، آپ کی وجہ سے ہزاروں لوگوں کو کلمہ نصیب ہوا، روتے کیوں ہیں موت تو ہے ہی۔ فرمایا موت سے نہیں ڈرتا کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ [العنکبوت:۵۷] مرنا تو ہر ایک نے ہے۔ روتا صرف اس لیے ہوں کہ شہادت کی موت نصیب نہیں ہوئی۔ میرے سر سے لے کر پاؤں تک میرے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے کہ کافروں کے ہاتھ سے تیر، تلوار نیزے کا زخم نہ ہو۔ لیکن میری قسمت میں شہادت کی موت نہیں تھی۔

اور مدعم نامی ایک غلام تھا بڑا پھرتیلا، بڑا مستعد اور چالاک۔ قبیلہ بنوذُباب غلام تھا۔ اُنھوں نے مشورہ کیا کہ یہ غلام بڑا پھرتیلا ہے، کام بڑا کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیں۔ چنانچہ اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اس نے کلمہ پڑھ لیا مگر دل سے صاف نہیں تھا۔ خیبر کی لڑائی سے واپس آ رہے تھے راستے میں ایک باغ تھا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُونٹ کا کجاوہ اُتار رہا تھا کہ ناگہانی تیر آ کر لگا اور مر گیا۔ لوگوں نے کہا هَنِيْئًا لَهُ الشَّهَادَة اس کو شہادت مبارک ہو۔ کہ سفر میں ہے اور شہید ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا كَلَّا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری

جان ہے اس نے غنیمت کے مال میں سے ایک چادر چھپائی تھی وہ دوزخ کا شعلہ بن کر اس پر لپٹے گی۔ دیکھو! جس نے مرنا تھا سامان اُتارتے ہوئے مر گیا۔

خزقیل علیہ السلام کی قوم نے جہاد سے ڈر جنگل میں جاڈیرے لگائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہاں مار دیا۔ پھر ان کو اللہ تعالیٰ نے خزقیل علیہ السلام کی دعا سے زندہ کیا۔ پھر ان کے ہوش ٹھکانے آئے کہ کوئی بھاگ کر موت سے نہیں بچ سکتا لہٰذا بہتر ہے کہ بہادروں کی طرح جا کر لڑیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام کو کون سی نماز پڑھائی :

تو میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے کہ تمام پیغمبروں کو اجسام اور ارواح سمیت وہاں لایا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز و اکرام کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوں۔ یہ کون سی نماز تھی؟ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق فجر تھی۔

نمازِ فجر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اور اُمت کو تاخیر کرنے کا حکم :

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندھیرے میں فجر کی نماز پڑھتے تھے۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز بِغَلَسٍ اندھیرے میں پڑھتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ دوسری روایت کو بھی سمجھ لیں کیوں کہ بعض لوگ صرف اس حدیث کو پیش کرتے ہیں لیکن اس وقت کے ماحول کو نہیں سمجھتے کہ وجہ کیا تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نمازیں پڑھنے والے سب صحابہ کرام تھے۔ کوئی صحابی ایسا نہ تھا جو تہجد کے وقت اُٹھ کر تہجد نہ پڑھتا ہو۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

تہجد خواں تھے۔ کوئی بیمار ہے یا سفر میں ہے تو علیحدہ بات ہے۔ تھکاوٹ کی وجہ سے نیند کا غلبہ ہے یہ عذر ہے۔ لیکن دیدہ دانستہ ایک صحابی بھی ایسا نہیں تھا جو سحری کے وقت اُٹھ کر تہجد نہ پڑھتا ہو۔ تہجد سے فارغ ہوئے، تھوڑی دیر بعد فجر کی اذان ہوئی، سنتیں پڑھیں فوراً مسجد میں پہنچے۔ سب نمازی حاضر ہیں۔ اندھیرے میں نماز پڑھائی۔

ہم بھی رمضان المبارک میں اس حدیث پر عمل کرتے ہیں کہ لوگ سحری کھا کر فارغ ہوتے ہیں صبح صادق ہوئی سنتیں پڑھیں، دس منٹ بعد فوراً جماعت کھڑی ہو جاتی ہے۔ اب تم انصاف کے ساتھ بتلاؤ کہ ہم تم میں سے کتنے تہجد خواں ہیں اور کتنے نمازی ہیں۔ جو صبح صادق ہونے سے پہلے تہجد کے لیے اُٹھ کر اذان کے وقت بالکل تیار ہوتے ہیں۔ دو چار بوڑھے بابے ملیں گے اور کوئی نہیں۔ لہٰذا ایسوں کے لیے آنحضرت ﷺ نے حکم دیا: اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ "صبح کی نماز کو خوب روشن کر کے پڑھو کہ اس میں اجر زیادہ ہوگا۔" کیوں کہ جتنے نمازی زیادہ ہوں گے اجر زیادہ ہوگا۔ حدیث سمجھنے کے لیے بھی سمجھ چاہیے۔ اب کوئی کہے کہ حدیث ہے کہ آپ ﷺ اندھیرے نماز پڑھتے تھے۔ بھائی! عَلَی الراس والعین بے شک پڑھتے تھے لیکن یہ بھی دیکھو! کہ ان کے ساتھ کون پڑھتے تھے؟ وہ پڑھتے تھے جو تہجد خواں تھے۔ ہم تم تو سورج چڑھنے کے بعد اُٹھتے ہیں۔ ہمارے لیے یہ حدیث ہے اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ "صبح کی نماز خوب روشن کر کے پڑھو کہ اس میں اجر زیادہ ہے۔"

تو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ فجر کی نماز تھی جو آپ ﷺ نے

پڑھائی۔آپ ﷺ کی نماز فرض اور عیسیٰ علیہ السلام کی نماز بھی فرض، باقی پیغمبروں کی نماز نفلی تھی۔اس لیے کہ وہ دنیا کی تکلیفی زندگی سے گزر چکے ہیں۔ان کا آنا معجزے کے طور پر تھا۔یا یوں کہو کہ رب تعالیٰ نے ان پر بھی فرض کر دی تا کہ آپ ﷺ کا امام الانبیاء ہونے کا وصف برقرار رہے۔پہلی کتابوں میں آپ ﷺ کی صفت بیان ہوئی ہے کہ آپ ﷺ امام الانبیاء ہیں۔اگر آپ ﷺ نبیوں کی امامت نہ کراتے تو کہنے والے بد باطن کہہ سکتے تھے کہ آپ ﷺ نے نبیوں کو امامت تو کرائی نہیں امام الانبیاء کیسے بن گئے؟

حقیقت پسند اعتراض نہیں کر سکتے تھے۔وہ کہہ دیتے کہ امام الانبیاء کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ سب کے پیشوا ہیں، سب کے بزرگ ہیں، سب کے لیے قابلِ احترام ہیں۔لیکن سطحی ذہن والا چونکہ کہہ سکتا تھا کہ امام تو بنے نہیں امام الانبیاء کیسے بن گئے؟ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس صفت کو ثابت کرنے کے لیے آپ ﷺ کو مسجد اقصیٰ میں امامت کا مقام عطا فرمایا اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تا کہ آپ ﷺ کا یہ وصف برقرار رہے۔

قبلۂ اول پر یہود کا غاصبانہ قبضہ :

لیکن افسوس کہ وہ مسجد اقصیٰ جو مسلمانوں کا قبلہ رہا ہے اور سولہ، سترہ [۱۶ ، ۱۷] مہینے اس کی طرف چہرہ کر کے نمازیں پڑھی ہیں۔جس میں آنحضرت ﷺ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی ہے وہ مسجد اقصیٰ یہود کے قبضے میں ہے۔پچھلے دنوں مسجد اقصیٰ میں نمازیوں پر گولی چلائی گئی جس سے کئی

نمازی نماز پڑھتے ہوئے شہید ہوئے۔ یادرکھنا! جب تک طاقت کے مقابلے میں طاقت نہیں ہوگی زبانی کلامی ریزولیشنوں سے اور منت سماجت سے کچھ نہیں ہوگا۔ تمھارے سامنے روس کا مسئلہ ہے۔ اقوام متحدہ سلامتی کونسل اور تمام بین الاقوامی دنیا حتیٰ کہ کیمونسٹ ممالک نے بھی زوردیا کہ افغانستان سے فوجوں کو نکالو۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ کوئی احتجاج، کوئی اپیل، اس نے نہیں سُنی۔ پھر جب طاقت کا استعمال ہوا تو دُم دبا کر وہاں سے بھاگا۔

طاقت والا طاقت کی زبان سمجھتا ہے۔ کافروں کی جرأت کا سبب مسلمانوں کا انتشار ہے۔ انھوں نے دیکھا کہ ایران، عراق آپس میں لڑ رہے ہیں، عربوں کا آپس میں نفاق پیدا ہو چکا ہے اتفاق کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اور جو قدرے طاقت والا تھا اس کو امریکہ نے جکڑ لیا ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ دو آدمی لڑتے ہوں ایک طاقت ور ہو اور ایک کمزور ہو اور لوگ چاہتے ہوں کہ یہ طاقت ور کمزور کو نہ مارے تو ہوشیار آدمی اس طرح کرتے ہیں کہ طاقت ور کو پکڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "او یار جانے دے" اور اندر سے کمزور کو موقع دیتے ہیں کہ وہ خوب مکے برساتا ہے اور کہتے ہیں یار جانے دو اور کمزور کو سبق دیتے ہیں جیسے: بی، بی، سی [B,B,C] والے دنیا کو سبق دیتے ہیں کہ دوسروں کو خوب مارو۔

مصر میں تھوڑی سی طاقت تھی اس کو امریکہ نے جپھی ڈال دی (اپنا بنالیا) ہے اور باقی مسلمان منتشر ہیں۔ اس انتشار کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تین چار دنوں میں تقریباً دس ہزار بے گناہ مسلمان مارے گئے ہیں۔ عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان اور باقی آبادیوں سے لوگ دھڑا دھڑ نکل رہے ہیں۔ اب بھی اگر مسلمان نہ سمجھا تو پھر اس کا

کوئی علاج نہیں ہے۔ حالاں کہ تمام مسلمان ممالک کا فریضہ ہے کہ متحد ہو کر اسرائیل کا مقابلہ کریں۔ یقین جانو! آس پاس کے مسلمانوں کی آبادی ساڑھے بارہ کروڑ ہے اور تمام یہودی پچاس یا باون لاکھ ہیں اور دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے ہیں۔ اسرائیل کہتا ہے میرے وجود کو تسلیم کرو۔ کیسے تسلیم کریں وہ تو ناجائز قابض ہے۔

اس کی مثال اس طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ وہ وقت نہ لائے صرف سمجھانے کے لیے کہتا ہوں کہ ہمارے اوپر بھارت یا کوئی ظالم ملک حملہ کر کے ہمارے ملک میں داخل ہو جائے اور کہے کہ میرے وجود کو تسلیم کرو۔ بھائی! زمینیں ہماری ہیں، باغات ہمارے ہیں، کارخانے ہمارے ہیں، دکانیں ہماری ہیں، پاور لومیں ہماری ہیں، وہ ہمیں گھروں سے نکال کر کہیں کہ ہمارے وجود کو تسلیم کرو۔ بھائی! تمھارے وجود کو کیسے تسلیم کریں تمھارے باپ نے یہ مکانات بنائے ہیں، تمھارے دادے نے بنائے ہیں، یہ باغات تمھاری دادی نے لگائے ہیں، یہ کارخانے تمھاری نانی نے بنائے ہیں؟ تمھارے وجود کو کیسے تسلیم کریں؟

پندرہ، سولہ [۱۵، ۱۶] لاکھ سے زاید فلسطینیوں کو گھروں سے نکال کر دور پھینک کر ان کے گھروں پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے ہیں، ان کی زمینوں پر، باغات پر قابض ہو گئے ہیں، ان کے کارخانے اور دکانوں پر قبضہ کر لیا ہے اور کہتے ہیں کہ ہمارے وجود کو تسلیم کرو۔ بڑی عجیب بات ہے تمھارے وجود کو کس طرح تسلیم کریں؟ تم میں سے کوئی روس سے آیا ہے، کوئی پولینڈ سے اور کوئی امریکہ سے بھیجا گیا ہے۔ مختلف ممالک سے تم آئے ہو نہ تمھارے باپ کی جاگیر ہے، نہ تمھارے دادا کی جاگیر ہے۔ جن بے چاروں کی جاگیر ہے اور جدی پشتی چلی آرہی ہے ان کو تم نے اُٹھا کر

باہر پھینک دیا ہے اور کہتے ہو کہ ہمارا وجود تسلیم کرو۔ بات سمجھ گئے ہونا۔

پھر اس پر زیادتی یہ کہ اُنھیں خیموں میں بھی سانس نہیں لینے دیتے وہاں بھی بمباری کرتے ہو۔ اور جب کوئی ان کی تائید کرتا ہے تو ظالم امریکہ ویٹو کر دیتا ہے کہ ہم تائید نہیں کرتے۔

ملحمۃ الکبریٰ کا وقت قریب آ گیا ہے :

یاد رکھو مسلمانو! میں اپنے نوجوان ساتھیوں سے کہتا ہوں کہ دنیا کے حالات ایسے ہیں کہ ان کا صحیح اندازہ لگانا تو مشکل ہے لیکن احادیث میں پیش گوئی کے مطابق ملحمۃ الکبریٰ وہ عظیم جنگ کہ جس سے دنیا کا کوئی خطہ خالی نہیں رہے گا وہ بالکل سر پر کھڑی ہے۔ لہٰذا جو ساتھی جس مسجد کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں وہ نوجوانوں کو اکٹھا کریں اور کوئی تنظیم بنائیں۔ خدانخواستہ وہ وقت آئے تو کمزوروں کو اور زخمیوں کو کھینچ تو سکو۔ وہ وقت بالکل قریب آیا ہوا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے: عُمران بیت المقدس خراب، یثرب خراب یثرب خروج الملحمة و خروج الملحمه فتح القسطنطنيه وفتح القسطنطنيه خروج الدجال او کما قال ﷺ۔ صحاح ستہ کی مرکزی کتاب ابوداؤد شریف کی روایت ہے فرمایا بیت المقدس کی آبادی زیادہ ہو جائے گی اور اس آبادی پر غیروں کا قبضہ ہو جائے گا تو پھر عرب کی تباہی شروع ہو جائے گی اور جس وقت عرب کی تباہی شروع ہو جائے گی تو عالمی جنگ چھڑ جائے گی اور کافروں کے ساتھ قسطنطنیہ میں جنگ ہوگی۔ وہ وقت بالکل قریب آ چکا ہے۔ تو خیر:

الشَّیْءُ یُذْکَرُ بِالشَّیْءِ

"بات سے بات نکلتی ہے۔"

تو آپ ﷺ نے مسجد اقصیٰ میں فجر کی نماز پڑھائی انبیائے کرام علیہم السلام کو۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اس پر آج یہود کا قبضہ ہے اور مسلمان عیاشیوں میں لگے ہوئے ہیں اور جہاد کی تیاری کے لیے کچھ نہیں کیا۔ اور وہاں جو یہودی دوسرے ممالک سے آئے ہیں وہ تمام فوجی ضروریات کے کاریگر ہیں۔ اسلحہ سازی میں، جہازوں کے متعلق وہ سب سے زیادہ تجربہ رکھتے ہیں۔ روس اور دیگر ممالک نے ان تجربہ کار لوگوں سے ٹریننگ لی ہے۔ اسی چیز کی وجہ سے ان کی گردنیں اکڑی ہوئی ہیں کہ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ اور ہم (مسلمانوں) سے صرف دعا ہی ہو سکتی ہے کہ اے پروردگار! ان مظلوموں کی جان بخشی کر دے ان ظالموں کے ہاتھوں سے جو افغانستان میں ظلم کر رہے ہیں، فلسطینیوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ تو آنحضرت ﷺ کی معراج کا واقعہ میں نے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اعلان:

وہ نوجوان جو ہماری مسجدوں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں میں ان سے پرزور اپیل کرتا ہوں وہ جمیعت علمائے اسلام کے دفتر میں جمع ہو جائیں اور اپنی تنظیم بنائیں اور جہاد کی تیاری کریں۔ وہ وقت دور نہیں ہے۔ جنت میں جانے والوں سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تمھاری کوئی تمنا ہے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہماری تمنا ہے کہ آپ ہمیں دنیا میں بھیج دیں ہم پھر شہید ہوں۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے بس

اب تم یہیں رہو۔

سوال: کیا ٹیپ ریکارڈر پر قرآن سننے پر اسی طرح ثواب ملتا ہے جیسے کسی کی زبان سے سننے پر ملتا ہے؟

جواب: ہاں! قرآن پاک کا سننا ثواب رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ [آمین!]

مدرسہ ریحان المدارس

جناح روڈ، گوجرانوالہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ومن تبعھم من ائمۃ الدین من الفقہاء والمحدثین سلفاوخلفا الی یوم الدین

مدرسہ ریحان المدارس اہلسنت والجماعت علماء دیوبند کے عقائد ونظریات خصوصاً امام اہلسنت الشیخ محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے منہج ومسلک پر کام کرنے والا علوم دینیہ وعربیہ بالخصوص علوم صرفیہ ونحویہ کا ایک معیاری دینی ادارہ ہے جو استاذ العلماء شیخ الصرف والنحو مولانا **محمد نواز بلوچ** صاحب دامت فیوضہم کے زیرِ اہتمام مختلف شعبہ جات میں دینی وملی خدمات سرانجام دے رہا ہے

شعبہ جات

حفظ القرآن، ناظرہ قرآن، دورۂ تفسیر (سالانہ تعطیلات میں) (یومیہ درس قرآن)

درس نظامی + درجہ اعدادیہ تا درجہ سادسہ (سال اول) درجہ اولیٰ پہ خصوصی توجہ۔

خصوصیات

تعلیم وتربیت، نظم وضبط، عقائد ونظریات کی پاسداری، مطالعہ وتکرار

قوانین صرفیہ وقواعد نحویہ کا اجراء، خوشگوار ماحول۔

سہولیات: قیام وطعام، علاج ومعالجہ، معقول ماہانہ وظیفہ۔